برصغیر کے امام منطق و فلسفہ، مشہور شاعر و ادیب
اور جنگِ آزادی اٹھارہ سو ستاون کے ہیرو

علامہ محمد فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ

1857

تحریر
سلمہ سیہول

الممتاز پبلی کیشنز۔ لاہور

برصغیر کے امامِ منطق و فلسفہ، مشہور شاعر و ادیب
اور جنگِ آزادی اٹھارہ سو ستاون کے ہیرو

علامہ محمد فضل حق خیرآبادی

رحمہ اللہ تعالیٰ

تحریر

سلمہ سیہول

الممتاز پبلی کیشنز، لاہور

نام کتاب----- علامہ محمد فضل حق خیر آبادی

تحریر--------- سلمہ سیہول

پروف ریڈنگ--- انجینئر بابر سیہول

تعداد-------- ۱۰۰۰

کمپوزنگ ----- الحجاز کمپوزرز، اسلام پورہ، لاہور فون:7225944

ناشر--------- مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

طبع اول------ محرم الحرام 1422ھ/2001ء

صفحات------- 446

باہتمام------- حافظ نثار احمد قادری

قیمت------- -/165

مطبع------ سید محمود احمد رضوی پرنٹنگ پریس، لاہور

ملنے کا پتا

مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ-لاہور

مکتبہ قادریہ، دربار مارکیٹ، لاہور Ph:7226193

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

بنام استاذی شیخ القرآن والحدیث
عالم باعمل، پیکر سادگی وانکسار
حضرت مولانا مفتی محمد عبدالغفور نقشبندی مدظلہ العالی

فہرست

باب 1

تقدیم

تقدیم

علامہ محمد فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک و ہند کے منطق و فلسفہ کے امام—ماہرِ علمِ کلام—دنیا کا مثالی و مختصر ترین اور اردو زبان میں پہلا آئین بنانے والے قانون دان—عربی کے نمائندہ شاعر و ادیب—فارسی زبان و ادب کے ماہرِ کامل—اردو زبان و ادب کے محسن، نقاد، غالب ساز و مومن شناس—مجالسِ علماء، ادباء، شعراء، امراء و روساء کے صدر نشین—آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے ہم جلیس، مشیر و معتمد—انگریزوں کے سب سے بڑے مخالف اور دشمن—اور جنگِ آزادی اٹھارہ سو ستاون کے ہیرو تھے۔

اس فضیلت و مرتبت کے باوجود انکی کوئی جامع سوانح حیات مرتب نہیں کی گئی، نہ انکی حیات میں اور نہ بعد میں۔ ڈیڑھ صدی قبل سر سید احمد خان نے علامہ فضل حق کی وفات سے چودہ سال (14) پہلے "آثار الصنادید" مصنفہ 1846ء (یعنی تذکرۂ اہل دہلی) میں، اختصار کے ساتھ مگر جن شاندار الفاظ میں علامہ کی مدح سرائی کی ہے[1] اس سے انکی جامع سوانح حیات کی عدم موجودگی پر حیرت و تشنگی اور بڑھتی ہے۔

ڈاکٹر محمد ایوب قادری اس پر حیرت و استعجاب کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"ان کے تلامذہ کا حلقہ بھی وسیع تھا جس میں اس دور کے مشہور علماء شامل تھے، انکے صاحبزادے مولانا عبدالحق خیرآبادی صدر نشین اصحابِ علم و فضل تھے، خاندان میں علمی روایات متوارث رہیں، مگر افسوس کہ علامہ فضل حق کی سیرت و سوانح کے بارے میں ہمیں ان بزرگوں سے تحریری صورت میں کچھ نہ ملا، ہم عصر تذکروں میں بھی بہت مختصر ذکر ملتا ہے۔"[2]

---

[1] تذکرہ اہل دہلی ص: ۱۳۰ تا ۱۳۲۔ یا اگلے صفحات میں "علامہ مشاہیر کی نظر میں" ص: ۱۶۴، ۱۶۵ ملاحظہ کیجئے۔

[2] دیکھئے "مولانا فضل حق خیرآبادی" مجموعہ مقالات مرتبہ افضل حق قرشی، ص ۱۱

ڈاکٹر معین الدین عقیل بھی اس افسوس ناک صورتحال کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

''یہی وجہ ہے کہ آج کے مصنفین کے سامنے ایسے مآخذ بہت کم اور دسترس سے دور ہیں جو مولانا فضل حق کے سوانح اور علم و حکمت کے جائزہ میں مفید اور معاون ہوں۔''[1]

علامہ فضل حق خیر آبادی کی وفات کے ایک طویل عرصے بعد ۱۳۴۶ھ (تقریباً 1928ء) میں حکیم بہاء الدین گوپاموی (ف 1962ء) نے علمائے سیتاپور کے حالات میں ایک مختصر کتابچہ ''سیر العلماء'' مرتب کیا، اس میں علامہ کے حالات دو صفحات میں لکھے، حکیم صاحب نے علامہ کے مقدمۂ بغاوت کی جو تفصیل بیان کی ہے اس میں سے کچھ باتیں ہی حقائق سے مطابقت رکھتی ہیں۔

حکیم گوپاموی صاحب کے بعد مفتی انتظام اللہ شہابی گوپاموی ثم اکبرآبادی (ف 1968ء) نے ''مولانا فضل حق خیر آبادی، عبدالحق خیر آبادی'' کے نام سے ایک طویل مضمون لکھا، جو رسالہ ''مصنف'' علی گڑھ میں باہتمام سید الطاف علی بریلوی شائع ہوا۔ اس کے بعد اسی میں کچھ تغیر و تبدل کر کے وہ اسے اپنی دوسری تصانیف ''غدر کے چند علماء'' وغیرہ کا جزو بناتے رہے۔ محققین کے نزدیک اس کے زیادہ تر مندرجات نامعتبر اور من گھڑت ہیں۔

وقت یوں ہی گزرتا رہا اور اس جامع کمالات اور محسن ملک و ملت کو شایان شان خراجِ عقیدت پیش کرنے کا حق ادا نہ ہوا۔ بالآخر تقریباً ایک صدی بعد 1947ء میں مولانا عبدالشاہد خان شروانی (ف ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ / ۱۸ر فروری 1984ء) نے یہ خدمت سرانجام دی، اور علامہ فضل حق خیر آبادی کی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی تاریخ پر مبنی تصنیف ''الثورۃ الھندیہ''[2] کا اردو میں ترجمہ کیا اور اسے ''باغی ہندوستان'' کے نام سے علامہ کے حالات زندگی پر مشتمل ایک ضخیم و مبسوط مقدمے کے ساتھ طبع کروایا، یہ خیال

---

[1] دیکھئے علامہ فضل حق خیر آبادی اور جہاد آزادی، ص ۱۸۶

[2] الثورۃ الھندیہ کو پہلے ''رسالہ غدریہ'' کہا اور لکھا جاتا تھا۔

رہے کہ یہ مولانا شروانی کی پہلی تالیف تھی۔

خیرآبادیات کے موضوع پر اس نقش اول کو برصغیر پاک و ہند میں بہت پذیرائی ملی، اسکے اب تک پانچ ایڈیشن نکل چکے ہیں، مگر یہ کتاب بھی محققین کی تنقید سے نہ بچ سکی، اس لئے کہ مولانا عبدالشاہد خان شروانی نے بعض مقامات پر مفتی انتظام اللہ شہابی اور حکیم بہاء الدین گوپاموی کی تحریرات سے استفادہ کیا تھا، خیال رہے کہ مولانا شروانی نے اگلے ایڈیشن نظر ثانی کے بعد، ترمیم واضافے کے ساتھ پیش کیے ہیں۔

''باغی ہندوستان'' کی اشاعت کے دس سال بعد جناب امتیاز علی خان عرشی رامپوری نے ''مولانا فضل حق خیرآبادی اور ۱۸۵۷ء کا فتویٰ جہاد'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جو ماہنامہ ''تحریک'' دہلی میں اگست ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔ اس میں انہوں نے ''باغی ہندوستان'' کے اس حصے پر اعتراض کیا جو حکیم بہاء الدین گوپاموی کی ''سیر العلماء'' سے مقتبس تھا، حکیم گوپاموی صاحب نے علامہ کے مقدمۂ بغاوت کی جو تفصیل بیان کی اور اس سے جو نتائج مستنبط ہوئے، جناب امتیاز علی عرشی کو ان سے مکمل اختلاف تھا، اسلئے انہوں نے اپنے مضمون میں فرداً فرداً تمام نتائج کی تغلیط کی اور اس پر زور دیا کہ علامہ فضل حق نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ اس کے ثبوت میں انہوں نے ڈاکٹر اطہر عباس کی کتاب ''سونتنتر دہلی'' میں چھپنے والے اس فتوے کی نقل پیش کی، جو چھبیس (۲۶) جولائی ۱۸۵۷ء کے ''صادق الاخبار'' دہلی میں ''اخبار الظفر'' دہلی سے نقل کر کے شائع کیا گیا تھا۔[1] وجوبِ جہاد کے اس استفتاء میں تینتیس (۳۳) علمائے دہلی کے دستخط ہیں، مگر علامہ فضل حق کے دستخط نہیں ہیں۔

جناب امتیاز علی عرشی نے اپنے موقف کی تائید میں ''رضا لائبریری'' رامپور سے ملنے والے اس خط کو بھی پیش کیا ہے جو انکی تحقیق کے مطابق علامہ فضل حق خیرآبادی نے

---

[1] فتوے کی باب نمبر ۲ میں ص: ۳۶۳، ۳۶۲ پر ملاحظہ کیجئے۔

اپنے مقدمے کے دوران، رام پور کے نواب یوسف علی خان کو مدد کے سلسلے میں لکھا تھا۔[1]

اس خط سے انہوں نے جو نتائج اخذ کیے، ان میں سے بعض یہ ہیں:

"علامہ پر جو تین الزام (جیسے کہ درخواست میں مذکور ہے) لگائے گئے تھے یہ دراصل میر فضل حق شاہجہان پوری کے کارنامے تھے، علامہ ان سے بری الذمہ تھے، مخبروں نے ہم نامی کی بنا پر دھوکہ کھایا اور اپنی رپورٹوں میں اتنا اور اضافہ کر دیا کہ ان کا ایک بھائی مہاراجہ پٹیالہ کا ملازم ہے، جو ایک امر واقعی تھا، اگر کسی طرح ان الزاموں کا غلط ہونا یعنی ان جرموں کا میر فضل حق شاہجہان پوری سے تعلق ثابت ہو جاتا تو علامہ بری ہو جاتے۔"[2]

جناب عرشی رامپوری صاحب مزید لکھتے ہیں:

"ان امور کے پیش نظر یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ علامہ خیر آبادی پر تحریر فتویٰ کا الزام عائد نہیں کیا گیا تھا، بلکہ ان پر غدر دہلی سے متعلق کوئی الزام بھی نہ لگا تھا، اور جو الزام عائد کیے گئے تھے وہ دراصل دوسرے مولوی فضل حق کے کام تھے، یہ ان سے بالکل بری الذمہ تھے، یہی وجہ تھی کہ جب عدالت میں مخبر پیش ہوئے تو بقول مولانا شروانی انہوں نے علامہ کے متعلق صاف کہہ دیا کہ یہ وہ فضل حق نہیں ہیں، وہ دوسرے تھے۔ مگر انگریز پر جبر کا بھوت سوار تھا۔ حاکم نے اس شبہہ کا فائدہ علامہ کو صرف اتنا دیا کہ انہیں پھانسی کی جگہ حبسِ دوام بعبور دریائے شور کی سزا دے دی۔"[3]

جناب امتیاز علی عرشی کی تحقیق درست سمت میں گئی، مگر انہوں نے اسکو آگے بڑھا کر کسی حتمی نتیجے اور منزل تک پہنچنے کی کوشش نہ کی، شاید انکا مطمحِ نظر حقیقت تک پہنچنا نہ تھا بلکہ کچھ اور تھا، اسی لئے انہوں نے ادھورے نتائج پر ہی اکتفا کر لیا، حالانکہ ابتدائی سطح کے یہ

---

[1] خط کی نقل باب نمبر ۶ میں ص: ۳۶۴، ۳۶۵ پر ملاحظہ کیجیے
[2] مجموعہ مقالات مرتبہ افضل قریشی، ص: ۹۷
[3] مرجع سابق۔

نتائج تقاضا کرتے تھے کہ موضوع سے متعلقہ مآخذ و مصادر کو کھنگالا جائے اور حقیقت حال معلوم کی جائے جو ایک محقق کیلیے کچھ مشکل نہ تھا مگر انہوں نے ایسا تو در کنار، اپنے مذکورہ بالا تحقیقی مضمون کا بھی معتد بہ حصہ ''باغی ہندوستان'' میں مذکور ''سیر العلماء'' سے اقتباس کی تغلیط میں صرف کر دیا، اور اس جوش میں ایسی باتیں رقم کر گئے جو نہ تو علامہ کے شایانِ شان ہیں اور نہ ہی جناب عرشی رام پوری جیسے محقق کو سزاوار۔ چنانچہ ان کے اس غیر ذمہ دارانہ اور جانبدارانہ رویے پر بہت تنقید ہوئی۔ جناب نادم سیتاپوری بھی جناب عرشی رام پوری کیلیے اپنے تمام تر احترام کے باوجود قلم اٹھائے بغیر نہ رہ سکے اور لکھا:

''میں مولانا عرشی کی علمی سنجیدہ روی، شائستگی اور متانت کا ہمیشہ معترف رہا اور آج بھی انکی تحقیقی و علمی عظمت کا قائل ہوں۔ اسی لئے جب میں نے مولانا کے مضمون میں مولانا خیر آبادی کے متعلق یہ جملے دیکھے تو کچھ دیر تک اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آیا--- مولانا عرشی نے اس موضوع کے ساتھ تحقیقی برتاؤ نہیں کیا۔''[1]

جناب عرشی رامپوری نے تحقیق کو جس مقام پر لا کر چھوڑا، اس سے بہت سوں کا کام بن گیا، بہتیروں کا کام آسان ہو گیا اور کئی غلط فہمی کا شکار ہو گئے جناب عرشی رامپوری کی استوار کردہ بنیادوں پر تحریر کیے جانے والے مضامین میں سے جس نے سب سے زیادہ شہرت پائی وہ ''مولانا فضل حق خیر آبادی'' کے عنوان سے، جون ۱۹۶۰ء میں ماہنامہ ''تحریک'' دہلی میں چھپنے والا، مشہور غالب شناس محقق، جناب مالک رام کا مضمون ہے۔

جناب مالک رام نے اپنے مضمون کا آغاز یوں کیا: ''مولانا فضل حق خیر آبادی اپنے عہد کے مشہور علماء میں سے تھے، بلکہ معقولات میں تو آخری دور کے امام مانے جاتے تھے، یہ امتیاز انکے خاندان میں بہت دن تک جاری رہا اور آج تک ان کا نام علمی اور تعلیمی حلقوں میں ادب و احترام سے لیا جاتا ہے اگر اسی پر اکتفا کر لیا جاتا تو یہ بھی کچھ کم امتیاز نہیں تھا لیکن ان کے مداحوں نے اس پر قناعت نہ کی اور چاہا کہ انہیں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی

---

[1] ''فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون'' ص:۹

کے ہیرو اور ''افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر'' کا مصداق بھی قرار دیا جائے۔''[1]

اس تمہیدی عبارت ہی میں جناب مالک رام نے اوصاف وامتیازات پر قناعت واکتفا کا نظریہ پیش کر کے اس موضوع پر اپنا موقف ومنشا پیش کر دیا، اور پھر اگلے پیراگراف میں جناب عرشی رامپوری کی تحریر کو بنیاد بنا کر اسے یوں برملا بیان کر دیا: ''اس خط سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف انہوں نے ۱۸۵۷ء کی تحریک میں کوئی حصہ نہیں لیا، بلکہ وہ آخر تک اس سے اپنی بے تعلقی اور عائد کردہ الزامات سے بے گناہی ثابت کرنے کیلئے پوری تگ ودو کرتے رہے۔''[2]

اپنے موقف کی تائید میں جناب مالک رام نے علامہ کی فائل مقدمہ سے مقدمے کی نامکمل روداد پیش کی ہے۔[3] جس میں علامہ نے اپنے اوپر لگائے گئے الزامات سے انکار کیا ہے اور مقدمہ جیتنے کیلئے تگ ودو کی ہے اور پھر اپنے خلاف فیصلہ ہو جانے پر رہائی کیلئے دوبارا اپیل بھی کی ہے۔ کارروائی مقدمہ کی تحریر سے جناب مالک رام کے موقف کو بہت تقویت ملی اور مزید تائید کیلئے انہوں نے اپنے اس مضمون میں علامہ کی خودنوشت ''الثورۃ الھندیہ'' سے بھی استفادہ کیا ہے۔

کارروائی مقدمہ تحریر کرنے کے بعد انہوں نے بھی جناب عرشی رامپوری کی طرح مقدمے سے متعلق پرانی داستان کا رد کیا ہے، اور جناب عرشی رامپوری کے دلائل کو بھی شامل کیا ہے، اور یہ بھی کہا ہے کہ انہیں انکے ہمنام میر فضل حق شاہجہان پوری کی جگہ دھوکے میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔

آخر میں جناب مالک رام نے اپنے موقف کو پوری شرح وبسط کے ساتھ یوں

---

[1] مجموعہ مقالات مرتبہ از افضل قریشی، ص: ۱۰۳

[2] مجموعہ مقالات مرتبہ از افضل حق قریشی، ص: ۱۰۳، ۱۰۴

[3] یہ فائل نیشنل آرکائیوز آف انڈیا یعنی قومی دفتر خانہ ہند، نئی دہلی میں محفوظ ہے، دستیاب ہونے والی اس فائل سے بہت سے کاغذات سرکاری طور پر پہلے ہی نکلے ہوئے ہیں۔

دھرایا ہے: غرض پورے حالات کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ فضل حق مرحوم نے ۱۸۵۷ء کی تحریک میں واقعی کوئی حصہ نہیں لیا تھا، انہوں نے اس سے پہلے لوگوں کو جو تلقین بھی کی ہو۔۔۔۔لیکن جب یہ ہنگامہ شروع ہوا تو وہ عملاً اس سے الگ تھلگ رہے، نہ علمی پہلو سے اس میں شریک ہوئے نہ عملی لحاظ سے، انہوں نے نہ کوئی فتویٰ لکھا، نہ تلوار ہی اٹھائی۔

آج تک انکی نسبت جو غلط باتیں مشہور رہی ہیں، دراصل یہ نتیجہ تھیں ہماری اس خواہش کا کہ ہم انہیں نہ صرف بزم علم وعقل اور مجلس قال اقول ہی میں صدر نشین، بلکہ ''جنگ آزادی'' میں بھی برابر کا شریک دیکھنا چاہتے تھے۔''[1]

یہ تھی مشہور محقق جناب مالک رام کی تحقیق، جس پر نادم سیتاپوری نے کہا:

''مولانا عرشی نے جس بحث کا آغاز اگست ۱۹۵۷ء میں کیا تھا، اس کا بہت کچھ تکملہ جناب مالک رام کے مضمون پر ہوا۔''[2]

وہ مزید کہتے ہیں:

''یہ انداز وکیلانہ تو ہے محققانہ نہیں۔''[3]

یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ جناب مالک رام نے بھی جانبداری سے کام لیا، کیونکہ انکا مضمون کسی محقق کی تحقیق ہرگز نہیں ہے، انہوں نے اس قضیے کی تحقیق کیلئے معاصر مصادر ومراجع سے مدد لینا تو کجا، اس فائل مقدمہ کا بھی بنظر غائر مطالعہ نہیں کیا، جس کو انہوں نے بطور ثبوت پیش کیا ہے، جبکہ یہ ثبوت ہی انکی تحقیق کا رد ہے۔ فائل کے مطابق فردِ جرم کا تعلق صرف بوندی کے مقام سے ہے، اس لئے بوندی کی سرگرمیوں سے متعلقہ فردِ جرم کے انکار اور رہائی کی تمام تر تگ ودو سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ تحریکِ

---

[1] مجموعہ مقالات مرتبہ افضل قریشی، ص:۱۴۸

[2] فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون، ص:۱۲

[3] مرجع سابق، ص:۱۳

آزادی میں ان کا کوئی حصہ ہی نہ تھا، جبکہ اس فائل کے مطابق عدالت نے خود اپنے فیصلے میں علامہ کی دہلی میں سرگرمیوں اور ان کے ثابت نہ کیے جاسکنے کا بار بار ذکر کیا ہے۔[1] اور خود جناب عرشی رامپوری نے بھی درخواست کے حوالے سے اس طرف اشارہ کیا تھا کہ ''مقدمہ میں علامہ پر تحریر فتویٰ کا الزام عائد نہیں کیا گیا تھا، بلکہ ان پر غدر دہلی سے متعلق کوئی الزام بھی نہ لگا تھا، اور جو الزام عائد کیے گئے تھے وہ دراصل دوسرے مولوی فضل حق کے کام تھے، یہ ان سے بالکل بری الذمہ تھے۔''[2]

یوں جناب مالک رام کی تحقیق بھی محققین نے رد کر دی۔ جناب نادم سیتاپوری نے لکھا:

''آج کی نئی ریسرچ و تحقیق نے محققانہ زاویہ نگاہ سے کم، ارادی اور جوابی نقطہ نظر سے زیادہ اس بات سے انکار کیا ہے کہ مولانا خیر آبادی نے اس جنگ میں کسی قسم کا حصہ لیا ہے۔ اس سلسلے میں کئی مضامین سامنے آچکے ہیں، جنکی فاضلانہ اور محققانہ بصیرت افروزی کے اعتراف کے باوجود، میں اپنے آپ کو اس ''زاویہ نگاہ'' سے متفق نہیں کر سکا۔''[3]

بالآخر ''خیر آبادی'' مکتب فکر سے نسبت و تعلق رکھنے والے حکیم سید محمود احمد برکاتی نے قلمِ تحقیق اٹھایا اور لکھا:

''حیرانی تھی کہ ایک حقیقت کے انکار کی ضرورت کیوں لاحق ہوگئی؟ اور انتظار تھا کہ کوئی ''فضل حق پسند'' نہیں تو حق پسند اہل قلم ہی اس زیادتی کی تلافی کیلئے کمربستہ ہو اور احقاقِ حق کا فرض ادا کرے۔''[4] مگر ادھر سے مایوسی کے بعد انہوں نے ''فضل حق خیر آبادی

---

[1] مجموعہ مقالات مرتبہ افضل قریشی، ص:۱۱۹ تا ۱۲۵

[2] مجموعہ مقالات مرتبہ افضل قریشی، ص:۹۰

[3] غالب نام آورم، ص:۱۰۸، ۱۰۹

[4] فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون، ص:۱۵

اور سن ستاون" کے نام سے، محققانہ انداز میں ایک مختصر مگر اس موضوع پر اب تک سب سے مفید کتاب تحریر کی جو پہلی مرتبہ ۱۹۷۵ء میں برکات اکیڈمی، کراچی سے شائع ہوئی اور پھر مئی ۱۹۸۷ء میں مکتبہ قادریہ، لاہور سے طبع ہوئی۔

انہوں نے اس میں ۱۸۵۷ء کے مآخذ و مصادر سے جہادِ آزادی میں علامہ کے حصہ کے شواہد پیش کیے اور ان پر کیے جانے والے بہت سے اعتراضات[1] کو بے بنیاد اور ایک مخصوص مکتبۂ فکر کی تحریک ثابت کیا ہے۔ حکیم برکاتی صاحب نے اپنی اس تحریر کو اربابِ قلم اور محققین کیلئے اشارات اور دعوتِ عمل قرار دے کر لکھا: "میری یہ کوشش ایک مظلوم کی حمایت و دفاع کی وکیلانہ نہیں منصفانہ کوشش ہے---- اگر معاصر مآخذ سے یہ مواد فراہم نہ ہوتا جو ہوا تو آپ مجھے بھی جناب مالک رام کا ہمنوا پاتے۔"[2]

مگر افسوس کہ حکیم سید محمود احمد برکاتی صاحب بھی اس مظلومِ خویشاں و بیگانگاں کے ساتھ پورا انصاف نہ کر سکے۔ انہوں نے اس حقیقت کو تو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیا کہ علامہ نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا تھا، مگر ان پر قائم ہونے والے مقدمے کی گتھی کو وہ بھی نہ سلجھا سکے اور لکھ دیا کہ "مولانا فضلِ حق نے عدالت کے سامنے اپنی بے گناہی کے سلسلے میں جو کچھ کہا اور اپنی رہائی کیلئے جو کچھ کیا، صاف کہتا ہوں کہ یہ خلافِ عزیمت فعل تھا اور حیاتِ فضلِ حق میں یہ ورق کاش سیاہ ہو جاتا۔ مانا کہ کئی مجاہدین (خان بہادر خان اور بہادر شاہ ظفر وغیرہ) نے بھی یہی کیا----"[3]

یہ تھی برصغیر پاک و ہند کی ایک بے مثال شخصیت پر ہونے والے ظلم کی داستان۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ:

---

[1] ان اعتراضات کیلئے ملاحظہ کیجئے "باغی ہندوستان" اور "فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون" ۔ یا اگلے صفحات میں "علامہ معترضین کی نظر میں" ص: ۱۷۴ تا ۱۸۰۔

[2] فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون" ص: ۱۷

[3] مرجع سابق۔

جس جرم کی انہیں سزا دی گئی وہ انکا جرم نہ تھا
اور جو انکا جرم تھا وہ ثابت نہ ہو سکا تھا۔

لہٰذا ان پر قائم ہونے والا یہ جھوٹا مقدمہ اور اسکی فردِ جرم، چونکہ علامہ کے دشمنوں اور دشمنانِ اسلام (عبدالحکیم، مرتضیٰ حسین، انگریز) کی مشترکہ کاوش تھی، اس لئے اس سے اپنی براءت ثابت نہ کرنا خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف اور اپنی براءت ثابت کرنا ان پر واجب اور سنت انبیاء[1] تھا۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں علامہ فضل حق خیر آبادی کا کردار نہایت اہم ہے، صرف محاذِ دہلی پر ہی ملک و ملت کیلئے انکی اتنی خدمات ہیں کہ وہ بلاشبہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ہیرو قرار پاتے ہیں۔ وہ دہلی کے بعد لکھنؤ وغیرہ کے محاذ پر بھی گئے تھے مگر افسوس کہ وہاں کی کوئی تفصیلات ابھی منظر عام پر نہیں آئیں۔[2]

ایسی نادرِ روزگار شخصیت پر اس طویل ظلم میں جو تین ہاتھ کارفرما ہے، وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ "فضل حق پسند" اور "حق پسند" اہل قلم جو اپنے حصے کی ذمہ داری بھول ہی گئے۔

۲۔ شاہ اسمٰعیل دہلوی کے مداحین اور پیروکار، جنہوں نے علامہ کی تنقیص کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

۳۔ انگریز اور انگریز پرست لوگ، جنہوں نے جنگ آزادی، انقلاب اور مجاہدین کو اپنے ظلم و بربریت سے بغاوت، غدر اور باغی رقم کر کے پوری صدی کی تاریخ مسخ کر ڈالی۔

مشہور روسی مصنف "شومسکی" نے بھی اس طرف اشارہ کیا: "برطانوی علمِ تاریخ میں ۱۸۵۷ء کی عوامی بغاوت کے بہت سے رہنماؤں اور شرکت کرنے والوں کے "خاص

---

[1] جیسے حضرت یوسف علیہ السلام، انکے براءت کے اثبات کے واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے۔ سورہ یوسف، آیت نمبر: ۲۶

[2] حکیم سید محمود احمد برکاتی کے مطابق جنگ آزادی پر بہت سا مواد انڈیا آفس لائبریری میں منتقل ہے۔

طور سے مولانا فضل حق خیر آبادی" کے نظریات کو جس طرح مسخ کیا گیا ہے، پھر بعض جدید مطبوعات میں بھی جو غلط تصور پیش کیا گیا ہے، اس نے اور خود اس عوامی بغاوت کو "غدر" اور مٹھی بھر انگریز دشمن جاگیرداروں کی بغاوت کا نام دینے کی روش نے "مادام پولونسکایا"[1] کو ان مسائل کے غائر مطالعہ پر اکسایا۔"[2]

ایسی صورتحال میں علامہ فضل حق خیر آبادی کی سوانح کے اوراق ترتیب پاتے تو کیسے پاتے؟! حتیٰ کہ راقم الحروف کی تحقیق کا دائرہ کار بھی ایک مستحق کو اس کا حق دلانے یا ایک مظلوم پر ہونے والے ظلم کا مداوا کرنے تک وسیع نہیں، بلکہ صرف علامہ فضل حق خیر آبادی کی عربی شاعری کی تدوین و تحقیق وغیرہ پر مشتمل اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے کے ایک باب "ترجمۃ العلامہ" کیلئے حقائق حاصل کرنے تک محدود ہے۔

ان تقدیمی صفحات میں مذکورہ تصانیف و تحریرات کے علاوہ، علامہ فضل حق خیر آبادی پر جو کچھ لکھا گیا وہ انہیں کتابوں سے اخذ و استنباط ہے۔ اسی لئے ان میں مذکورہ بالا تحریرات میں سے کسی نہ کسی کا رنگ ضرور پایا جاتا ہے اور وہ مزید کسی تجزیے و تبصرے کی محتاج نہیں ہیں۔ البتہ پروفیسر ایوب قادری کا مقالہ "مولانا فضل حق خیر آبادی، دورِ ملازمت" ایک مفید مطالعہ تحریر ہے گو کہ انہوں نے بھی تنقیص کے موقع کا تتبع کیا ہے۔ یونہی ڈاکٹر معین الدین عقیل کا مقالہ "فضل حق خیر آبادی، ایک کتابیاتی جائزہ" علامہ خیر آبادی پر تحقیق میں ممد و معاون ہے اِس مقالہ میں تقریباً ان تمام مصادر و مراجع کا جائزہ و احاطہ ہے جن میں علامہ خیر آبادی کا ذکر یا نام موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان مراجع میں سے ہر ایک کا مطبع، سنِ طباعت اور متعلقہ صفحات تک کی معلومات درج کی ہیں مگر افسوس کہ ان میں سے بیشتر مراجع ناپید ہیں یا ان تک رسائی مشکل ہے، اچھا ہوتا اگر ڈاکٹر صاحب ان مصادر و مراجع کے مندرجات من و عن قارئین تک پہنچانے کا اہتمام کرتے۔

---

[1] یہ مادام پولونسکایا وہی روسی خاتون ہیں جو "سوویت یونین کی سائنس اکیڈمی کے ادارۂ علوم شرقیہ" کی ایک ممتاز رکن تھیں اور انہوں نے مولانا فضل حق خیر آبادی کے سیاسی و سماجی نظریات کا تحقیقی جائزہ لیا تھا۔

[2] سوویت دیس دہلی، ۱۰؍ جولائی ۱۹۵۸ء، بحوالہ غالب نام آورم، ص: ۱۱۴، ۱۱۵

ریسرچ و تحقیق کے اس دور میں علامہ فضل حق خیر آبادی کی حیات و شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کا آغاز ہو چکا ہے۔ جیسے جناب محمد احمد صاحب ''العلامہ فضل حق الخیر آبادی، حیاتہٗ و خدماتہٗ'' کے عنوان سے، کرناٹک یونیورسٹی، بھارت میں ڈاکٹریٹ کا مقالہ تحریر کر رہے ہیں، اور جناب عبدالواحد صاحب ''العلامہ فضل حق الخیر آبادی، و آراؤہ الکلامیہ'' کے عنوان سے، الازھر یونیورسٹی، مصر میں ڈاکٹریٹ کا مقالہ تحریر کر رہے ہیں اور الازھر ہی سے جناب ممتاز احمد سدیدی صاحب ''العلامہ محمد فضل الحق الخیر آبادی، دنیاہ و شعرہ العربی'' کے عنوان سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھ رہے ہیں، یونہی ''علم منطق و فلسفہ میں خیر آبادی خاندان کی خدمات'' پر یورپ میں کام ہو رہا ہے۔ تحقیق کے اس دور سے حقائق تک رسائی کا سفر یقیناً آسان اور تیز رفتار ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔

علامہ کی ذاتی، علمی اور سیاسی زندگی سے متعلق حقائق پر مشتمل ایک ایسی ہی متواضع کوشش نذر قارئین ہے۔ جس میں علامہ کی پہلو دار شخصیت کے اس دور کی ممتاز شخصیات خصوصاً غالب کے ساتھ انکے روابط پر بطورِ خاص روشنی ڈالی گئی ہے۔ یونہی جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں علامہ کے کردار پر حالیہ قائم کردہ شکوک و شبہات کے باعث انکے سیاسی احوال کے تفصیلی ذکر کے ساتھ، جنگِ آزادی کے دیگر ممتاز قائدین کے کردار کا تجزیہ و تقابل خصوصی طور پر شامل کیا گیا ہے جس سے یہ عاجزانہ کاوش موضوعِ ہذا کے قارئین کے علاوہ اردو ادب اور تاریخ کے طلبہ و محققین کیلئے بھی مفیدِ مطالعہ رہے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب حضرت محمد مصطفی ﷺ کے طفیل قبول فرمائے۔ آمین۔

آخر میں راقم الحروف شرفِ اہلِ سنت جناب عبدالحکیم شرف قادری صاحب، جناب حکیم سید محمود احمد برکاتی صاحب اور اپنے اہلِ خانہ کے غیر معمولی و خصوصی تعاون پر ان کا شکریہ ادا کرتی ہے اس حقیقت کے بیان کے ساتھ کہ یہ کوشش ان حضرات کے تعاون کے بغیر پایۂ تکمیل کو نہ پہنچتی۔

سلمہ سیہول

۲۰ راگست، ۲۰۰۰ء — لیکچرار بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

باب 2

سوانحی خاکہ

سوانحی خاکہ

واقعہ	تفصیل	تاریخ
☆ ولادت	خیرآباد	۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء
☆ تحصیل علوم سے فراغت	بعمر تیرہ سال	۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء
☆ آغاز ملازمت کمپنی	بعمر انیس سال بطور سررشتہ دار عدالت	۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء
☆ مسئلہ امتناع النظیر	مولوی اسمٰعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان کا رد	۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء
☆ مولانا فضل امام کا استعفیٰ	دہلی میں صدر الصدور کی ملازمت سے	۱۲۴۲ھ/۱۸۲۷ء
☆ ولادتِ فرزند	مولانا عبدالحق خیرآبادی	۱۲۴۳ھ/۱۸۲۸ء
☆ وفات مولانا فضل امام	تب علامہ فضل حق کی عمر بتیس (۳۲) سال تھی	۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء
☆ علامہ فضل حق کا استعفیٰ	ملازمت کمپنی سے بعمر تقریباً (۳۵) پینتیس سال	۱۲۴۵ھ/۱۸۳۱ء
☆ ریاست جھجر میں ملازمت		۱۲۴۶ھ/۱۸۳۲ء
☆ ریاست الور، سہارن پور اور ٹونک میں قیام	ریاست جھجر سے واپسی اور رام پور روانگی کے درمیانی عرصہ میں	

☆ ریاست رام پور میں ملازمت	حاکم محکمہ نظامت و مرافعہ عدالتیں	۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء
☆ دارالسلطنت لکھنو میں ملازمت	بطور صدر الصدور و مہتمم کچہری حضور تحصیل	۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء
☆ ریاست الور میں ملازمت		۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء
☆ آغاز جنگ آزادی	علامہ ریاست الور میں ملازم	۱۰/مئی ۱۸۵۷ء
☆ دارالحکومت دہلی پر مجاہدین کا قبضہ		۱۱/مئی ۱۸۵۷ء بمطابق ۱۲۷۳ھ
☆ الور کے راجہ بنے سنگھ کی وفات	علامہ الور میں موجود	۱۵/جولائی ۱۸۵۷ء
☆ علامہ بہادر شاہ ظفر کے پاس اور منتظم جہاد و ملک	بادشاہ کی دعوت اور ترکِ ملازمت الور	۱۶/اگست ۱۸۵۷ء
☆ دہلی پر انگریزوں کا قبضہ	بادشاہ، شہزادوں اور بخت خان وغیرہ زیادہ تر سپہ سالاروں کا قبضے سے پہلے خروج	۱۹/ستمبر ۱۸۵۷ء
☆ علامہ کی دہلی سے روانگی	پانچ دن گھر میں اہل وعیال کے ساتھ بھوکے پیاسے بند رہنے کے بعد	۲۴/ستمبر ۱۸۵۷ء
☆ خیرآباد میں ورود	علیگڑھ اور رامپور وغیرہ سے ہوتے ہوئے تقریباً دو ماہ بعد	دسمبر ۱۸۵۷ء

☆ لکھنوروانگی	آخر نومبر میں لکھنو میں آغاز جہاد	آغاز دسمبر ۱۸۵۷ء
☆ خیرآباد واپسی	۱۴ر مارچ کو انگریزوں کا لکھنو پر قبضہ	مارچ ۱۸۵۸ء
☆ خیرآباد میں دو تین ماہ قیام		مارچ، اپریل، مئی ۱۸۵۸ء
☆ روپوشی سات ماہ تک	مئی ۱۸۵۸ء میں ملکہ حضرت محل کا بمقام بونڈی قیامِ مرکز جہاد، بقول علامہ وہ کھیڑی، ہرگاؤں، تنبول، سہورپور اور دریہ میں مقیم رہے راستے میں بونڈی سے گزر ہوا۔	جون تا دسمبر ۱۸۵۸ء
☆ ملکہ وکٹوریہ کا اعلانِ معافی	ہر محاذ پر انگریزوں کی فتح، ہندوستان بھر میں ۳۰ر دسمبر ۱۸۵۸ء تک کی مہلت کے ساتھ اشاعت اعلان	نومبر ۱۸۵۸ء
☆ علامہ کی خیرآباد دوبارہ واپسی		وسط دسمبر ۱۸۵۸ء
☆ بریگیڈیر ٹروپ سے ملاقات		دسمبر ۱۸۵۸ء

☆ کرنل کلارک سے ملاقات		۲۶؍دسمبر ۱۸۵۸ء
☆ ڈپٹی کمشنر ضلع کے سامنے پیشی		۳۰؍دسمبر ۱۸۵۸ء
☆ گرفتاری		۳۰؍جنوری ۱۸۵۹ء
☆ مقدمہ بغاوت و سزا	تاحیات جزائر انڈیمان میں جلاوطنی	۲۲؍فروری تا ۴؍مارچ ۱۸۵۹ء
☆ کلکتہ سے انڈیمان کے پورٹ بلیر پر		۱؍۸اکتوبر ۱۸۵۹ء
☆ وفات	جزائر انڈیمان میں مدفون	۲۰؍اگست ۱۸۶۱ء بمطابق ۱۲؍صفر ۱۲۷۸ھ

باب 3

ذاتی احوال

3- علامہ محمد فضل حق خیر آبادی

3.1- ولادت

علامہ محمد فضل حق خیر آبادی[1]، عمری، حنفی ماتریدی چشتی ۱۲۱۲ھ[2] ۱۷۹۷ء میں خیر آباد میں پیدا ہوئے۔

خیر آباد، صوبہ اتر پردیش (بھارت) کے ضلع سیتا پور کا قدیم قصبہ ہے۔ جسے سلطان ابراہیم نے گیارہویں صدی عیسوی میں آباد کیا تھا[3]۔ ہندوستان کے مشہور مردم خیز قصبات میں خیر آباد کا نام صفِ اول میں صدیوں سے رہا ہے۔ یہاں بڑے بڑے نامور علمائے کرام و اولیائے عظام گزرے ہیں۔ اسی لئے خیر آباد کو خیر البلاد[4] اور شیراز ہند[5] کہا اور لکھا جاتا رہا ہے۔

خیر آباد عہد اکبری میں سرکری کمشنری (ضلع کا صدر مقام) تھا، یہ قصبہ برابر فروغ و عروج حاصل کرتا رہا، مگر انگریزی دورِ حکومت میں اسے زوال کا سامنا کرنا پڑا۔ انگریز نے اسکی مرکزیت کو ختم کر کے یہاں بیروزگاری و ویرانی کو فروغ دیا۔ یہاں تک کہ آبادی کا ایک بڑا حصہ خیر آباد کو خیر باد کہنے پر مجبور ہو گیا۔ انگریز کے اس رویے کی بہت ساری وجوہ میں اہم اور بڑی وجہ علامہ فضل حق خیر آبادی کا جہاد آزادی میں حصہ لینا اور ایک صوبیدار راجہ ہرپرشاد خیر آبادی کا ملکہ نیپال سے مل کر علم بغاوت بلند کرنا ہے۔[6]

---

[1] معجم المؤلفین کے مصنف نے غلطی سے ''حیدر آبادی'' لکھا ہے، دیکھئے جلد نمبر ۸، ص نمبر ۲۷

[2] تذکرہ اہل دہلی، ص:۱۳۱ میں سر سید احمد خان نے ۱۲۱۱ھ لکھا ہے۔

[3] منتخب التواریخ، مصنفہ عبد القادر بدایونی، بحوالہ باغی ہندوستان، ص:۳۱۴

[4] دیکھئے ''علمائے ہند کا شاندار ماضی''، جلد چہارم، ص:۴۴۳

[5] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد نمبر ۱۵، ص:۳۷۳

[6] تفصیل کے لیے دیکھئے ''خیر آباد کی ایک جھلک'' ص، ۱۳ تا ۱۴، ''باغی ہندوستان'' حاشیہ ص، ۳۱۴ تا ۳۱۵۔ ''خم خانہ ریاض'' ص ۶

3.2- سلسلہ نسب

بتیس (۳۲) واسطوں سے علامہ کا سلسلہ نسب خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ علامہ خیر آبادی کے خاندان اور خاندانِ ولی اللہی میں قرابت داری تھی، اسی لیے چودہ (۱۴) واسطوں کے بعد سلسلہ نسب ایک ہے۔[1]

علامہ کے اجداد میں شیر الملک بن عطاء الملک ایران کے ایک قطعہ کے حاکم تھے۔ زوالِ حکومت پر انکے دونوں بیٹے شمس الدین اور بہاء الدین ہندوستان ہجرت کر آئے اور یہیں مقیم ہو گئے۔ شمس الدین کی اولاد سے شاہ ولی اللہ دہلوی کا خاندان ہے جبکہ بہاء الدین کی اولاد سے علامہ فضل حق خیر آبادی کا خاندان ہے۔ علامہ کا سلسلہ نسب درج ذیل ہے:

فضل حق بن مولانا فضل امام بن شیخ محمد ارشد بن حافظ محمد صالح بن ملا عبد الواجد بن عبد الماجد بن قاضی صدر الدین بن قاضی اسماعیل ہرگامی بن قاضی عماد بدایونی بن شیخ ارزانی بدایونی بن شیخ منور بن شیخ خطیر الملک بن شیخ سالار شام بن شیخ وجیہ الملک بن شیخ بہاء الدین بن شیر الملک بن شاہ عطاء الملک بن ملک بادشاہ بن حاکم بن عادل بن تارون بن جرجیس بن احمد نامدار بن محمد شہریار بن محمد عثمان بن دامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔[2]

3.3- علامہ فضل حق خیر آبادی کا خاندان

علامہ کا خاندان اپنی عالمانہ بزرگی و جلالت کے اعتبار سے ہندوستان میں مشہور تھا، اور کئی صدیوں تک ہندوستان کی مسند علم پر متمکن رہا۔ شیخ بہاء الدین قبۃ الاسلام

---

[1] علمائے ہند کا شاندار ماضی، ص ۲/۳۲۳

[2] باغی ہندوستان، ص ۱۳۰، کچھ فرق کے ساتھ "انفاس العارفین" ص ۲۵۲، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص ۱۵/۳۷۳

بدایوں کے مفتی تھے۔ شیخ ارزانی بدایونی نامور بزرگ اور اعلیٰ درجے کے مفتی تھے۔ شیخ عماد بدایونی اور شیخ اسماعیل ہرگامی ہرگام کے قاضی تھے۔ ملا ابوالواعظ ہرگامی[1] مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے اتالیق تھے اور فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں شریک تھے۔

3.4- علامہ کے والد مولانا فضل امام خیرآبادی

علامہ کے والد ماجد مولانا فضل امام خیرآبادی ایک نامور عالم اور معقولات کے یگانۂ عصر فضلاء میں سے تھے۔[2] وہ خیرآبادی سلسلۂ علماء کے پہلے نامور بزرگ ہیں جو معقولات کی تدریس اور ترویج کے باعث معروف ہوئے[3]۔ دہلی میں انکی قائم کردہ درسگاہ معقولات کی ایسی یونیورسٹی تھی جس کی مثال شاید ہی ہندوستان میں کہیں اور ملے۔[4]

3.4.1- ملازمت

دہلی میں وہ اپنے وطن خیرآباد سے انیسویں صدی کی ابتداء میں تشریف لائے[5] وہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کا راج تھا۔ مولانا شروع میں عدالت کے مفتی تھے۔ پھر صدر الصدور (سب جج) مقرر ہو گئے۔ وہ پہلے ہندوستانی مسلمان تھے، جنہیں کمپنی نے دیسی ملازمین کو عطا کیا جا سکنے والا سب سے بڑا عہدہ دیا تھا[6]۔ بطور صدر الصدوران کے فرائض میں قاضی کی اسامیوں کیلئے امیدواروں کا امتحان، مالی مدد یا عطائے املاک (جاگیریں عطا کرنا) اور علماء، صلحاء، ناداروں اور تعلیم یافتہ افراد کی جانب سے مددِ معاش کی درخواستوں کی جانچ پڑتال شامل تھی۔[7]

---

[1] ملا ابوالواعظ علامہ کے اجداد میں سے عبدالماجد کے بھائی اور علامہ کی دادی صاحبہ کے ماموں تھے۔ "باغی ہندوستان" ص ۱۳۱، "اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص ۱۵/۳۷۳-

[2] نزہۃ الخواطر، ص ۷/۳۷۴

[3] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص ۱۵/۳۷۳-

[4] غالب نام آورم، ص ۱۰۲-

[5] سفر اور تلاش، مصنفہ حکیم سید محمود احمد برکاتی، ص ۴۹،

[6] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص ۱۵/۳۷۳-

[7] مرجع سابق۔ خیال رہے کہ انگریز کی ملازمت کو ابتداء ایک طبقہ فکر انگریز دوستی، خیر خواہی و وفاداری وغیرہ سے تعبیر کرتا تھا، مگر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنے داماد عبدالحی کو ملازمت کی اجازت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۱۸۲۷ء کے لگ بھگ مولانا فضل امام اپنے عہدہ سے دستبردار ہو گئے تھے انکی جگہ انکے شاگرد مفتی صدر الدین آزردہ صدر الصدور دہلی مقرر ہوئے۔ دہلی کی ملازمت سے سبکدوشی کے بعد مولانا فضل امام، مہاراجہ پٹیالہ کی ملازمت سے منسلک ہو گئے۔ اواخر عمر میں وہ اپنے وطن خیر آباد آ گئے تھے۔

3.4.2- درس و تدریس

ملازمت کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ مولانا فضل امام خود مولانا عبدالواجد خیر آبادی کے تلمیذ تھے۔ جبکہ انکے تلامذہ میں امام منطق وفلسفہ، مشہور شاعر وادیب، عظیم مدبر و راہنما علامہ فضل حق خیر آبادی، ممتاز عالم وادیب اور صدر الصدور دہلی مفتی صدر الدین آزردہ تھے جو کہ سرسید احمد خان بانی علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، نواب یوسف علیخان، نواب صدیق حسن خان کے استاد تھے۔ مولانا فضل امام کے ایک اور شاگرد مشہور صوفی وسیاح شاہ غوث علی قلندر تھے۔ جنہوں نے مولانا کی وفات کے بعد سلسلہ تعلیم کو خیر باد کہہ دیا اور وطن کو چلے گئے، حالانکہ اس وقت انکی عمر صرف اٹھارہ (۱۸) سال تھی۔[۱]

3.4.3- تصانیف

آپ سے بہت سی تصانیف بھی یادگار ہیں[۲] جیسے:

۱- الرقاۃ (منطق): مولانا فضل امام کی یہ تصنیف عربی زبان میں علم منطق پر ہے۔

(بقیہ: حاشیہ نمبر ۷ صفحہ نمبر ۳۵) دیگران خیالات کی تردید کی اور مرور زمانہ نے بھی اس مفروضہ کو غلط ثابت کیا یوں کہ انگریزوں کے خلاف جہاد آزادی ۱۸۵۷ء میں انہیں علماء نے کھل کر حصہ لیا جو انگریز کے دور اقتدار میں صدر الصدور اور افتاء وغیرہ کے مناصب پر فائز تھے، اور یہ کہ رفتہ رفتہ معترض طبقۂ فکر کے علماء اور دیگر تمام مسالک کے علماء نے انگریزی ملازمت اختیار کر لی۔ (دیکھئے مقدمہ سیف الجبار، ص، ۱۷ تا ۱۹، و تاج الفحول نمبر، ماہنامہ مظہر حق بدایون، ص، ۱۷۵۔ مجموعہ مقالات از افضل قریشی، ص، ۱۴-۱۵) فتاوی عزیزی، ص: ۱/۱۸۶۔

[۱] تذکرہ غوثیہ، ص ۲۷- درطبع، دلی، ۱۹۶۵ء۔

[۲] تصانیف کیلئے دیکھئے "اردو دائرہ معارف اسلامیہ"، ص: ۱۵/۳۷۴۔

تمام مدارس میں پڑھائی جاتی ہے-اردو زبان میں اس کا ترجمہ بھی ہوا اور اسکی شرح مولانا کے پوتے مولانا عبدالحق خیر آبادی اور نواب صدیق حسن خان قنوجی کے بیٹے نے کی اور علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نے الرضاۃ کے نام سے عربی میں حاشیہ لکھا-سب سے پہلے یہ کتاب ۱۸۸۶ء میں اور پھر ۱۸۸۸ء میں دہلی سے طبع ہوئی-

۲- حاشیہ علی الحاشیہ الزاہدیۃ القطبیۃ: مطبوعہ ہے، قلمی نسخہ مخطوطاتِ بانکی پور میں ۲۲۷۳ کے نمبر سے موجود ہے-

۳- حاشیہ علی الحاشیہ الزاہدیہ الجلالیہ: یہ عربی زبان میں ہے-اسکا قلمی نسخہ مخطوطات ایوان، دہلی میں ۱۵۱۳ کے نمبر سے موجود ہے-

۴- تشحیذ الاذھان فی شرح المیزان: یہ بھی عربی میں غیر مطبوعہ تصنیف ہے اور مخطوطات ایوان ھند، دہلی میں ۱۵۲۹ کے نمبر سے موجود ہے-

۵- تلخیص الشفاء: اسکا ایک قلمی نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں مجموعہ سبحان اللہ کی فہرست مخطوطات میں (۸۰) کے نمبر سے اور رامپور لائبریری کی فہرست مخطوطات میں (۳۸۱) کے نمبر سے موجود ہے-

۶- الحاشیۃ علی الافق المبین: اسکا قلمی نسخہ مفتی انتظام اللہ شہابی کے کتب خانے[1] میں موجود ہے-

۷- آمد نامہ: مبتدیوں کیلئے فارسی مصادر پر مشتمل ایک مفید کتابچہ ہے-اسکے باب پنجم میں اودھ کے سرکردہ علماء اور فضلاء کا تذکرہ ہے جسے مفتی انتظام اللہ شہابی نے علیحدہ کتابی صورت میں ''تراجم الفضلاء'' کے نام سے مرتب کیا، یہ ۱۹۶۵ء میں کراچی سے شائع ہو چکا ہے-اس کا انگریزی ترجمہ اور حواشی اے-ایس-بزمی انصاری نے لکھے ہیں-جبکہ قلمی نسخہ لاہرپور کے موقوفہ کتب خانہ میں ہے-

۸- ترجمہ تاریخ یمینی: مخطوطۂ عمر کا نمبر ۲۴۱ ہے[2]-جبکہ علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

---

[1] پچاس سال سے گوپامئو میں اس کتب خانہ کا کچھ نام ونشان نہیں رہا-دیکھئے غالب نام آورم، ص ۱۱۲

[2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص ۱۵/۴۷۲ میں یونہی مختصراً مذکور ہے-

نے مقدمہ تاریخ یا خلاصۃ التواریخ کے نام سے دو نسخوں کا ذکر کیا ہے[1]-ایک کتب خانہ عجائب گھر لاہور میں (۲۰) کے نمبر سے اور دوسرا کتاب خانہ گنج بخش راولپنڈی صدر میں اور ایک اور نسخہ رضا لائبریری رامپور میں ہے[2]-اور یہ تاریخ مولانا نے ۱۲۲۴ھ کو دہلی میں فارسی میں لکھی-

۹- نخبۃ السیر: اسکا قلمی نسخہ صاحبزادہ عبید اللہ خان رئیس ٹونک کے کتب خانہ میں ہے-

مولانا فضل امام ایک ادیب بھی تھے-مولوی کریم الدین ہمعصر مورخ لکھتے ہیں:

''انکے اشعار اور عبارات عربی بہت ہیں، اور بڑے فاضل تھے-[3]

یونہی سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

''علوم ادبیہ کو انکی زبان دانی سے افتخار تھا'' اور یہ کہ ''اگر چہ نظم و نثر تازی و دری آپکا بہت ہے، لیکن ترتیب کتاب کے وقت راقم کے پاس موجود نہ تھا، اس واسطے یہ نسخہ اس شرف سے مشرف نہ ہوا-''[4]

مولانا فضل امام کس پائے کے عالم و فاضل تھے، اس کا کچھ اندازہ سطورِ ذیل سے ہوتا ہے جو سر سید احمد خان نے مولانا کے وصف میں لکھیں:

''اکمل افرادِ نوع انسی، مہبط انوار فیوض قدسی، سراب سرچشمہ عین الیقین، مؤسس اساس ملت و دین، ماحیٔ آثارِ جہل، ہادمِ بنائے انعساف، محیِ مراسمِ علم، بانیِ مبانی انصاف، قدوۂ علمائے فحول، حاوی معقول و منقول، سند اکابرِ روزگار، مرجع اعالی و ادانی ہر دیار، مزاج دانِ شخص کمال، جامع صفاتِ جلال و جمال، موردِ فیض ازل و ابد، مطرح انظار سعادت سرمد، مصداق مفہوم تمام اجزائے، واسطۃ العقد، سلسلہ حکمت اشراقی و مشائی، زبدہ کرام، اسوۂ

---

[1] دیکھئے باغی ہندوستان، طبع چہارم، ص ۲۲۲، ۲۲۳

[2] دیکھئے خیر آباد کی ایک جھلک، ص ۵۰

[3] دیکھئے حاشیہ غالب نام آورم، ص ۱۰۴

[4] تذکرہ علمائے دہلی، ص ۸۶

عظام، مقتدائے انام مولانا ومخدومنا مولوی فضل امام ادخلہ اللہ المنعام فی الجنۃ النعیم بلطفہ العمیم۔ مجال نہیں کہ آپکے اوصاف حمیدہ اور محامد پسندیدہ تقریر کر سکے۔ اگر ہزار برس مشقِ سخن کرے اور اسی ذکر میں زبان سخن سنجی سے معاف نہ رکھے، یقین ہے کہ ہزار سے ایک نہ ادا ہو سکے۔

علوم عقلیہ اور فنون حکمیہ کو انکی طبع وقاد سے اعتبار تھا اور علوم ادبیہ کو انکی زبان دانی سے افتخار۔ اگر انکا ذہنِ رسا دلائلِ قاطعہ بیان نہ کرتا، فلسفہ کو معقول نہ کہتے، اور اگر انکا فکرِ صائب براہین ساطعہ قائم نہ کرتا، اشکال ہندسی تارِ عنکبوت سے سست تر نظر میں آتی، اس نواح میں ترویجِ علمِ حکمت و معقول کی اسی خاندان سے ہوئی۔ گویا اس دودۂ والا تبار سے اس علم نے یک جہتی بہم پہنچائی ہے۔"[1]

3.4.4- شادی و اولاد

مولانا فضل امام نے تین شادیاں کیں۔[2] پہلی اہلیہ صدرپور سے تھیں، انکے بطن سے تین صاحبزادیاں (نوراں، مہراں، ظہور النساء) اور تین صاحبزادے تھے۔

۱- علامہ فضل حق خیرآبادی۔

۲- فضل عظیم، یہ علامہ فضل حق خیرآبادی کے برادرِ اکبر تھے اور فارسی کے شاعر اور انشاء پرداز تھے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے انکا تذکرہ کیا ہے۔ وہ اکیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں سہارن پور میں افسر مقرر ہوئے۔ اسی زمانے میں علامہ فضل حق دہلی سے بھائی کے یہاں سہارن پور جایا کرتے تھے۔[3] عبدالقادر رامپوری لکھتے ہیں کہ "منشی فضل عظیم فارسی نظم ونثر میں مہارت رکھتے ہیں جو واقعہ پیش آئے، اسکی کیفیت قلم برداشتہ لکھ دیتے ہیں"[4] انہوں نے گورکھوں اور انگریزوں کی جنگ کی کیفیت کو "وقائع کوہستان" کے نام سے قلم بند

---

[1] تذکرہ اہل دہلی، ص، ۸۵تا۸۶

[2] باغیس: ا ہندوستان، ص، ۱۳۶ کا جدول اور ص، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۷ کے حواشی ملاحظہ کیجئے۔

[3] دیکھئے علامہ کی قلمی بیاض، ص: ۱۰، ۱۱، ۵۸

[4] علم و عمل، ص: ۱/۲۵۷۔

کیا ہے، یہ کتاب ۱۲۶۹ھ کو مطبع مصطفائی دہلی سے شائع ہوئی۔ اس وقت وہ سہارن پور کے ڈپٹی کلکٹر بن چکے تھے اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل انکا انتقال ہو گیا۔[1]

۳۔ فضل رحمٰن: راجہ پٹیالہ کے ہاں ملازم تھے اور ۱۸۵۷ء کے بعد بھی زندہ تھے۔[2] ان کے پوتے خان بہادر فضلِ متین سیشن جج ریاست پٹیالہ تھے۔[3]

مولانا فضل امام کی دوسری بیوی لاہر پور سے تھیں۔ ان کے بطن سے پانچ بیٹیاں تھیں۔

مولانا کی تیسری اہلیہ سے بھی دو صاحبزادے تھے:

۱۔ اعظم حسین۔

۲۔ مظفر حسین شوخیؔ: یہ طباعی اور ذہانت کے جوہر سے آراستہ تھے۔ حضرت اجمیری قدس سرہ سے عشق تھا، تمام عمر اجمیر شریف میں گزار دی اور وہیں وفات پائی اور اجمیر ہی میں دفن ہوئے۔ کسی ریاست نے ایک اعلیٰ عہدے کی پیشکش کی تھی۔ آپ وہاں تشریف لے گئے جب مہاراجہ کے محل کے تیسرے دروازے کو عبور کیا تو وہاں نوبت بج رہی تھی۔ اس نوبت کی آواز سے دربار خواجہ کی نوبت یاد آ گئی۔ اسی جگہ سے الٹے پیر اجمیر شریف واپس ہو گئے۔ مظفر حسین شاعر بھی تھے، ان کا فارسی کلام دستیاب ہے۔[4]

3.4.5-وفات

مولانا فضل امام نے ۵/ذی القعدہ ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء[5] کو خیر آباد میں انتقال فرمایا۔ انہیں وہیں مخدوم شیخ سعد الدین خیر آبادی کے احاطہ مزار میں دفن کیا گیا۔

---

[1] مجموعہ مقالات، مرتبہ افضل قریشی، ص: ۳۲ تا ۳۷

[2] مرجع سابق، ص: ۱۱۷، پر ملاحظہ کیجئے گواہ صفائی نبی بخش کا بیان۔

[3] باغی ہندوستان، حاشیہ صفحہ ۱۳۴

[4] "خیر آباد کی ایک جھلک"، ص، ۸۷، مجموعہ مقالات مرتبہ افضل حق قریشی، ص، ۱۱۷

[5] نادم سیتاپوری اور نجم الحسن خیر آبادی نے تاریخ وفات ۱۲۴۰ھ لکھی ہے، جبکہ نزہۃ الخواطر، ص، ۷/۳۷۴ میں ۱۲۴۳ھ لکھی ہے۔ درست تاریخ وفات ۱۲۴۴ھ ہے دیکھئے تذکرہ اہل دہلی، ص، ۸۵، تذکرہ فرائد الدہر "مولفہ ۱۸۴۷ء" [illegible]

بابائے اردو غالب نے صنعتِ تخرجہ وتعمیہ میں ان کا قطعہ تاریخ کہا،[1] جو غالبًا انکی شعری زندگی کا پہلا کارنامہ تھا، کیونکہ وہ تاریخ ومرثیہ کے نام سے گھبراتے تھے۔[2] قطعہ یہ ہے۔

اے دریغا قدوۂ ارباب فضل	کرد سوئے جنت الماوی خرام
کار آگاہی زیر کار اوفتاد	گشت دار الملک معنی بے نظام[3]
چوں ارادت از پے کسب شرف	جست سال فوتِ آں عالی مقام
چہرۂ ہستی خراشیدم نخست	تا بنائے تخرجہ گردد تمام

گفتم اندر "سایہ لطف نبی

باد آرامشگہ "فضل امام"[4]

ترجمہ:۱-افسوس ارباب فضیلت کے مقتدا جنت الماویٰ میں تشریف لے گئے۔

۲-علم وآگہی کا کام اپنے معمول (روٹین) سے ہٹ گیا، معانی کے دارالحکومت کا نظام مختل ہوگیا۔

۳-جب ارادے نے شرف حاصل کرنے کے لئے اس عالی مقام کی وفات کا سال تلاش کیا۔

۴-تو میں نے پہلے ہستی کا چہرہ چھیلا (لفظ ہستی کے پہلے حرف ہ کے پانچ عدد کم کئے) تا کہ تخرجہ کی تعمیر مکمل ہوسکے۔

۵-میں نے کہا: سایۂ لطف نبی" میں فضل امام کی آرام گاہ ہو (۱۲۴۹ھ سے پانچ کم کئے ۱۲۴۴ بچے، یہی تاریخ وفات ہے)

---

[1] خیر آبادکی ایک جھلک، ص،۵۰

[2] غالب نام آورم، ص،۱۰۲

[3] زیادہ تر مترجمین نے یہ شعر ذکر نہیں کیا، اور صرف چار اشعار نقل کیے ہیں، اصل میں پانچ ہیں دیکھئے "کلیات غالب"، ص،۲۲۵/۱، و"تذکرہ فرائد الدہر" مؤلفہ ۱۸۴۷ء ص،۲۰۶، ۲۰۷، و"غالب نام آورم"، حاشیہ ص،۱۰۳، ۱۰۴۔

[4] (کلیات غالب، فارسی، ص:۲۲۵/۱)

3.5-علامہ کی تعلیم و تربیت

علامہ فضل حق خیر آبادی دہلی میں بڑے نازونعم میں پلے بڑھے۔حدیث کے علاوہ باقی تمام علوم کی تحصیل اپنے فاضل اجل والد صاحب سے کی۔حدیث کی تعلیم کیلئے اس دور کے نامور مدرس شاہ عبدالقادر محدث دہلوی[1] کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور علوم عربیہ میں والد صاحب کے علاوہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کے بھی تلمیذ رہے۔[2]

تیرہ سال کی عمر میں ۱۲۲۵ھ /۱۸۱۰ء میں علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل سے فراغت حاصل کی اور چار ماہ میں قرآن پاک حفظ کرلیا اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت دھومن دہلوی کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے اور اس نوعمری کے دور میں تدریس کا بھی آغاز کر دیا، اور یہ سلسلہ آخر عمر تک جاری رہا جو تقریباً نصف صدی پر محیط ہے۔[3]

تکمیل علوم پر مولانا فضل امام نے اپنی معقولات کی درسگاہ کے چند اسباق انکے سپرد کر دیے، علامہ نے بڑے اعتماد سے اپنی عمر سے دو چند، سہ چند عمر کے طلبہ کو درس دینا شروع کر دیا۔اسی دور میں علامہ نے اپنی نوجوانی کی ترنگ میں ایک غبی مگر معمر طالب علم کی غباوت پر جھنجلا کر، کتاب اٹھا کر پھینک دی۔اس نے جا کر مولانا فضل امام سے شکایت کر دی۔مولانا نے اسی کے سامنے اپنے ہونہار فرزند کو بلا کر طالبانِ علوم کے ساتھ اس سخت گیرانہ معاملہ کرنے پر شدید سرزنش کی اور طلبہ کے احترام اور انکے ساتھ لطف سے پیش آنے کی ہدایت کی اس طرح ایک فاضل باپ نے اپنے نوجوان فرزند کو ایک جلیل القدر مدرس بننے کی تربیت دی۔[4]

---

[1] یہ شاہ ولی اللہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے مزید تفصیل کیلئے اساتذہ کا عنوان ص: ۶۳، پر ملاحظہ کیجئے۔

[2] تذکرہ غوثیہ، ص، ۱۳۷۔شاہ عبدالعزیز، شاہ ولی اللہ کے بڑے صاحبزادے تھے۔

[3] سفر اور تلاش، ص، ۴۸

[4] تذکرہ غوثیہ، ص، ۱۳۶۔

3.6- شادی واولاد

علامہ فضل حق خیر آبادی نے دو شادیاں کیں- علامہ کی پہلی شادی منشی فضل احمد بن حسن میاں خیر آبادی کی صاحبزادی "بی بی وزیرن" کے ساتھ ہوئی، ان سے تین صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادے تھے-

۱- بی بی سعید النساء حرماں:

یہ سید احمد حسین رسوا کی اہلیہ اور سید حافظ محمد حسین بسمل خیر آبادی[1] اور سید افتخار حسین مضطر خیر آبادی[2] کی والدہ تھیں- یہ دونوں شاعر تھے- بی بی سعید النساء کا شعر وسخن میں بلند پایہ تھا[3]- ذکاوت و فطانت میں اپنے والد بزرگوار کی آئینہ دار تھیں- انکے بھائی مولانا عبدالحق صاحب فرمایا کرتے تھے کہ خداوند تعالیٰ نے مجھ پر بڑا اکرم فرمایا کہ یہ مرد نہ ہوئیں اگر مرد ہوتیں تو میری قدر ختم ہو جاتی-

۲- بی بی نجم النساء:

یہ منشی ضمیر علی فوجدارِ ریاست جے پور کی اہلیہ تھیں-

۳- بی بی مخمور النساء:

یہ منشی طفیل احمد خیر آبادی کی زوجہ تھیں-

۴- شمس العلماء مولانا عبدالحق خیر آبادی:

یہ علامہ کے صحیح علمی جانشین تھے اور انہیں سے سلسلہ اولاد بھی چلا- انکے بیٹے کا نام اسد الحق[4] تھا اور انکے بیٹے کا نام حکیم ظفر الحق (ف ۱۹۷۸ء) تھا اور انکے بیٹے کا نام عین الحق تھا، انہوں نے خیر آباد میں اقامت رکھی-

---

[1] خیر آباد کی ایک جھلک، ص: ۱۰۰ تا ۱۰۱، پر مزید حالات دیکھئے-

[2] مرجع سابق، ص ۹۲ تا ۹۳، پر حالات زندگی ملاحظہ کیجئے-

[3] مرجع سابق، ص ۱۱۹ تا ۱۲۰، پر مزید تفصیل دیکھئے، بی بی سعید النساء حرماں نے امام احمد رضا خان بریلوی کی ایک مشہور نعت پر تضمین کہی، باب نمبر ۶ میں ص: ۳۶۶ تا ۳۶۸ پر ملاحظہ کیجئے-

[4] مرجع سابق، ص: ۴۷

علامہ کی دوسری اہلیہ "امراؤ بیگم" دلی کی رہنے والی تھیں۔ ان سے بھی دو صاحبزادے پیدا ہوئے۔

۱۔مولوی شمس الحق:

۔۔۔ انکی ایک ہی صاحبزادی تھیں انکا قیام دہلی ہی میں رہا۔

۲۔مولوی علاء الحق:

ان سے بھی علامہ کی اولاد کا سلسلہ چلا۔ انکے صاحبزادے کا نام ضمیر الحق تھا اور ضمیر الحق کے بیٹے فیض الحق تھے۔ یہ دہلی میں تھے پھر ریاست بھوپال میں ممبر مال ہوگئے۔

3.7-دینداری:

علامہ فضل حق خیر آبادی ایک باخدا، صاحبِ دل اور متدین بزرگ تھے، بے مثال عالم اور حافظِ قرآن تھے۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت دھومن دہلوی کے مرید تھے۔ تہجد کی نماز بالالتزام ادا فرماتے اور روزانہ ایک منزل قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے تھے۔[1]

تلمیذ علامہ مولانا عبداللہ بلگرامی علامہ کی شب بیداری و نوافل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "جس شخص کا نوافل میں یہ حال ہو اس کے فرائض کا اندازہ کیا جا سکتا ہے"[2]

مولانا یعقوب حسین قادری (عرف مولانا ضیاء القادری) ذکر کرتے ہیں:

"حضرت سیف اللہ المسلول مولانا فضلِ رسول بدایونی[3] قدس سرہ سے علامہ فضل حق خیر آبادی کو نہایت خلوص وعقیدت تھی۔ ایک زمانے میں بدایون بھی تشریف لائے تھے۔ اکثر اوراد و اشغال کی اجازتیں حاصل کی تھیں۔

---

[1] اکمل التاریخ، ص: ۸۸/۱

[2] دیباچہ ہدیہ سعیدیہ، ص، ۵

[3] آپ معقول ومنقول کے جامع اور شریعت وطریقت کے شیخ کامل تھے، عمر کا بہت بڑا حصہ خلق خدا کے جسمانی وروحانی امراض کے علاج میں صرف کیا، مقدمہ سیف الجبار، ص، ۸، تاج الفحول نمبر، ۱۶۸ تا ۱۷۹۔ مزید تفصیل علامہ کے معاصرین سے روابط میں ص: ۱۵۲ تا ۱۵۴، پر ملاحظہ کیجئے۔

مدرسہ عالیہ قادریہ میں مقیم رہے تھے۔"[1]

علامہ محمد فضل حق کے نزدیک نماز کی اس قدر اہمیت تھی کہ وہ اسکی ادائیگی میں حائل کسی پابندی کے قائل نہ تھے۔ انکا موقف تھا کہ انگریزی حکومت، انکا کوئی قانون حتی کہ انگریزی حکومت کی نوکری کرنا بھی اس میں رکاوٹ نہیں بن سکتا، جیسا کہ درج ذیل واقعہ سے معلوم ہوتا ہے:

علامہ کے شاگرد مولانا نور الحسن کاندھلوی آگرہ کالج میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے، تو ظہر کے وقت نماز ظہر کیلئے چلے جاتے جس پر سیکرٹری کالج نے انہیں روکنا چاہا۔ اس پر انہوں نے علامہ محمد فضل حق خیر آبادی کو صورتحال سے تحریراً آگاہ کیا۔ جسکا جواب علامہ نے یوں دیا: "بوصول ملاطفہ مؤرخہ ۱۱ رشوال سنہ حال حال مصداق ﴿أرأیت الذی ینھی ٥ عبدا إذا صلی﴾ دریافتہ، سخت متعجب و متحیر شدم کہ آیا ایں نہی سرکاری است یا طبع زاد سکرتری، اگر طبع زاد سکرتری است لغو است، و اگر سرکاری است از چہ رواست۔ در مدرسہ کلکتہ امام و موذن از سرکار مقرر است، و باز ماندن از نماز در ہیچک نوکری معنی ندارد۔ حال مآل عرضی کہ در کمیٹی دادہ اند، بزودی نگارش فرمایند۔"[2]

ترجمہ: سالِ ہذا میں ۱۱ رشوال کو لطف نامہ موصول ہوا۔ ﴿أرأیت الذی ینھی ٥ عبدا إذا صلی﴾ (بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے، بندے کو جب وہ نماز پڑھے) آیات کے مصداق حال معلوم ہوا، مجھے سخت تعجب اور حیرت ہوئی کہ کیا یہ ممانعت سرکاری ہے یا سیکرٹری کی خود ساختہ؟ اگر سیکرٹری کی خود ساختہ ہے تو لغو ہے اور اگر سرکاری ہے تو کس ضابطہ و رو سے ہے؟ جبکہ مدرسۂ کلکتہ میں امام و مؤذن سرکار کی طرف سے مقرر ہیں اور نماز سے روکنا کسی نوکری میں کوئی معنی نہیں رکھتا، اور وہ درخواست جو کمیٹی کو دی ہے اسکا جواب جلد تحریر کریں۔

---

[1] اکمل التاریخ، ص: ۱/۸۹

[2] تذکرۂ اسلاف، حالات مشائخ کاندھلہ، ص: ۱۴۹

حب رسول ﷺ کی دولت بھی آپ کو ارزانی ہوئی تھی آپ کی عربی شاعری کا بڑا حصہ نعتیہ قصائد پر مشتمل ہے۔ جو ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے آپ کی شیفتگی کے آئینہ دار ہیں۔[1]

علامہ کی قلمی بیاض میں مولوی بہادر علی ۔۔نی کے نام ایک خط محفوظ ہے، جس کے ساتھ علامہ نے انہیں ایک طویل قصیدہ بھجوا کران ۔سے روضہ مبارک پر ان اشعار کو پڑھنے کی درخواست کی ہے۔

ایک ایسا ہی واقعہ جناب نجم الحسن خیر آبادی نے نقل کیا ہے کہ ایک بار آپکے محب، جو کہ عازم حج و زیارت شریف تھے، بغرض رخصت حاضر ہوئے۔ مولانا انکی تشییع کیلئے (یعنی انہیں رخصت کرنے کیلئے) پیادہ پا ہوئے اور فرمایا کہ حاضری اقدس پر اس مہجور غلام کے چند ابیات عرض کر دینا اور اسی حال راستہ چلتے ہی آپ نے برجستہ وہ ابیات لکھوا دیئے تھے۔ جن کی تعداد دو قصیدوں کی صورت میں پچاس شعر کے قریب ہوگئی تھی۔ جس وقت ان زائر صاحب نے مواجہہ اشرف میں انکو پڑھنا شروع کیا تو علماء نے جو مشغول تدریس تھے اپنے اپنے درس بند کر دیے اور حرمِ محترم میں ہر جانب سے خلقت انکے گرد جمع ہوگئی اور حاضرین پر عجب حال طاری رہا۔ علماء نے سن کر فرمایا: یہ کلام تو کسی فصیح عربی الاصل کا بھی بہ مشکل ہو سکتا ہے چہ جائیکہ کسی ہندی کا اور بہتوں نے اسکے نقول لیے۔[2]

درج ذیل واقعہ بھی علامہ کی سرکار دو عالم ﷺ سے وابستگی اور روحانی مقام پر مزید روشنی ڈالتا ہے:

علامہ فضل حق خیر آبادی کو اپنے ایک دوست جناب محمد فیض اللہ خان شہید سے بہت خاص انس تھا۔ نو جوانی میں شہید ہونے والے اس دوست کی یاد میں علامہ نے دو سو تیرہ (۲۱۳) اشعار پر مشتمل تین مرثیہ قصائد کہے ہیں، ان میں ایک قصیدہ ایک سو چھ اشعار

---

[1] سفر اور تلاش، ص: ۴۸

[2] خیر آباد کی ایک جھلک، ص، ۵۸

پر مشتمل ہے، علامہ اس مرثیہ قصیدے کی تمہید میں لکھتے ہیں کہ میں نے اس قصیدے میں اپنے شہید بھائی کو ہونے والی اس زیارت کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے مجھ سے بیان کی، وہ یہ ہے کہ "میں نے خواب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت میں دیکھا کہ انہوں نے مجھے عزت و اکرام سے نوازا اور مجھے گلے لگانے کے بعد اپنی داہنی جانب بٹھایا۔" علامہ لکھتے ہیں کہ "رویا النبی ﷺ بلا شبہ حق ہیں، اور اشعار میں کہتے ہیں:

وَقَدْ اَيْقَنَتْ نَفْسِىْ بِأَنْ سَتَفُوْزَ بِالشْ

شَهَادَةِ إِذْ زُرْتَ النَّبِىَّ مُحَمَّداً

ترجمہ: جب آپکو نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تھی تو میرے نفس کو یقین ہو گیا تھا کہ آپ کو شہادت ملے گی۔[1]

3.8- مہمانداری:

مولانا فضل امام کے شاگرد سید غوث علی شاہ قلندر قادری پانی پتی کہتے ہیں، جب ہم دربار رامپور میں گئے تو سرائے میں ٹھہرے، اتفاقاً مولوی فضل حق صاحب سے ملاقات ہوئی، نہایت محبت و عنایت سے پیش آئے، اور اپنے نوکر سے کہا کہ جاؤ آپ کا اسباب اٹھالاؤ، میں نے کہا: حضرت براہ خدا مجھے وہیں رہنے دیجئے کہ بہت آرام سے ہوں۔[2] کہا: اچھا جہاں آپ خوش رہیں لیکن بھٹیاری کو کہلا بھیجا کہ انکے خرچ کا حساب ہمارے ذمہ ہے، اگر پانچ روپیہ روز بھی اٹھیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہم دیں گے لیکن یہ شرط ہے کہ میاں صاحب بلا اجازت ہمارے کہیں چلے نہ جاویں۔[3]

---

[1] دیکھئے علامہ کی قلمی بیاض، ص: ۹۱ تا ۹۴

[2] باغی ہندوستان، ص ۲۰۴، پر ہے کہ شاہ صاحب اکثر استغراق میں رہتے تھے اور تخلیہ کے خوگر تھے۔

[3] تذکرہ غوثیہ، ص ۱۳۶

3.9-ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازمت

علامہ فضل حق خیر آبادی نوعمری ہی میں اپنے علم و قابلیت کے باعث مشہور ہو گئے۔ تکمیل علوم پر تدریس کے ساتھ ملازمت کا بھی آغاز ہوا۔ علامہ نے سب سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازمت کی اور انیس سال کی عمر میں ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء سے کچھ قبل سررشتہ دارِ عدالت دیوانی (کچہری چیف) مقرر ہوئے۔ سولہ سال تک یہ ملازمت کی اور پھر ۱۲۴۵ھ/۱۸۳۱ء کے اواخر میں پینتیس سال کی عمر میں مستعفی ہو گئے۔ تحقیق کے مطابق انہیں یہ ملازمت ناپسند تھی۔ والد صاحب کے حکم کی وجہ سے کرتے رہے اور انکی وفات کے بعد استعفیٰ دے دیا۔[1]

امیر مینائی لکھتے ہیں:

"شاہجہان آباد (دہلی) میں اگرچہ عدالتین کے سررشتہ دار تھے مگر بڑے ذی اقتدار و صاحبِ اختیار تھے"۔[2]

مرزا حیرت لکھتے ہیں:

"اس سررشتہ داری میں انہیں وہ دبدبہ اور قوت و شوکت حاصل تھی جو اس زمانے میں ڈپٹی کمشنر کو ہے۔ آپ کے مکان پر اہل مقدمہ کا دربار لگا رہتا تھا، اور زندگی نہایت عزت و احترام سے بسر ہوتی تھی۔[3]

"ملازمتِ کمپنی کے دوران علامہ دہلی سے باہر مختلف علاقوں میں بھی جایا کرتے تھے۔[4]

---

[1] تفصیل "سیاسی احوال" میں ص: ۱۸۳، ۱۸۴، پر ملاحظہ کیجئے۔

[2] انتخاب یادگار، ص، ۲۹۲

[3] حیات طیبہ از مرزا حیرت، ص، ۱۰۱

[4] علامہ کی "قلمی بیاض" میں انکے خطوط ملاحظہ کیجئے۔

کمپنی کی ملازمت سے مستعفی ہوئے تو ملک کی متعدد ریاستوں کے والیوں اور نوابوں نے انہیں یکے بعد دیگرے اپنے یہاں مدعو کیا اور اعلیٰ مناصب پر فائز کیا۔ تفصیل ملاحظہ کیجئے:

3.10-ریاست جھجر میں ملازمت:

علامہ فضل حق خیر آبادی ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۲ء میں نواب فیض محمد خان[۱] کی دعوت پر جھجر چلے گئے۔ نواب نے مشاہرہ جلیلہ یعنی پانچ سو روپے ماہانہ برائے مصارف خدام مقرر کیے۔[۲] ہمعصر مؤرخ مولوی عبدالقادر رامپوری لکھتے ہیں: جھجر کے نواب کی حیثیت رئیس رامپور سے بھی زیادہ تھی۔[۳]

تاریخ جھجر میں ہے: ''مولوی فضل حق، یہ شخص رہنے والا خیر آباد کا تھا، اور آدمی بڑا نامی گرامی اور علم و فضل میں ایک علامہ روزگار تھا کہ ہندوستان میں مثل اس کے دوسرا اہم عصر کم ہو۔ جب اس نے سررشتہ داریٔ دہلی کو چھوڑا تو قدردانی فیض محمد خان سے وہ جھجر میں آیا اور ایک مدت مصاحبت نواب میں رہا، آخر کار بسبب وارستہ مزاجی اپنی کے نوکری چھوڑ کر چلا گیا۔''[۴]

پروفیسر ایوب قادری لکھتے ہیں:

> جھجر میں مولانا کی علمی و تعلیمی سرگرمیوں کا ذکر نہیں ملتا، لیکن خیال یہ ہے کہ تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی رہا ہوگا اور طلبہ نے اکتساب فیض کیا ہوگا۔[۵]

---

[۱] ''نواب ایک جاگیردار تھے، نواب کی اپنی فوج تھی۔ دربار کی بڑی شان و شوکت تھی، نواب کا انتقال ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء میں ہوا، اور اسکے بیٹے فیض علی خان کا انتقال ۱۸۳۵ء میں ہوا، جبکہ اسکے پوتے عبدالرحمٰن رئیس جھجر کو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لینے کے پاداش میں ۲۳ ر دسمبر ۱۸۵۷ء کو پھانسی ہوئی اور ریاست ضبط ہوگئی'' علم و عمل: ص: ۱/ ۳۱۷، تاریخ جھجر از منشی غلام نبی تحصیلدار، ص، ۱۹۹، بحوالہ: مجموعہ مقالات از قریشی، ص، ۲۸ تا ۳۱،

[۲] پنج آہنگ، ص: ۳۵۵ تا ۳۵۶

[۳] علم و عمل، ص، ۱/ ۱۸۹

[۴] تاریخ جھجر، ص، ۲۱۲، بحوالہ: مجموعہ مقالات مرتبہ افضل قریشی، ص، ۳۰،

[۵] مجموعہ مقالات مرتبہ افضل قریشی، ص، ۳۰

3.11-ریاست الور میں قیام

نادم سیتاپوری رقم طراز ہیں:

پھر مہاراجہ الور[1] نے اپنے یہاں بلالیا-[2]

امیر مینائی لکھتے ہیں:

الور، سہارنپور اور ٹونک سب جگہ معزز و مؤقر رہے-[3]

قیامِ الور کی تفصیل سے تمام مآخذ خالی ہیں-البتہ علامہ کے ایک ہم سبق ساتھی مفتی صدرالدین آزردہ جو عظیم عالم اور صدر الصدور دہلی تھے، ان کا ایک شعر قیام الور کے دوران علامہ فضل حق کی علمی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتا ہے-وہ شعر یہ ہے:

رشک تہران و صفاہان شدہ دلی از مَن
الور از ذات ہمایوں تو یونان باشد[4]

ترجمہ: میری وجہ سے دلّی رشک تہران اور صفاہان بن گئی
آپ کی بابرکت ذات سے الور یونان ہوگا

حکیم محمود احمد برکاتی کہتے ہیں:

شرافت الرکان بالمکین کی صداقت دیکھئے کہ برعظیم کے مراکز علمیہ میں الور نامی کسی مقام کا کوئی ذکر نہیں تھا مولانا فضل حق وہاں پہنچے تو انکی ذاتِ ہمایوں نے الور کو یونان بنادیا-[5]

---

[1] الور، صوبہ راجستھان (بھارت) کا ایک ضلع ہے-

[2] غالب نام آورم، ص، ۱۰۷

[3] انتخاب یادگار، ص، ۲۹۲

[4] تاج الفحول نمبر، ص، ۴۳۱

[5] علماء خیر آباد و بدایوں کے روابط، تاج الفحول نمبر، ص ۴۳۱

علامہ کا الور میں قیام کب سے کب تک رہا؟ اسکی بھی کوئی وضاحت نہیں ملتی البتہ آغاز ۱۸۵۶ء سے ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی کے آغاز کے زمانے میں بھی علامہ ریاست الور میں تھے۔

3.12- سہارن پور اور ٹونک میں قیام

علامہ فضل حق کے بڑے بھائی فضل عظیم سہارن پور[1] میں افسر تھے۔ علامہ ملازمت دہلی کے دوران سہارن پور بھائی کے پاس جایا کرتے تھے۔ قیام سہارن پور کی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ علامہ کے مقدمے کے دو گواہانِ صفائی نے اس بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ خیال وشنید پر مبنی ہے، کوئی یقینی بات نہیں، جیسے قادر بخش کہتا ہے: ''مجھے انکے سابق حالات سے زیادہ واقفیت نہیں، میرا خیال ہے کہ وہ سہارن پور میں سر رشتہ دار تھے، لیکن کب؟ اس کا مجھے علم نہیں۔''[2]

امیر مینائی نے بھی بس اشارہ دیا ہے:

''الور سہارن پور اور ٹونک[3] سب جگہ معزز و مؤقر رہے۔''[4]

جبکہ ریاست ٹونک سے صرف چند دنوں منسلک رہنے کا ذکر ملتا ہے، نادم سیتا پوری نے علامہ کے ٹونک جانے کا سبب یہ بتایا ہے کہ ریاست ٹونک میں خیر آباد کے کئی بزرگ ممتاز عہدوں پر فائز تھے۔[5] علامہ کے کلامِ عربی میں ریاست ٹونک کے نواب امیر خان کی دعوت پر کسی امر کے سلسلے میں، دوست احباب کے روکنے کے باوجود، ٹونک جانے کا ذکر ملتا ہے، مگر یہ مدحیہ قصیدہ[6] علامہ نے اپنے قیام دہلی کے دوران ۱۸۲۴ء/

---

[1] سہارن پور بھارت کے صوبہ اتر پردیش کے مغرب میں ایک مشہور ضلع ہے۔

[2] مجموعہ مقالات از افضل قریشی، ص: ۱۱۵، ۱۱۶

[3] ٹونک بھی علماء کا شہر ہے، اور بھارت کے صوبہ راجستھان کا ضلع ہے۔

[4] انتخاب یادگار، ص ۲۹۲

[5] غالب نام آورم، ص ۱۰۷

[6] علامہ کی قلمی بیاض، ص ۴۴ پر (هَنِيئًا فَقَدْ وَافَى إِلَىَّ بَشِيرٌ) سے شروع ہونے والا یہ قصیدہ رائیہ اور اس کے پیش لفظ ملاحظہ کیجیے۔

۱۲۴۰ھ میں کہا تھا، نہ کہ اس مذکورہ عرصہ میں، اس سے علامہ کے نواب امیر خان سے تعلقات کا پتہ ضرور ملتا ہے مگر قیام ٹونک کے بارے میں یہاں سے بھی کوئی وضاحت نہیں ملتی اور ٹونک کے تاریخی مآخذ بھی علامہ کے ٹونک میں قیام اور ملازمت کے ذکر سے خالی ہیں۔[1]

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ کا جھجر کی ملازمت چھوڑنے کے بعد سے ۱۸۴۰ء تک کا عرصہ الور، سہارن پور اور ٹونک میں گزرا، تفصیل میسر نہیں، اسکے بعد وہ رام پور چلے گئے۔

3.13-رام پور میں ملازمت

ریاست رام پور[2] میں علامہ کا قیام ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء سے ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۷ء تک رہا۔ اسلئے کہ منشی امیر احمد مینائی نے مولانا خیر آبادی کے رام پور کے قیام کی مدت آٹھ سال لکھی ہے[3]۔ اور ۱۸۴۷ء میں وہ رام پور سے لکھنو جا چکے تھے۔

۲۰/اگست ۱۸۴۰ء کو نواب محمد سعید خان تخت نشین ہوئے، وہ علماء و فضلاء کی بہت قدردانی فرمانے والے تھے۔ انہوں نے علم و ادب کی سرپرستی کی اور علماء کو مختلف کتابوں کے ترجمہ و تالیف پر مامور کیا۔[4]

علامہ نے بھی حکمۃ طبیعیہ پر عربی زبان میں ایک کتاب ''ہدیہ سعیدیہ'' لکھی اور نواب محمد سعید خان کے نام معنون کی۔ یہ کتاب ہند اور مصر سے طبع ہوئی۔

تصنیف و تالیف کے علاوہ محکمہ نظامت اور مرافعۂ عدالتین (دیوانی و فوجداری) پر بھی نواب نے علامہ فضل حق کو مقرر کیا۔[5]

---

[1] ''دور ملازمت'' مقالہ پروفیسر ایوب قادری، دیکھئے مجموعہ مقالات از افضل قرشی، ص:۴۲

[2] رامپور قدیم اور مشہور ریاست ہے اب بھارت کے صوبہ اتر پردیش میں بریلی اور مراد آباد کے درمیان ضلع ہے۔

[3] انتخاب یادگار، ص:۲۹۲

[4] دیکھئے تقریب از بشیر حسین زیدی، ''مکاتیب غالب'' مرتبہ امتیاز علی خان عرشی رامپوری

[5] انتخاب یادگار ص:۲۹۲، مجموعہ مقالات از افضل قرشی، ص:۴۶

اس کے علاوہ علامہ کے سپرد نواب محمد سعید خان کے دو صاحبزادگان ہوئے۔ نواب محمد یوسف علیخان (ف ۱۲۸۱ھ) اور نواب محمد کاظم علیخان (ف ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء) دونوں نے علامہ سے استفادہ کیا۔[۱]

جب یہ دونوں ریاست کے کاموں میں مشغول رہنے لگے تو نواب محمد کلب علی خان بن نواب محمد یوسف علی خان (ف ۱۸۸۷ء) اور صاحبزادہ فدا علی خان بن محمد کاظم علیخان کی تعلیم کا سلسلہ مولانا فضل حق سے متعلق ہو گیا۔[۲]

انکے علاوہ رامپور میں تلامذہ کی ایک بڑی تعداد نے مختلف جگہوں سے آکر اکتساب علم کیا۔[۳]

علامہ فضل حق کے رامپور میں دوسرے علماء سے مباحثات و مذاکرات کا تذکرہ بھی تاریخ نے محفوظ کیا ہے۔[۴]

جب علامہ ریاست رامپور سے چلے آئے تو انکے صاحبزادے مولانا عبدالحق خیر آبادی (ف ۲۳ / شوال ۱۳۱۶ھ) ریاست سے وابستہ ہوئے۔ وہ وہاں حاکم مرافعہ اور مدرسہ عالیہ رامپور کے افسر رہے اور تاحیات وہیں رہے۔ انکے بعد انکے بیٹے مولوی اسد الحق خیر آبادی مدرسہ عالیہ رامپور کے مدرس اعلیٰ ہوئے، مگر ایک ہی سال بعد ۴ / اگست ۱۹۰۰ء کو انکا انتقال ہو گیا۔[۵]

3.14- دارالسلطنت لکھنو میں ملازمت

۲۶ / صفر ۱۲۶۳ھ / ۱۳ / فروری ۱۸۴۷ء کو اودھ کا آخری تاجدار واجد علی شاہ تخت

---

[۱] وقائع نصیر، ص ۳۰

[۲] مرجع سابق، ص ۴۵

[۳] فہرست طلبہ رامپور کیلئے دیکھئے مرجع سابق، ص ۵۳ تا ۵۴

[۴] تذکرہ کاملان رامپور، ص ۱۲۳، بحوالہ: مجموعہ مقالات مرتبہ افضل قریشی، ص ۵۱،

[۵] تذکرہ کاملان رامپور، ص ۳۶ تا ۳۷، بحوالہ: مجموعہ مقالات مرتبہ افضل قریشی، ص ۵۴،

نشین ہوا۔ تو علامہ رامپور سے لکھنو[1] بلا لیے گئے۔ ڈاکٹر ایوب قادری اپنے مقالے "علامہ فضل حق خیر آبادی؛ دورِ ملازمت" میں لکھتے ہیں: "تاریخ اودھ میں سب سے پہلے سفارت کے عہدے پر تقرر کے ضمن میں مولانا محمد فضل حق خیر آبادی کا نام آتا ہے۔[2]

یونہی حکیم محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں: "پہلے آپ کو مملکت اودھ کا سفیر بنا کر کلکتہ بھیجا جا رہا تھا، مگر پھر مرکز ہی میں (تقریباً نومبر ۱۸۴۷ء میں) "صدر الصدور" اور "کچہری حضور تحصیل"[3] کے مہتمم کا منصب دیا گیا۔ لکھنو میں علامہ کا قیام ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۶ء تک رہا"[4]۔ اس دوران ہنومان گڑھی کا مشہور سانحہ بھی پیش آیا۔[5]

"یہاں بھی علامہ زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکے، دلی کی طرح یہاں بھی انگریزوں کی سازشیں تھیں اور پھر خانہ جنگیاں تھیں۔"[6] غلام رسول مہر لکھتے ہیں: ایک روایت ہے کہ مولانا نے ہنومان گڑھی کے واقعہ سے متاثر ہو کر لکھنو کی ملازمت چھوڑ دی۔ دوسری روایت ہے کہ ترکِ ملازمت مولانا احمد اللہ شاہ سے بات چیت کا نتیجہ تھا۔[7]

بہر حال فروری ۱۸۵۶ء میں انگریزوں نے واجد علی شاہ کو معزول کر کے اودھ کا اپنی حکومت سے الحاق کر دیا، تو علامہ بھی وہاں سے چلے آئے۔ لکھنو کے عرصہ قیام میں مفوضہ سرکاری ذمہ داریوں کے باوجود درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔[8]

---

[1] لکھنو بھارت کا مشہور علمی و تہذیبی شہر ہے، یہ پہلے صوبہ اودھ کا دار الحکومت تھا، اب بھارت کے مشہور صوبہ اتر پردیش کا صدر مقام ہے۔ اب اس صوبے کا رقبہ قدیم سے تقریباً دوگنا ہے۔

[2] مجموعہ مقالات مرتبہ افضل قریشی، ص:۵۹

[3] یہ محکمہ کمپنی فوج کے سپاہیوں کے حق کی حفاظت اور دادرسی کیلئے نومبر ۱۸۴۷ء کو قائم کیا گیا۔ تاریخ اودھ، ص:۱۴۸/۵۔ قیصر التواریخ، ص:۳۵/۲

[4] سفر اور تلاش، ص:۵۰

[5] تفصیل کیلئے آئندہ صفحات میں "سیاسی احوال" ملاحظہ کیجئے۔

[6] غالب نام آورم، ص:۱۰۸

[7] ۱۸۵۷ء کے مجاہد، ص:۲۰۲

[8] پروفیسر ایوب قادری، دیکھئے مجموعہ مقالات مرتبہ افضل قریشی، ص:۶۹

3.15-رام پور واپسی

علامہ فضل حق خیر آبادی اودھ سے واپس رام پور آئے- چند دن یہاں ٹھہر کر الور چلے گئے-[1]

3.16-الور میں ملازمت

۱۸۵۶ء میں جن دنوں علامہ الور گئے، ان دنوں الور کا راجہ بنے سنگھ[2] تھا- یہ علم و فن کا بڑا قدر دان تھا، مبارک شاہ کوتوال دہلی کے مطابق وہ علامہ فضل حق کو اس زمانے میں ساڑھے چار سو روپیہ بطور مشاہرہ دیا کرتا تھا-[3]

علامہ کی تدریسی سرگرمیاں الور میں بھی جاری رہیں- آپ کے طلبہ بھی آپ کے ساتھ لکھنو سے الور منتقل ہو گئے- علامہ ان طلبہ کو روزانہ سولہ سولہ سبق پڑھایا کرتے تھے-[4]

علامہ فضل حق خیر آبادی الور میں ہی تھے کہ ۱۰ رمئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ سے جنگ آزادی کا آغاز ہو گیا- ۱۱ رمئی کو مجاہدین نے بڑی آسانی سے دہلی پر قبضہ کر کے انگریزوں کو نکال باہر کیا، اور پھر اسی پر اکتفا کر لیا- قدرت انہیں کتنا بڑا موقع فراہم کر رہی تھی اسکا وہ ادراک ہی نہ کر پائے- وہ جذبہ اور وہ اتحاد و اتفاق جس کے ساتھ وہ اٹھے تھے، وہ رفتہ رفتہ مفقود ہوتا چلا گیا، اور قائدین[5] جہاد آزادی خود غرضی، غفلت، نا اہلیت اور دشمن کی سازشوں کا شکار ہوتے چلے گئے اور دوسری طرف دشمن روز بروز اپنے آپ کو مضبوط کرتا چلا گیا، یہاں تک

---

[1] غالب نام آورم، ص:۱۰۸، "مکاتیب غالب" مرتبہ امتیاز علی خان عرشی، ص ۷۵

[2] "راجہ بنے سنگھ" ۱۵ر جولائی ۱۸۵۷ء کو فوت ہو گیا، یہ ۱۸۳۵ء میں تخت نشین ہوا تھا، اس نے ریاست کے انتظام کی درستگی کے بعد علم و فن کی قدر دانی کی اور وحید عصر و منتخب روزگار افراد کو اپنی ریاست میں جمع کیا- اس زمانے میں پچاس ہزار کے مصارف سے "گلستان سعدی" لکھوائی، وقائع راجپوتانہ، ص ۳۷۲، بحوالہ پروفیسر ایوب قادری، دیکھئے مجموعہ مقالات مرتبہ افضل حق قرشی، ص:۷۰ تا ۷۲

[3] The Indian Rebellion of 1857 , P:212

[4] "باغی ہندوستان، ص:۲۲۴ تا ۲۲۶- مجموعہ مقالات، ص:۷۳ تا ۷۵
استاذ العلماء مفتی لطف اللہ علیگڑھی، مصنفہ مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، ص:۳۸

[5] قائدین کے جنگ آزادی میں کردار کی تفصیل علامہ کے سیاسی احوال میں ملاحظہ کیجئے-

کہ ایک چیلنج بن گیا- اس پر امیر ٹونک نے خط لکھا:

''کہ اسے تولہ رام سے خبر ملی ہے کہ ابھی تک انگریزوں کو سمندر میں نہیں دھکیلا گیا-''[1]

جب صورتحال قابو سے باہر ہوگئی اور دہلی ہاتھ سے جاتی نظر آنے لگی، تو بہادر شاہ ظفر نے علامہ فضل حق خیر آبادی کو الور سے بلالیا، علامہ وسط اگست ۱۸۵۷ء میں دہلی پہنچے ایک مخبر اس موقع پر انگریزوں کو اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے:

''مولوی فضل حق، الور کے راجہ کی ملازمت چھوڑ کر دہلی آ گیا ہے-''[2]

یوں آپ کے طویل دور ملازمت کا اختتام ہوا- سید محمد میاں آپ کے دور ملازمت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''آپ نے ملازمت کی مگر اس طرح کہ آپ کی نازک مزاجی نے عزت نفس، خودداری اور وقار علم کے دامن کو کبھی میلا نہیں ہونے دیا- بظاہر یہی سبب تھا کہ کہیں آپ کا قیام مستقل نہیں رہا--- نہ صرف ملازمت (ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت) ترک کی، بلکہ دہلی کی بود و باش بھی ترک کردی-''[3]

3.17- دہلی میں جہادِ آزادی کی قیادت

علامہ فضل حق خیر آبادی دہلی پہنچے[4] تو بہادر شاہ ظفر نے تمام تر انتظام انکے سپرد کر دیا- علامہ نے حالات کا جائزہ لیا اور فوری ضرورتوں اور مستقبل کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے پورے نظام کی ازسرنو اصلاح شروع کر دی، نا اہل لوگوں کو ہٹا کر قابل اعتماد لوگوں کو رسد کی بہم رسانی پر مامور کیا لگان اور رسد میں اضافہ ہونے لگا- انتظامی امور کی درستی کیلئے ملک کا دستور بنایا- اس آئین کی روشنی میں فوجی و سول اراکین پر مشتمل کابینہ بنائی

---

[1] ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۴۴

[2] ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۷۰، رپورٹ، ۱۸ اگست ۱۸۵۷ء

[3] علمائے ہند کا شاندار ماضی، ص: ۴/۲۲۵

[4] علامہ کی جنگ آزادی میں شرکت کی تفصیل انکے سیاسی احوال میں ملاحظہ کیجئے-

غداروں کی دخل اندازی کی تمام راہیں بند کر دیں، رازداری کا بہت اہتمام کیا، بادشاہ شہزادوں اور عوام کو انکی ذمہ داری کا احساس دلایا اور انگریزوں کے خلاف بھڑکایا- اس سب کے نتیجے میں ہر طرف ایک ولولہ تازہ نظر آنے لگا- فتح و کامیابی آسان نظر آنے لگی، مگر مہلت ختم ہو گئی- اس لئے کہ غداروں اور سازشیوں کے ہاتھوں ملک و قوم کا سودا طے ہو چکا تھا اور نا اہل قائدین نے اپنے ہاتھوں اس قدر کھو دیا تھا کہ بازیابی و مداوا ناممکن ہو گیا اور ۱۹ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو انگریز دہلی پر دوبارہ قابض ہو گئے-

3.18- خیر آباد روانگی اور وہاں قیام

انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد اہل شہر اور فوج پر انتہائی مظالم ڈھائے- غلہ پانی بند کر دیا- بادشاہ، فوجی قائدین اور بہت سے لوگ سقوطِ دہلی سے پہلے ہی شہر چھوڑ گئے- باقی بعد میں چلے گئے جو بچا اسے انگریزوں نے شہید کر دیا- جب شہر میں کوئی نہ رہا تو پانچ دن اپنے مکان میں بھوکے پیاسے بند رہنے کے بعد، جان بچانے کی خاطر علامہ بھی اپنے اہل کے ساتھ چھپ چھپا کر نکلے اور خیر آباد کی راہ لی-

کسی نہ کسی طرح خیر آباد پہنچے تو وہیں مقیم ہو گئے- دسمبر ۱۸۵۷ء میں لکھنو کے محاذ پر جنگ چھڑ گئی، تو علامہ خیر آباد سے لکھنو چلے گئے- وسطِ مارچ ۱۸۵۸ء میں لکھنو بھی مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاتا رہا علامہ واپس خیر آباد آ گئے- لکھنؤ سے نکل کر مجاہدین منتشر ہو گئے- اپنے اپنے طور پر لڑتے رہے، اور ختم ہوتے چلے گئے، افراتفری و بھگدڑ کا سماں تھا- ہر کوئی جان بچاتا پھر رہا تھا- علامہ بھی مئی ۱۸۵۸ء میں خیر آباد سے نکل گئے اور مختلف علاقوں میں روپوش رہے- اس دوران ملکہ وکٹوریہ نے عام معافی کا ملک بھر میں اعلان کروایا- علامہ یہ اعلان پڑھ کر پیش ہو گئے اور روبکاری کے بعد گھر خیر آباد چلے گئے جہاں سے انہیں تھوڑے دنوں بعد گرفتار کر لیا گیا اور ایک بے بنیاد مقدمے میں پھنسا کر عمر بھر کیلئے انڈیمان بھیج دیا گیا-

3.19- جزیرہ انڈیمان میں وفات

۸/۱ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو آپ کلکتہ سے جنوبی انڈیمان! میں پورٹ بلیر پر اترے۔ وہاں ایک سال دس ماہ سخت مضر صحت ماحول والے جزیرے میں مختلف بیماریوں کا شکار رہ کر اور طرح طرح کے مصائب وشدائد سہہ کر ۱۲/صفر ۱۲۷۸ھ / ۲۰/ اگست ۱۸۶۱ء کو انتقال فرما گئے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنْ)

علامہ کا مدفن جزیرہ نمک بھٹہ (ساؤتھ پوائنٹ میں، جزیرہ روس/Ross) کے قریب ہے۔ علامہ کے برابر مولوی لیاقت علی الہ آبادی[۲] مدفون ہیں۔

[۱] جزائر انڈیمان خلیج بنگال میں مشرق کی طرف کلکتہ سے تقریباً چھ سو میل کے فاصلے پر واقع ہیں یہ مجموعہ جزائر ۲۷۶۴ مربع میل کے رقبے پر محیط ہے۔ اس مجموعے میں دو سو چار جزیرے ہیں اور انڈیمان کے نام سے مشہور ہیں۔ یہاں کے جنگلات میں قیمتی لکڑیوں کے درخت پائے جاتے ہیں خط استوا کے قریب ہونے کی وجہ سے بارہ مہینے بارش ہوتی رہتی ہے۔ اصل باشندے حبشیوں کی طرح ہیں۔ ستمبر ۱۷۸۹ء میں گورنمنٹ ہند نے طے کیا کہ حبس دوام بعبور دریائے شور کے قیدی جزائر انڈیمان ونکوبار میں رکھے جائیں چنانچہ کیپٹن بلیر اور کیپٹن مورس دو جہاز لے کر وہاں پہنچے جزیرہ چاٹم میں لنگر ڈالا اور اس چھوٹے سے جزیرے کو کسی قدر صاف کر کے کچھ مکانات بنوائے ایک کنواں کھدوایا اور وہاں رہنے لگے مگر طرح طرح کی بیماریوں اور آب وہوا کی خرابی کے باعث آدھے آدمی مر گئے۔ چار و ناچار سات سال تک اس جزیرے پر قبضہ رکھا گیا آخر کار شدت بیماری اور آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے ۱۷۹۶ء میں یہ جزیرہ بالکل اجڑ گیا، اسی کیپٹن کے نام سے موسوم ہوا۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے سلسلے میں ہزاروں آدمیوں کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا تجویز ہوئی اس لئے کہ ان ہزارہا قیدیوں کو ہندوستان کی جیل میں رکھنے میں فساد کا اندیشہ تھا۔

۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۵ء تک ان جزائر کی آب وہوا سم قاتل تھی اگر کسی شخص کے کوئی زخم ہو جاتا تو اسکی موت یقینی تھی زخم تین دن میں سڑ جاتا اور چوتھے دن زخمی ملک عدم کی راہ لیتا تھا۔ انڈیمان کی آبادکاری کے شروع زمانے میں اسکروی کی بیماری بڑے زوروں سے رہی اور اس بیماری سے ہزاروں آدمی مر گئے۔ علامہ فضل حق نے بھی الثورۃ الھندیہ اور قصائد میں ان جزائر کے متعلق لکھا ہے۔ تفصیل کیلئے قصائد کے علاوہ ڈاکٹر ایوب قادری کا مضمون، ''جزائر انڈمان ونکوبار میں مسلمانوں کی علمی خدمات'' ص ۵۵ تا ۵۹ دیکھئے۔

[۲] مولوی لیاقت علی الہ آبادی نے جہاد آزادی ۱۸۵۷ء میں الہ آباد سے حصہ لیا، چال چلن کی پاکی کے باعث لوگ عزت کرتے تھے، الہ آباد آزاد ہوا تو ان کا نام صوبیدار کے لئے پیش کیا گیا۔ انگریزوں نے جب دوبارہ قلعہ الہ آباد پر قبضہ کر لیا تو یہ وہاں سے تیس لاکھ کا خزانہ لے کر ۷ ارجون کو کانپور نکل گئے جب کانپور پر بھی قبضہ ہو گیا تو دکن نکل گئے، وہاں سے گرفتار کر کے انگریزوں نے انہیں کالے پانی (جزائر انڈیمان) بھیج دیا۔ وہاں کئی سال جلاوطن رہنے کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ وہیں مدفون ہیں۔

جہاد کے دوران مسلسل بادشاہ بہادر شاہ ظفر سے رابطہ رکھا۔ مشہور نظم ''جہادیہ'' لکھی۔ جگہ جگہ یہ نظم سنائی جاتی، اور دیواروں پر چسپاں کر دی جاتی۔ بحوالہ اردو میں نعت گوئی از ڈاکٹر ریاض مجید، ص: ۳۹۰

3.20-قطعات تاریخ اور مرثیے

محمد سعید حسرت نے علامہ کی وفات پر یہ قطعہ تاریخ کہا:

قد توفّی الإلٰهُ فضلَ الحق — عالماً جیّداً بلا ریب

إن نفاه الولاۃُ مِن بلدِه — بجفاءٍ فلیس مِن عیب

قال تاریخه (لَأَ درکه — فضلُ حقٍّ) هو اتفُ الغیبِ [1]

۱۲۷۸ھ

فارسی میں یہ قطعہ تاریخ کہا:

مولوی فضل حق چو رحلت کرد — جنتی گشت نیست ریب مرا

گفت تاریخ "لأ درکه — فضل حق" سروش غیب مرا [2]

۱۲۷۸ھ

اردو میں درج ذیل قطعہ ہے:

باعمل تھے حضرت فضل حق — کر دیا نیرنگ نے جینا محال

انڈمن کو لے گئی قید فرنگ — ہو گیا آخر وہیں پر انتقال

سال ہے مسعود بے "ہادی ہند" — فضل حق خیر آبادی باکمال [3]

۷۹ — ۱۹۴۰

۱۸۶۱ء [4]

مولانا فیض الحسن سہارنپوری نے علامہ کے مرثیہ میں تین قصیدے بزبانِ عربی کہے، جیسے:

---

[1] اقسطاس البلاغہ، ص: ۲۱۰، بحوالہ: باغی ہندوستان، ص: ۲۴۲،

[2] مرجع سابق

[3] عندلیب تواریخ، ص: ۱۱۰، بحوالہ: مرجع سابق۔

[4] یعنی ۱۹۴۰ سے ۷۹ نکالیں تو سال وفات ۱۸۶۱ء حاصل ہوتا ہے۔

لم يغب فيضُه ولو غاب عنّا جسُمه الأزهرُ النقيُّ العجيبُ

لا يغيب الندى الكريم الجوادُ الفاضل البارعُ الأديب الأريب

كيف يُنسىَ الفتى العطوف الرؤوف الهيّنُ الليّنُ الحبيب اللبيب

يُنسى وكم له مِن خصال ذكرُها مثلُ ربّها المحبوب

ربّنا اغفرله وأنت غفور واستجب لى وأنّك المستجيب

ربّنا انمُ ذكرَه ما طمى البحرُ وما هبّ شَمأل وجنوب

هذه دعوةٌ مِنَ القَلب والقلبُ كئيب ولا يخيبُ الكئيب [1]

---

[1] المجلة: المجمع العربي الباكستاني، جلد اول، شماره نمبر ۴، ص: ۴۵

باب 4

علمی و ادبی احوال

4.1-اساتذہ

۱- مولانا فضل امام خیر آبادی: (ف ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۹ء)

علامہ فضل حق خیر آبادی نے معقولات، منقولات اور علوم عربیہ کی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا فضل امام خیر آبادی سے پائی۔[۱] علامہ کی قلمی بیاض میں اوائل جوانی کے عربی میں کچھ خطوط اور قصائد ہیں جو انہوں نے اپنے والد گرامی کو بھجوائے۔ مولانا فضل امام کے توسط سے علامہ کا سلسلہ معقولات محقق دوانی اور میر سید شریف جرجانی سے ہوتا ہوا شیخ الرئیس اور معلم ثانی فارابی سے جا ملتا ہے اور فارابی سے معلم اول ارسطاطالیس تک۔[۲]

۲- شاہ عبدالقادر دہلوی: (۱۷۵۳ء-۱۸۱۳ء)

علامہ نے حدیث کی تکمیل شاہ عبدالقادر دہلوی سے کی جو شاہ ولی اللہ دہلوی کے بیٹے تھے، قرآن مجید کا اردو ترجمہ سب سے پہلے (۱۲۰۵ھ/ ۹۱-۱۷۹۰ء میں) انہوں نے کیا تھا جو کہ بہت متداول ہوا۔[۳] شاہ عبدالقادر کے توسط سے علامہ کا سلسلہ حدیث امام بخاری تک پہنچتا ہے اور ان سے حضور ﷺ تک۔[۴]

صدیق حسن قنوجی نے لکھا ہے:

"شاہ عبدالقادر دہلوی عالم، زاہد، فاضل، عابد، صاحب تقویٰ و وقار اور صاحب فراست و حسنِ بصیرت والے تھے، ایک جماعت نے ان سے شرف تلمذ پایا۔ ان میں سے نمایاں ابوالعلاء فضل حق خیر آبادی ہیں جو اپنے زمانے کے سب سے ماہر ادیب تھے۔

---

[۱] ان کے تفصیلی حالات زندگی ص: ۳۵ تا ۴۱ میں گزرے ہیں۔

[۲] دیکھئے "سفر اور تلاش"، ص: ۴۹، تفصیل کیلئے دیکھئے ڈاکٹر قمر النساء کا مقالہ ڈاکٹریٹ "العلامہ فضل حق خیر آبادی"، ص: ۵۰ تا ۵۲، باغی ہندوستان، ص: ۱۷۶ تا ۱۸۱۔

[۳] "المنجد"، ص: ۴۵۱۔

[۴] "سفر اور تلاش"، ص: ۴۹

[۵] ابجد العلوم، ص: ۳/ ۲۴۶

۳۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی: (۱۷۴۶ء-۱۸۲۴ء)

علامہ فضل حق نے شاہ عبدالعزیز دہلوی کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہ کیا ہے۔ عربی اشعار شاہ صاحب ہی کو دکھاتے تھے۔[۱] یہ شاہ ولی اللہ کے بڑے بیٹے تھے۔ انہوں نے ''میزان العقائد اور تحفہ اثنا عشریہ'' وغیرہ تالیف کیں۔[۲]

باغی ہندوستان میں ہے کہ ''شاہ صاحب نے ردِ شیعہ میں جب تحفہ اثنا عشری محققانہ انداز میں تحریر کی تو شیعانِ ہند اور ایران میں ہلچل مچ گئی، ایران سے میر باقر داماد کے خاندان کا ایک متبحر عالم و مجتہد اپنی ڈھیروں کتابوں کے ساتھ دہلی میں شاہ صاحب کی درسگاہ میں مناظرہ کیلئے حاضر ہو گیا تب علامہ فضل حق بارہ سال کے تھے اور شاہ صاحب کے حلقہ درس میں تھے، انہوں نے مہمان کے ساتھ شرح اشارات، شفا اور اوراُفق مبین پر ایسی مدلل گفتگو کی کہ وہ عالم اسی رات، شاہ صاحب سے مناظرہ کیے بغیر دہلی سے واپس ایران کوچ کر گیا۔[۳]

۴۔ حافظ محمد علی خیر آبادی:

حافظ محمد علی خیر آبادی بھی علامہ کے اساتذہ میں سے ہیں ''مناقب حافظیہ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا فضل حق ''فصوص'' کا درس لینے انکی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔[۴]

4.2- تدریس

علامہ فضل حق خیر آبادی نے تحصیل علم کے معاً بعد، عنفوانِ شباب میں تیرہ سال کی عمر ہی سے تدریس شروع کر دی۔ یوں ۱۸۱۰ء سے ۱۸۵۷ء تک مسلسل سینتالیس سال آپ نے

---

[۱] تذکرہ غوثیہ، ص: ۱۳۷

[۲] المنجد فی الاعلام، ص: ۴۵۰

[۳] باغی ہندوستان، ص: ۱۴۵، ۱۴۶

[۴] دیکھئے علامہ محمد فضل حق خیر آبادی اور جہادِ آزادی، ص: ۲۰۰ پر ڈاکٹر معین الدین کا مقالہ

درس دیا۔[1] علامہ کی تدریسی سرگرمیوں کی تفصیل نہیں ملتی صرف اشارات ہیں جن کے مطابق درس کا سلسلہ ہر جگہ ہر حالت میں جاری رہا۔[2] فرائض ملازمت اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی اس میں کبھی حارج نہ ہوا۔ حکیم سید محمود برکاتی ملازمت دہلی کو چھوڑنے کی ایک وجہ یہ بھی ذکر کرتے ہیں: ''ان مناصب کے اعزاز اور اختیارات کی وجہ سے علامہ کو مصروف زیادہ رہنا پڑتا تھا، اور خالص علمی مشاغل کیلئے خاطر خواہ فراغت نہیں ملتی تھی، اس لئے علامہ ناخوش اور بیزار تھے۔[3]

علامہ علمی مشاغل کو صاحبِ علم کیلئے ضروری خیال کرتے تھے اسی لئے جس زمانے میں انکے شاگرد نورالحسن کاندھلوی کے پاس کوئی علمی مشغلہ اور درس و تدریس کا کوئی سلسلہ نہ تھا تو انکے خط کے جواب میں لکھا: ''تاسفے کہ بر بے شغلی علوم نوشتہ اند بجا است۔ آن علوم را بمشقت حاصل کردہ بودند، آن محنت را رائیگاں کردن گوارا نمی شود۔''[4]

ترجمہ: کسی علمی مشغلے کے نہ ہونے کے بارے میں جو آپ نے لکھا ہے اس پر افسوس بجا ہے ان علوم کو مشقت سے حاصل کیا تھا، اس محنت کو ضائع کرنا گوارا نہیں ہے۔

غلام رسول مہر لکھتے ہیں: ''بہر حال مولانا نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کسی بھی دور میں درس و تدریس ترک نہیں کی۔ جو بھی فیض حاصل کرنے کیلئے آتا، اسے بے تامل مستفیض فرماتے، یہاں تک کہ مشاغل تفریح میں بھی اس کا خاص خیال رکھتے، جیسا کہ مولوی رحمان علی کے بیان سے واضح ہے۔''[5]

---

[1] سفر اور تلاش، ص:۴۹

[2] ''علامہ کا دورِ ملازمت'' از پروفیسر ایوب قادری، دیکھئے، مجموعہ مقالات از افضل قریشی، ص:۱۱-۸۲

[3] سفر اور تلاش، ص:۵۰

[4] تذکرہ اسلاف، حالات مشائخ کاندھلہ، ص:۱۴۹

[5] ۱۸۵۷ء کے مجاہد، ص:۲۰۲

جبکہ مولوی رحمان علی لکھتے ہیں: ''میں نے ۱۲۶۴ھ میں بمقام لکھنو مولانا کو دیکھا (اس وقت علامہ کی عمر باون سال تھی) کہ حقہ نوشی کی حالت میں شطرنج بھی کھیلتے جاتے تھے اور ایک طالب علم کو افق مبین کا درس اس خوبی سے دیتے تھے کہ مضامین کتاب طالب علم کے ذہن نشین ہوتے جاتے تھے۔''[1]

سید مصطفےٰ علی بریلی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ''بعض اوقات بر سر عدالت مقدمات کی سماعت کے دوران بھی ضرورت مند طلبہ کو سبق دیے جاتے تھے۔''[2]

مفتی سلطان حسن بریلوی کے نام علامہ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام الور کے دوران علامہ کے پاس روزانہ سولہ سبق ہوتے تھے۔[3]

حکیم سید محمود احمد برکاتی نے اس خط میں مذکور طلبہ اور کتابوں کے ناموں سے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ الور میں علامہ سے شرف تلمذ پانے والے یہ طلبہ درجہ تخصص کے طلبہ تھے اور خط میں مذکور کتابیں درجہ تخصص کے نصاب کی کتابیں ہیں۔[4]

علامہ کے شاگرد مولانا عبداللہ بلگرامی مقدمہ ''ہدیہ سعیدیہ'' میں لکھتے ہیں: ''آپ طلبہ پر شفیق اور ذہین تلامذہ کے پڑھانے پر حریص تھے۔ آسان اور سہل الفاظ میں سمجھاتے، تعلیم و تدریس میں اپنے جگر گوشہ اور عام طالب علم میں ذرہ برابر فرق نہ کرتے۔''

4.3- تلامذہ

علامہ کا عہد سیاسی اعتبار سے مسلمانان ہند کے زوال اور علمی اعتبار سے کمال کا عہد تھا۔ دہلی میں جو کہ دارالسلطنت تھا، منقولات کا ولی اللہی مدرسہ اور معقولات کا خیر آبادی مکتب تھا، دیارِ عرب، ایران، بخارا، افغانستان اور دوسرے دور دراز کے علاقوں سے

---

[1] تذکرہ علمائے ہند، ص:۱۶۵

[2] شہید آزادی ایڈیشن ''الہام'' ہفت روزہ، بہاولپور، ص:۶۲

[3] باغی ہندوستان، ص:۲۴۴ تا ۲۴۶، اور مجموعہ مقالات از افضل قریشی میں ص:۴۷ تا ۷۵۔ جبکہ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری لکھتے ہیں: ''علامہ محمد فضل حق خیر آبادی نے ایک کامل درجہ کی مدرسانہ زندگی نہیں گزاری۔ (علامہ فضل حق خیر آبادی اور جہادِ آزادی، ص:۱۸۰)

[4] تاج الفحول نمبر، ماہنامہ ''مظہر حق'' بدایون، ص:۴۳۱

سے شائقین علم آ کر شریک حلقہ تدریس ہوتے تھے[1]

علامہ فضل حق خیر آبادی جس ریاست میں مقیم ہوتے طلبہ بھی وہیں منتقل ہو جاتے اور مستفیض ہوتے۔ آپکے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر افسوس کہ ان سب کے نام بھی محفوظ نہیں ہیں۔ معاصر مصنف مولوی کریم الدین پانی پتی (ف ۱۸۶۹ء) لکھتے ہیں: واضح ہو کہ یہ فاضل اجل، بڑا عالم ہندوستان میں ہے اس سے صد ہا لوگوں کو فیض ہوا ہے اور صد ہا فاضل اسکے شاگردوں میں ہیں۔[2] قریبی ہمعصر امیر مینائی کہتے ہیں: ''تلامذہ مولوی صاحب کے حساب سے باہر ہیں۔''[3]

علامہ عبدالشاہد شروانی لکھتے ہیں: ''کاش کوئی قریب تر زمانے میں علامہ کے تلامذہ کی فہرست مرتب کر لیتا۔''[4]

علامہ عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں: ''آج ہند و پاک کا شاید ہی کوئی مدرسہ ہوگا جہاں آپ کا فیض جاری نہ ہو۔''[5] علامہ عبدالشاہد خان شروانی کے مطابق تیرہویں اور چودھویں صدی کے اکثر فضلاء ہند خیر آبادی شجرِ علم کے خوشہ چیں ہوئے ہیں۔ موجودہ دور کے صف اول کے مشاہیر علماء کو نسبت تلمذ علامہ کے تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ سے حاصل ہے۔[6]

علامہ کے بعض تلامذہ کے نام یہ ہیں:

4.3.1- تلامذہ دہلی

۱- حکیم امام الدین دہلوی، طبیب اکبر شاہ ثانی و بہادر شاہ ظفر و وزیر الدولہ ٹونک۔

۲- مولانا شیخ محمد تھانوی ولد شیخ حمد اللہ (۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء-۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء)

---

[1] باغی ہندوستان، ص: ۲۴۰، نزہۃ الخواطر، ص: ۳۲۵/۷، ابجد العلوم، ص: ۲۵۳/۳

[2] تذکرہ فرائد الدہر، ص: ۲۰۶، ۲۰۷، مؤلفہ ۱۸۴۷ء

[3] انتخاب یادگار، ص: ۲۹۲

[4] باغی ہندوستان، ص: ۲۴۰

[5] کلمہ الافتتاح ''تحقیق الفتویٰ'' مترجم، ص: ۱۰ تا ۱۱

[6] باغی ہندوستان، ص: ۲۴۲، اور شجرۂ تلامذہ کیلئے دیکھئے ڈاکٹر قمر النساء کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ، ص: ۹۱ تا ۹۳

۳- مولانا نورالحسن ولد مفتی الٰہی بخش کاندھلوی- قائم مقام تحصیلدار دیوبند (ف ۱۲۸۵ھ)

۴- حکیم نورالحسن بن حکیم نثار علی امروہوی-

۵- نواب ضیاءالدین خان نیر ودرخشاں-

۶- قلندر علی زبیری پانی پتی (ف ۱۳۲۳ھ)، مولف "تنزیل التنذیر فی نظیر البشیر والنذیر" واستاذ مولانا الطاف حسین حالی-

۷- منشی دادار بخش پنجابی-

۸- مولوی غلام قادر گوپاموی (سبط مولانا فضل امام)، ناظر سررشتہ دار عدالتِ دیوانی وتحصیلدار گوڑگانوہ-

۹- ملا فتح الدین لاہوری-

4.3.2- سہارن پور اور کاندھلہ کے تلامذہ:

۱۰- مولوی عبدالرزاق سہارن پوری-

۱۱- مشہور شاعر وادیب، مولانا فیض الحسن سہارنپوری (۱۲۳۲ھ/۱۸۱۶ء-۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء)، استاذ شبلی نعمانی واستاذ شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی، شارح حماسہ، شارح سبعہ معلقہ درعربی وفارسی واردو-

۱۲- مولوی محمد اکبر بن مولوی نورالحسن کاندھلوی (ف ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء)

4.3.3- تلامذہ رامپور:

۱۳- شمس العلماء مولانا عبدالحق بن فضل حق خیرآبادی (۱۸۲۸ء/ ۱۲۴۴ھ-۱۳۱۶ھ فلسفہ میں امام عصر، تقریباً چالیس کتابوں کے مصنف، استاذ شبلی نعمانی، وبرکات احمد ٹونکی واسدالحق خیرآبادی، ہندوستان میں علامہ فضل حق خیرآبادی کی یادگار[1]

---

[1] تفصیلی حالات کیلئے دیکھئے "باغی ہندوستان"، ص: ۳۱۳ تا ۳۴۶

۱۴- بی بی سعید النساء حرماںؔ بنت علامہ فضل حق خیر آبادی وامّ مضطر خیر آبادی و بسملؔ خیر آبادی۔

۱۵- نواب محمد یوسف علیخان ابن نواب محمد سعید خاںؔ (ف ۱۲۸۱ھ)

۱۶- نواب محمد کلب علیخان ابن نواب محمد یوسف علیخانؒ (ف ۱۸۷۸ء)

۱۷- صاحبزادہ محمد کاظم علیخان ابن نواب محمد سعید خان (ف ۱۲۹۲ھ)

۱۸- صاحبزادہ فدا علیخان ابن محمد کاظم علیخان۔

۱۹- مولوی ہدایت اللہ خان ولد رفیع اللہ خان رامپوری ثم جونپوری (ف ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء)، واستاذ مولانا سید سلیمان اشرف و مولانا امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت۔

۲۰- مولانا ملا نواب ولد سعد اللہ خان رامپوری (ف ۱۳۰۹ھ)

۲۱- مولوی محمد موسیٰ خان ولد احمد خان رامپوری (ف ۱۳۳۳ھ غالباً)

۲۲- مولوی حکیم محمد فیاض خان ولد مولوی بشارت اللہ خان رامپوری (ف ۱۲۷۲ھ)

۲۳- مولوی عبد العلی خان ریاضی دان ولد یوسف خان رامپوری (ف ۱۳۰۳ھ)، استاذ الامام احمد رضا خاں بریلوی۔

۲۴- مولوی نور النبی ولد مولوی محمد اسحاق، مدرس مدرسہ عالیہ رامپور (ف ۱۲۸۷ھ تقریباً)

۲۵- مولوی عبد العزیز خان ولد حاجی جرہ باز خان، مدرس مدرسہ عالیہ رامپور۔

۲۶- مولوی سلطان حسن خان ولد مولوی احمد حسن خان، صدر الصدور بریلی (ف ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء)۔سید جمیل احمد بلگرامی اور انہوں نے مل کر علامہ فضل حق کے عربی کلام کا ایک مجموعہ مرتب کیا۔

۲۷- مولوی ہدایت علی بریلوی، مدرس اول (پرنسپل) مدرسہ عالیہ رامپور (ف ۱۳۲۲ھ استاذ مولانا فضل حق رامپوری، و شاہ ابو الحسین احمد نوری، و مولانا یونس علی بدایونی۔

۲۸- مولوی حکیم الٰہی بخش قادری ولد اشرف الحکماء حکیم عظیم اللہ قادری، ساکن قصبہ آنولہ (ف ۱۳۲۰ھ)

۲۹- مولوی احمد حسن مراد آبادی محشّی شفاالقاضی عیاض (ف ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء)

۳۰- مولوی حکیم محمد حسن [1] ولد شیخ کرامت علی امروہوی (ف ۱۳۲۳ھ)

۳۱- مولوی عبدالعزیز سنبھلی۔

۳۲- مولوی عبدالرشید غازی پوری۔

4.3.4- لکھنو اور الور کے تلامذہ:

۳۳- مولانا نور احمد بن مولوی محمد شفیع عثمانی بدایونی (۱۲۳۰ھ-۱۳۰۱ھ)

۳۴- مولانا عبدالقادر بن شاہ فضل رسول بدایونی (۱۲۵۳ھ-۱۳۱۹ھ) صاحب دیوان عربی و تاریخ بدایون و ہدایت الاسلام و رسالہ حقیقتِ شفاعت وغیرہ۔

۳۵- مولوی محمد محسن ترہتی، صاحب ''الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی'' (۱۸۲۷ء-۱۹۰۱ء)

۳۶- مولوی عبداللہ بلگرامی بن سید شاہ آل احمد بلگرامی (۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء-۱۳۰۵ھ/۱۸۶۴ء)

۳۷- شمس العلماء مولانا عبدالحق بن شاہ غلام رسول کانپوری (ف ۱۳۱۲ھ)

4.3.5- دیگر تلامذہ:

۳۸- مولانا جمیل احمد بن اسلم صدیق بلگرامی (ف ۱۲۹۴ھ)- علامہ کے عربی کلام کا ایک مجموعہ بھی ترتیب دیا۔

۳۹- مولانا خیر الدین بن محمد ہادی، جو کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے والد ہیں۔ (۱۸۳۱ء- ۱۹۰۸ء/۱۳۲۶ھ)-شاعر بھی تھے-ردوہابیہ میں دس جلدوں میں علامہ سید احمد دحلان کی خواہش پر کتاب لکھی۔

---

[1] ان کا نام محمد احسن بھی لکھا گیا ہے۔

۴۰- مولانا قلندر بخش پانی پتی-

۴۱- مولانا سید علی[1] سہسوانی-

۴۲- مولانا محمد احسن گیلانی بن شجاعت علی واسطی (جد مولانا مناظر احسن گیلانی) (۱۲۱۲ھ-۱۳۰۱ھ)

۴۳- مولانا ابو احمد مراد علی، استاد قاضی ظفر الدین لاہوری-

۴۴- مولوی سراج الدین بجنوری ثم لکھنوی-

۴۵- مولوی لطف علی راج گیری (بہاری)

۴۶- مولوی حکیم میر سید دائم علی عظیم آبادی ثم ٹونکی-

4.4- تالیفات:

علامہ فضل حق خیر آبادی کی زیادہ تر تصانیف غیر مطبوعہ ہیں اور مرور زمانہ کے باعث ضائع ہونے کے قریب ہیں خصوصاً علامہ کے ہاتھ کے تحریر کردہ نسخے اپنی قدامت کے باعث زیادہ بری حالت میں ہیں- علامہ کے رسم الخط کے ضمن میں یہ خیال رہے کہ علامہ شکستہ خط نستعلیق کے علاوہ شستہ خط نستعلیق میں بھی لکھا کرتے تھے- انکی بیاض ان ہر دو کی نمائندگی کرتی نظر آتی ہے- چنانچہ شستہ خط کے آخر میں "نمقہ العبد الفقیر محمد فضل حق ---" کے الفاظ اسی بات کی دلیل ہیں-[2] اس کے علاوہ بیاض میں موجود بعض خطوط اور قصائد کا آغاز تو شستہ خط میں ہے مگر وہ آگے چل کر شستہ و شکستہ خط کی ملی جلی صورت سے گزرتے گزرتے مکمل شکستہ خط میں ہیں-[3] اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ہر دو خطوط جانتے تھے گو زیادہ تر شکستہ ہی میں لکھتے تھے-

---

[1] سید علی یا سید یا دعلی نام تھا-

[2] شستہ خط کا عکس باب نمبر ۶ میں ص: ۳۶۹ تا ۳۷۲ پر ملاحظہ کیجئے-

[3] نمونہ باب نمبر ۶ میں ص: ۳۷۷ تا ۳۸۴ پر ملاحظہ کیجئے-

علامہ کی درج ذیل تالیفات مطبوعہ ہیں:

۱- **حاشیہ شرح سلم العلوم، للقاضی مبارک گوپاموی**- بزبان عربی در علم منطق

سلم العلوم ملا محب اللہ بہاری کی تالیف ہے- اسکی بہت سی شروح ہیں- سب سے مشہور شرح قاضی مبارک گوپاموی کی ہے-

علامہ کا دور کتابوں کے حواشی لکھنے کا دور تھا- حاشیہ سے صرف متن کی تشریح و تفسیر رفع اشکالات، تفصیل اجمال، توضیح مبہم ہی مقصود نہیں ہوتی تھی، بلکہ محشی جگہ جگہ مولف و شارح سے اختلاف اور اس کے اقوال کی تردید و تصحیح بھی کرتا تھا- یہی وجہ ہے کہ ہم علامہ کو شرح سلم العلوم کے اس حاشیے میں بہت سے مقامات پر فارابی و ابن سینا سے اختلاف کرتے اور انکے اقوال کی تردید و تغلیط کرتے ہوئے بھی پاتے ہیں-

ہمعصر مولوی کریم الدین پانی پتی کہتے ہیں: یہ حاشیہ میں نے بھی مولوی نور الحق صاحب کے پاس دیکھا تھا بہت اچھا ہے- تفصیل اور تطویل بہت ہے باعث اسکا تبحر اور ملکہ اور استعداد مصنف مذکور کا ہے-[۱]

علامہ کے اس حاشیے کو بجا طور پر مسائل منطق کا انسائیکلو پیڈیا اور علوم عقلیہ کا فتاوی کہا جاتا ہے-

یہ حاشیہ علامہ کی مایہ ناز تصنیف ہے- جزائر انڈیمان میں جلاوطنی کے زمانے میں علامہ سے کسی نے دریافت کیا کہ مولانا آپ ہندوستان میں کیا یادگار چھوڑ آئے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ "دو یادگاریں چھوڑی ہیں- " ایک فرزند عبدالحق ہیں اور دوسری یادگار قاضی کا حاشیہ-"[۲]

---

[۱] تذکرہ فرائد الدہر، ص: ۴۰۷

[۲] باغی ہندوستان، ص: ۲۹۷، ۲۹۸

اس حاشیہ کا قلمی نسخہ رامپور لائبریری میں ۴۴۰، اور بانکی پور مکتبہ میں ۲۳۱۷ اور ۲۳۱۵ کے نمبر پر محفوظ ہے۔ یہ کتاب پہلی بار مصلح المطابع دہلی سے ربیع الاول ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء میں چھپی، یہ ۴۸۷ صفحات پر مشتمل کتاب تھی۔ اور دوسری مرتبہ ۲۸ رجب ۱۳۹۵ھ / ۱۸ اگست ۱۹۷۵ء میں دار العلوم ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف ضلع سرگودھا سے چھپی۔

۲۔ **الروض المجود فی تحقیق وحدۃ الوجود**: بزبان عربی در تصوف۔

علامہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ رسالہ ائمہ کشف و شہود کے موقف کے اثبات میں بغیر سعی بسیار کے بڑی عجلت میں لکھا ہے۔

جبکہ علامہ محمد اقبال کے کلام کے شارح اور مبصر پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے لکھا ہے کہ "علامہ خیر آبادی کے دلائل دیکھ کر میں بھی وحدۃ الوجود کا قائل ہو گیا ہوں۔"[1]

والد ابوالکلام آزاد، مولانا خیر الدین دہلوی کہتے ہیں: علامہ کی وحدت الوجود پر تقریر اس قدر مشہور ہوئی کہ دور سے اہلِ علم اسکے سننے کیلئے آتے تھے۔[2]

اسکا قلمی نسخہ رامپور لائبریری میں ۳۹۴ کے نمبر سے محفوظ ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۳۱۲ھ میں مطبع مفید الاسلام حیدر آباد دکن سے طبع ہوئی۔ دوسری مرتبہ مکتبہ سمنانی ہند سے طبع ہوئی۔ تیسری مرتبہ مکتبہ قادریہ لاہور سے حکیم سید محمود احمد برکاتی کے اردو ترجمے اور علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری کے عربی زبان میں تعارفِ کتاب کے ساتھ طبع ہوئی۔

۳۔ **تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی**: بزبان فارسی در علم الکلام

یہ کتاب علامہ نے ۱۸ رمضان المبارک ۱۲۴۰ھ میں شاہ اسماعیل دہلوی کی مشہور کتاب تقویۃ الایمان کے رد میں لکھی جو ۱۵ محرم ۱۲۴۰ھ کو لکھی گئی تھی۔ علامہ محمد فضل حق خیر

---

[1] باغی ہندوستان، ص: ۳۰۷

[2] بہادر شاہ ظفر اور انکا عہد، ص: ۸۶۹

آبادی ہی وہ عالم دین ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اس کتاب کا رد کیا ہے[1] اور اس میں مسئلہ امکان وامتناع نظیر النبی اور مسئلہ شفاعت پر بحث کی۔

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا اور مکتبہ قادریہ لاہور نے اس ترجمے کو مع متن فارسی کے ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں شائع کیا۔ پھر دائرۃ المعارف الامجدیہ، گھوسی نے صرف اردو ترجمہ شائع کیا۔ تیسری مرتبہ المجمع الاسلامی مبارکپور انڈیا نے بھی ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء میں اسکا اردو ترجمہ شائع کیا، اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی اکیڈمی بندیال ضلع سرگودھا نے ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء میں اسی ترجمہ کو شفاعتِ مصطفیٰ کے نام سے چوتھی مرتبہ شائع کیا، جبکہ پانچویں مرتبہ الممتاز پبلی کیشنز، لاہور سے عنقریب شائع ہو رہی ہے۔

۴۔ امتناع النظیر: بزبان فارسی در علم الکلام

مولوی حیدر علی رامپوری وٹونکی نے ایک عرصے بعد مسئلہ امتناع النظیر پر شاہ اسماعیل دہلوی کی تائید میں غیر عالمانہ اور ناشائستہ انداز میں قلم اٹھایا اور علامہ محمد فضل حق کی تصنیف ''تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی'' کے مقامِ ثانی کا رد لکھا جو کہ مسئلہ امتناع النظیر پر ''تقویۃ الایمان'' کی عبارات کے رد پر مشتمل ہے۔

اپنے اعتراضات میں مولوی حیدر علی رامپوری نے مولوی اسماعیل دہلوی کی حمایت میں یہ شعر بھی لکھا:

اَتَهْجُوْ عَالِماً بَرّاً تَقِيّاً   وَعِنْدَ اللّٰهِ فِيْ ذَاكَ انْتِقَامُ

جس پر علامہ محمد فضل حق نے فی البدیہہ ایک سو چودہ (۱۱۴) اشعار پر مشتمل مولوی حیدر رامپوری اور مولوی اسماعیل دہلوی کی ہجو کہی جسکا مطلع یہ ہے:

كَلَامِيْ فِيْ حَشَا الْعَادِيْ كِلَامُ   نَوَافِذُ مَا لَهُ مِنْهَا الْتِيَامُ

اور مذکورہ بالا شعر کے جواب میں کہا:

---

[1] تفصیل کیلئے اگلے صفحات میں ''مسئلہ امتناع النظیر'' دیکھئے۔

أَتَـمْـدَحُ جَـاهِلًا شَـرًّا شَقِيًا | تَـدَارَكَــهُ مِنَ اللّٰـهِ انْتِقَامُ
أَضَـاعَ الْـعُـمْـرَ فِيْ عَوْمٍ وَنَوْمٍ | وَلَـمْ يَكُ مِـنْـهُ بِالْعِلْمِ اهْتِمَامُ
فَـلَـمْ يَـحْصُلْ لَهُ صَرْفٌ وَنَحْوٌ | وَلَا عِـلْـمُ الْأُصُوْلِ وَلَا الْكَلَامُ

علامہ کے ایک شاگرد (غالباً محمد ہدایت اللہ خان جونپوری) نے ''امتناع النظیر'' میں یہ قصیدہ، تحقیق الفتوی کے مقام ثانی کی عبارات اور مولوی حیدر علی رامپوری کے جوابات کو مرتب کیا اور ساتھ ہی مولوی رامپوری کی ذہنی سطح اور علمی معیار پر تنقید کرتے ہوئے مسئلہ امتناع النظیر کی شرح بھی کر دی۔

اس کتاب کا قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے مکتبہ حبیب گنج میں محفوظ ہے۔ علامہ کے ایک شاگرد مولانا ہدایت اللہ جونپوری کے ایک شاگرد سید سلیمان اشرف بہاری نے اسکی تحقیق کے بعد ۲۰ راگست ۱۹۰۸ء میں جادو پریس جونپور سے طبع کروایا۔ عرصہ دراز سے یہ بالکل نایاب تھی۔ اب رمضان، ۱۴۲۰ھ / دسمبر ۱۹۹۹ء میں مرکز تحقیقاتِ اسلامیہ، شادمان لاہور نے دوبارہ طبع کی ہے۔

۵۔ **تقریر اعتراضات بر رسالہ تقویت الایمان**: بزبان فارسی در علم الکلام

چند صفحات میں یہ رسالہ ان اعتراضات پر مشتمل ہے جو علامہ فضل حق خیر آبادی نے تقویۃ الایمان پر فوری تحریر کیے تھے۔ اصل تحریر کراچی کے رئیس الاطباء حکیم نصیر الدین (مرحوم[1]) کی ملکیت تھی۔ اس کا اردو ترجمہ علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نے کیا اور یہ پہلی بار ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی اکیڈمی بندیال ضلع سرگودھا سے، تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی کے اردو ترجمے شفاعتِ مصطفیٰ کے آخر میں مع فارسی متن شامل اشاعت ہوا۔[2]

---

[1] حکیم صاحب ۲۵ نومبر ۱۹۹۸ء کو انتقال ہوا۔
[2] دیکھئے شفاعت مصطفیٰ ص ۴۳۹ تا ۴۵۲

۶- ہدیہ سعیدیہ: بزبان عربی در علم طبیعیات (فزکس)

ہدیہ سعیدیہ علم طبیعیات میں ایک بنیادی کتاب ہے- علامہ نے اسکا انتساب والی رام پور نواب محمد سعید خان اور ان کے بیٹے نواب یوسف علی خان کے نام کیا ہے، غالباً یہی وجہ تسمیہ بھی ہے-

اس کتاب میں ایک مقدمہ اور تین اقسام (حصے) ہیں- مقدمے میں علامہ نے طبیعیات کے ان مسائل پر بحث کی ہے جو فلسفہ کے اعلیٰ ترین مباحث سے متعلق ہیں-

پہلے حصے میں جسکو کئی ذیلی شاخوں میں تقسیم کیا گیا ہے، خصائص الاجسام پر بات کی گئی ہے، جبکہ دوسرے حصے میں اجرام سماوی یعنی فلکیات پر بحث ہے، یہ حصہ بھی ذیلی شاخوں میں منقسم ہے اور تیسرے حصے میں عنصریات پر بحث ہے- اس میں طبیعیات کی باقی ماندہ شاخیں زیر بحث آئی ہیں-

علامہ فضل حق خیر آبادی نے زمین کے ساکن ہونے پر ایک مستقل رسالہ لکھنے کے علاوہ اس کتاب میں بھی اس کا ذکر کیا ہے- اس کے بعد چاروں عناصر کی باہم تبدیل پذیری اور باہم تحلیل پر بحث کی ہے-

پھر دھواں، بخارات، ابر، بارش، اولے، گرج، بجلی، شہابِ ثاقب، قوسِ قزح، ہالہ اور آندھی وغیرہ پر بحث کی ہے- ان مباحث کے بعد معدنیات کی بحث ہے اور پھر نبا[تات] ور حیوانات کا بیان ہے- آخر میں علمِ نفسیات پر کچھ بحث ہے-

علامہ کے فرزند مولانا عبدالحق خیر آبادی نے ہدیۃ الھدیہ کے نام سے اس کتاب کا تکملہ لکھا اور مبحثِ نفس کو مکمل کیا- علامہ کے ایک اور شاگرد مولوی عبداللہ بلگرامی نے تحفہ علیّہ کے نام سے اسکا حاشیہ لکھا-

مفتی سعد اللہ مراد آبادی (ف ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء) نے ہدیہ سعیدیہ پر بعض اعتراضات کیے تھے، جسکے جواب میں علامہ کے ایک اور شاگرد مولوی سلطان حسن خان بریلوی نے ایک رسالہ لکھا- جو انہیں دنوں علامہ کی حیات ہی میں چھپ گیا تھا- بعد میں

ہدیہ سعیدیہ کے ساتھ شامل اشاعت ہوا۔ ڈاکٹر ایوب قادری اپنے مقالے ''مولانا فضل حق خیر آبادی، دورِ ملازمت'' میں لکھتے ہیں: ''یہ رسالہ مولانا فضل حق کی نظر سے گزرا ہے اور انہوں نے اپنے ایک خط مورخہ ۱۰ ذی قعدہ ۱۲۶۵ھ بنام مفتی حسن بریلوی میں اسکا ذکر کیا ہے، اور مولانا فضل حق کا یہ خط (خطی صورت میں) نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی میں محفوظ ہے۔''[1]

یونہی ایک اہل حدیث عالم شمس العلماء مولوی امیر احمد سہسوانی نے علامہ کی اس کتاب الھدیہ السعیدیہ وغیرہ پر دس اعتراضات ''تلک عشرۃ کاملۃ'' کے نام سے ایک رسالے میں لکھے تھے اور مولوی سید محمد نذیر نے رامپور میں یہ رسالہ طبع کروایا تھا۔ مگر مرزا حیرت نے غلط بیانی کی اور لکھا: ''مولانا فضل حق کی نظم ونثر پر مولوی امیر احمد صاحب مرحوم نے تیرہ سو اعتراضات کیے تھے اور مولانا سید احمد رامپوری نے ان تیرہ سو اعتراضات کو ایک رسالے کی صورت میں مرتب کر کے اسکا نام ''تیرہ صدی'' رکھا تھا۔[2]

ڈاکٹر زبید احمد نے اس کتاب کا تفصیلی تعارف[3] کرواتے ہوئے لکھا ہے: ''یہ تصنیف طبیعیات کی ان نصابی کتب کا ایک عمدہ نمونہ ہے، جنکی اساس ارسطا طلیسی فلسفہ ہے۔''

رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں: ''ہدیہ سعیدیہ محض ایک فنی کتاب ہے لیکن اسکی ایک ایک سطر مولانا کے ذوق ادب کی تصویر ہے۔ فقرے سانچے میں ڈھلے ہوئے نکلتے ہیں، الفاظ موتی کی طرح اپنی چمک دمک دکھاتے ہیں، اندازِ بیان کی فصاحت و بلاغت یہ محسوس بھی نہیں ہونے دیتی کہ ہم فلسفہ کے خارستان میں بادیہ پیمائی کر رہے ہیں، بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چمنستان ادب اور حدیقۂ معنی کے گلگشت میں مصروف ہیں۔[4]

---

[1] مجموعہ مقالات از ''افضل قریشی''، ص:۴۹

[2] دیکھئے فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون، ص:۱۱۷

[3] ملاحظہ ہو، ''عربی ادبیات میں برصغیر پاک وہند کا حصہ'' از ڈاکٹر زبید احمد (ترجمہ شاہد حسین رزاقی)، ص:۱۵۰-۱۵۶

[4] ملاحظہ کیجئے، بہادر شاہ ظفر اور انکا عہد، ص:۸۷۰

یہ کتاب کئی بار طبع ہوئی - ۱۲۸۳ھ میں مطبع صدیقی بریلی سے اور ۱۲۸۸ھ اور ۱۲۹۲ھ میں کانپور سے چھپی - جبکہ ۱۳۲۸ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے تکملہ، تحشیہ اور سلطان حسن بریلوی کے جوابی رسالہ[1] کے ساتھ طبع ہوئی، اور بعد میں بھی ہوتی رہی -

یہ کتاب مصر سے بھی طبع ہوئی اور بیسویں صدی کے آغاز میں وہاں جامع ازہر میں پڑھائی بھی جاتی تھی[2] یونہی پاکستان کے دینی مدارس میں ابھی تک داخل نصاب ہے -

اس کا قلمی نسخہ مکتبہ رام پور میں ۴۰۵ کے نمبر سے اور بانکی پور میں ۲۴۰۳، کے نمبر سے اور آصفیہ کتبخانہ میں ۱۲۱۶/۲ کے نمبر سے محفوظ ہے -

۷- **الثورۃ الھندیہ**: بزبان عربی در تاریخ

یہ کتاب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا آغاز سے اختتام تک کا آنکھوں دیکھا حال اور تنقیدی جائزہ ہے اس کے علاوہ برصغیر کے عربی ادب کا اعلیٰ نمونہ ہے - علامہ نے یہ کتاب جنگ آزادی کے بعد جزائر انڈیمان میں اپنی جلاوطنی کے زمانے میں لکھی اور اس کے ساتھ اسی موضوع پر عربی زبان میں تین قصیدے بھی لکھے - مولانا عنایت احمد کاکوروی جب انڈیمان سے رہا ہو کر واپس ہندوستان آئے تو یہ سب کچھ علامہ نے ان کے ہاتھ اپنے بیٹے مولانا عبدالحق خیر آبادی کو بھجوا دیا -

یہ کتاب ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی پر پہلی کتاب تھی مگر انگریزی حکومت کے خوف سے کسی کو چھپوانے کی جرأت نہیں ہوئی - تقریباً ایک صدی بعد مولانا عبدالشاہد خان شروانی نے دو قصائد اور الثورۃ الھندیہ کا اردو ترجمہ کیا، اور پھر علامہ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ایک مبسوط مقدمے کے ساتھ ۱۹۴۷ء میں مدینہ پریس بجنور سے ''باغی ہندوستان'' کے نام سے طبع کروایا -

---

[1] یہ رسالہ اس ایڈیشن میں ص: ۲۴۳ تا ۲۸ پر ہے -

[2] باغی ہندوستان، ص: ۳۰۷

رئیس احمد جعفری نے اپنی کتاب ''بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد'' میں ان قصائد اور کتاب کے ترجمے کو شامل کیا- پھر جناب غلام مہر علی نے الثورۃ الہندیہ کے ترجمے کو اپنی کتاب ''دیوبندی مذہب'' میں شائع کیا- پھر غلام مہر علی گولڑوی نے ''الیواقیت المہریہ'' کے نام سے الثورۃ الہندیہ پر عربی میں حاشیہ لکھا اور ۱۹۶۴ء میں اسے شائع کروایا-

''باغی ہندوستان'' یعنی الثورۃ الہندیہ کا اردو ترجمہ دوسری بار لاہور سے رمضان ۱۳۹۴ھ/اکتوبر ۱۹۷۴ء میں، اور تیسری مرتبہ بھی لاہور سے رمضان ۱۳۹۸ھ/اگست ۱۹۷۸ء میں اور چوتھی مرتبہ المجمع الاسلامی مبارکپور انڈیا سے ذی قعدہ ۱۴۰۵ھ/اگست ۱۹۸۵ء میں چھپا-

اس چوتھی طبع میں مترجم نے علامہ کے مقدمہ بغاوت کی تفاصیل اور علامہ کے مخالفین کے اعتراضات کے مدلل رد کا اضافہ کیا ہے-

باغی ہندوستان کی پانچویں بار اشاعت جمادی الآخری [illegible]ھ/نومبر ۱۹۹[illegible]ء کو المتاز پبلی کیشنز، لاہور سے ہوئی-

جبکہ ڈاکٹر سید معین الحق نے الثورۃ الہندیہ کا "The Story of the War of Independence," کے نام سے انگریزی میں ترجمہ کیا، جسے پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی نے اپنے جرنل کی جلد پنجم، جزء نمبر 1 میں شائع کیا اور علیحدہ بھی شائع ہوا-

۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں خواتین کالج انوار العلوم حیدرآباد کی لیکچرار محترمہ قمر النساء بیگم نے ''الثورۃ الہندیہ'' کو بطور مقالہ ڈاکٹریٹ ایڈٹ کیا اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے ڈاکٹر محمد عبدالستار خان کی نگرانی میں مقالہ مکمل کرکے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی-

---

[1] علامہ نے اس تصنیف کا کوئی نام نہ رکھا تھا، پہلے یہ ''رسالہ غدریہ'' کے نام سے مشہور رہا، پھر ''الثورۃ الہندیہ'' ہے-

مکتبہ قادریہ، لاہور نے رمضان ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء میں اس مقالے کو طبع کیا اور اسکے آخر میں علامہ کے عربی قصائد اور خطوط پر مشتمل ایک نامکمل بیاض کے قلمی نسخے کی نقل بھی طبع کی۔

الثورۃ الھندیہ کا قلمی نسخہ علیگڑھ یونیورسٹی کی لائبریری میں ۱۳۶ کے نمبر سے محفوظ ہے۔[1]

علامہ کی غیر مطبوعہ تالیفات درج ذیل ہیں:

۸۔ **حاشیۃ الافق المبین**: بزبان عربی در منطق

یہ علم منطق میں سید باقر داماد کی تصنیف پر حاشیہ ہے، اس کا قلمی نسخہ علامہ کے ہاتھ کا علیگڑھ یونیورسٹی میں ۱۶۰/۸۵ کے نمبر سے مولانا آزاد لائبریری، سبحان اللہ کلیکشن لٹن لائبریری میں محفوظ ہے، یہ نسخہ آخر سے ناقص ہے۔

اس کا ایک اور نسخہ شیخ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ تعالٰی کے کتب خانے میں ہے اسکا خط کافی صاف ہے اسکی ایک نقل علامہ عبدالحکیم شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کے پاس بھی ہے۔

۹۔ **حاشیہ تلخیص الشفا**: بزبان عربی در فلسفہ

ابن سینا کی تصنیف الشفا کی، مولانا فضل امام خیرآبادی نے تلخیص لکھی، اسی تلخیص پر علامہ فضل حق نے حاشیہ لکھا، ہدیہ سعیدیہ کے صفحہ نمبر ۱۹ میں علامہ اس حاشیے کا ذکر کرتے

---

[1] خیال رہے کہ جناب نادم سیتاپوری نے اپنی کتاب ''غالب نام آورم'' میں ص: ۱۲۳، ۱۲۴ ''پر الثورۃ الھندیہ اور قصائد فتنۃ الھند کے متعلق لکھا ہے ''انکی صحت یقیناً مشکوک ہو جاتی ہے اور یہ کہ انگریزی حکومت کے خوف سے ان کتابوں میں کچھ نہ کچھ تحریف ضرور کی گئی'' ڈاکٹر ایوب قادری نے اپنے مضمون ''جزائر انڈیمان ونکوبار میں مسلمانوں کی علمی خدمات'' ص: ۶۲ تا ۶۵ (شائع شدہ در سہ ماہی ''اردو'' کراچی جنوری ۱۹۶۸ء) میں اس اعتراض کو بلا دلیل اور محض ظن و تخمین قرار دیکر رد کر دیا ہے اور اسکی صحت پر بہت سے دلائل دیے ہیں۔ یونہی جناب محمد عبدالشاہد شروانی نے بھی اسکا رد کیا ہے۔ دیکھئے ''باغی ہندوستان'' ص: ۲۷۹ تا ۲۸۱

ہوئے لکھتے ہیں: "مسائل حکمیہ کے متعلق ہماری ذاتی تحقیق حواشی تلخیص الشفا میں ہے" اسکے کسی نسخے کا ذکر نظر سے نہیں گزرا۔

۱۰- **الجنس الغالی فی شرح الجوھر العالی**: در فلسفہ وحکمت الٰہیہ

معاصر تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا ہے۔ کسی نسخہ کا مقام معلوم نہیں ہو سکا۔

۱۱- **رسالہ تشکیک الماھیات**: بزبان فارسی در علم منطق

اسکا قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں ہے۔

۱۲- **رسالہ فی تحقیق الکلی الطبیعی**: بزبان عربی در علم منطق

یہ رسالہ باریک قلم سے پچیس صفحات پر تھا، اسکے کسی نسخے کے مقام کا علم نہیں ہو سکا مگر باغی ہندوستان میں اسکے آغاز کی عبارت نقل کی گئی ہے:

"اعلم أنه قد استمرّ الخلاف بين الأسلاف والأخلاف من الحكماء فى أمر الكلى الطبعى، فذهب الجمهور إلى أن الكليات التى هى الأنواع أو ذاتيات للموجودات الخارجية كالإنسان والحيوان واللون والبياض موجودات فى الخارج بالذات بعين وجودات أفرادها، والكليات التى هى عرضيات صادقة على الموجودات الخارجية كالكاتب والماشى موجودة بوجود ما يصدق هى عليه بالعرض۔"[1]

۱۳- **رسالہ فی تحقیق العلم والمعلوم**: بزبان عربی در علم منطق

اسکا قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں ۳۹۲ کے فہرست نمبر سے محفوظ ہے۔

۱۴- **رسالہ قاطیغوریاس**: بزبان عربی در علم منطق

اس میں جوہر وعرض کی بحث ہے، یہ ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ رضا لائبریری

---

[1] باغی ہندوستان، ص: ۳۰۸

رام پور میں محفوظ ہے۔

۱۵- رسالہ فی تحقیق حقیقۃ الاجسام:

اسکے کسی مخطوطے کا ذکر تو نہیں مل سکا۔ البتہ "ہدیہ سعیدیہ" کے صفحہ نمبر ۱۹ پر علامہ نے اس رسالے کا ذکر کیا ہے: وللقوم فی هذا المقام أقوال قد فرغنا من إبطالها فی حواشینا علی تلخیص الشفاء، ورسالتنا المعقودة فی تحقیق حقیقة الأجسام۔

۱۶- رسالہ الٰہیات:

ڈاکٹر قمر النساء نے اپنے مقالے میں اسکا ذکر کیا ہے[۱] ان سے پہلے رئیس احمد جعفری نے ذکر کیا ہے۔[۲] مگر ہر دو نے اس کی کوئی تفصیل نہیں دی۔

۱۷- الرسالہ فی رد علی القائلین بحرکۃ الارض:

اسکا ایک نسخہ برلن لائبریری میں فہرست نمبر ۵۱۱۴ سے محفوظ ہے۔[۳]

۱۸- عربی شاعری:

علامہ فضل حق خیر آبادی کا عربی کلام چار ہزار سے زائد اشعار پر مشتمل ہے۔ ابھی تک دیوان مرتب نہیں ہوا۔ اس کلام کے درج ذیل مجموعے دسترس زمانہ سے محفوظ ہیں۔

(۱) نامکمل بیاض: علامہ کے کلام کا یہ مجموعہ علامہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے بعض عربی خطوط اور قصائد پر مشتمل ہے، اس میں ایک ہزار ستاون (۱۰۵۷) اشعار ہیں۔ یہ بیاض اب حکیم سید محمود احمد برکاتی (کراچی) کی ذاتی لائبریری میں ہے۔ اس بیاض کے

---

[۱] العلامہ فضل حق الخیر آبادی، ص: ۱۶۵

[۲] بہادر شاہ ظفر اور انکا عہد، ص: ۸۵۶

[۳] ڈاکٹر جمیل احمد نے تصانیف کے ضمن میں الکافی لحل ایساغوجی بھی ذکر کی ہے جبکہ وہ علامہ فضل حق رام پوری کی شرح ہے، دیکھیے انکی کتاب "حرکۃ التالیف باللغۃ العربیہ، ص: ۱۹۴، یونہی ص: ۱۹۳ "فضل التحیات فی مسالۃ الصفات" مطبوعہ رامپور ۱۳۲۸ھ کو علامہ کی تصانیف میں سر فہرست رکھا ہے جبکہ ہم عصر تذکروں میں اس نام کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں ملتا۔

قصائد کی ایک نقل کراچی کے مولانا ناظم ندوی مرحوم[1] (سابق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور) نے حکیم سید محمود احمد برکاتی کی خواہش پر کی۔ امتدادِ زمانہ کے باعث بیاض کرم خوردگی اور بوسیدگی سے دوچار ہے اور بعض قصائد کو انکے دقیق و شکستہ خط کے باعث پڑھنا انتہائی دشوار ہے غالباً اسی لئے مولانا ناظم ندوی نے غیر واضح اشعار نقل نہیں کیے۔ بیاض کی یہ نقل بہت مفید ہے اور حکیم محمود احمد برکاتی صاحب کے پاس محفوظ ہے۔

(۲) علامہ کے عربی کلام کا ایک مجموعہ علامہ کے دو تلامذہ جناب جمیل احمد بلگرامی اور مفتی سلطان حسن بریلوی نے تیار کیا، اور معانی کی شرح کی۔[2] غالباً یہی مجموعہ سید جمیل الدین احمد قادری، ممبئی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس میں سترہ اٹھارہ قصائد ہیں۔[3]

(۳) علامہ کے ان عربی قصائد کا ایک اور مجموعہ صاحب نزھۃ الخواطر جناب عبدالحی کے حکم پر انکے بیٹے عبدالعلی نے اکٹھا کیا۔[4] مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں محفوظ علامہ کا عربی کلام غالباً انہیں کا اکٹھا کیا ہوا ہے۔[5] مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں سولہ قصائد پر مشتمل دو مجموعے ہیں، جن میں اٹھارہ سو تراسی (۱۸۸۳) اشعار ہیں۔

(۴) جزائر انڈیمان میں جلاوطنی کے زمانے میں علامہ نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے متعلق تین قصائد کہے، یہ "قصائدِ فتنۃ الھند" کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ بھی مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے قصیدہ ھمزیہ اور دالیہ باغی ہندوستان میں طبع ہوئے اور قصیدہ نونیہ علیگڑھ والے مجموعہ میں شامل ہے۔

(۵) رضا لائبریری رامپور میں بھی ایک مجموعہ محفوظ ہے جس کا نمبر ۴۴۱۴ ہے اور یہ ۱۳۴۳ھ کا تحریر کردہ ہے۔ غالباً ۱۸x۲۷ سائز کے چوالیس (۴۴) صفحات پر مشتمل ہے۔

---

[1] مولانا ۱۹ رجون ۲۰۰۰ء کو انتقال کر گئے۔

[2] ابجد العلوم، ص: ۲۵۴، نزھۃ الخواطر، ص: ۷/۳۷۶، غالب نام آورم، ص: ۱۲۳

[3] غالب نام آورم، ص: ۱۲۳

[4] نزھۃ الخواطر، ص: ۷/۳۷۶

[5] صاحب نزھۃ الخواطر کا دیا ہوا نمونہ کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے۔

(۶) مولوی شاہ ولایت احمد لاہر پوری کے کتب خانے میں دو بیاضوں کا ذکر ملتا ہے۔

(۷) کتب خانہ مفتیانِ گوپا موی میں بھی کچھ کلام اصل مسودہ کے ساتھ موجود ہونے کا ذکر ملتا ہے۔[۱]

4.5- مسئلہ امتناع النظیر

علامہ کا ایک عظیم کارنامہ ''مسئلہ امتناع نظیر النبی ﷺ'' سے ان کا اعتنا ہے۔ جسکی تفصیل کچھ یوں ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی، شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ دہلوی کے بیٹے تھے، یہ برصغیر میں وہابی تحریک کے قائد اول تھے۔ انکی ایک اور وجہ شہرت انکی تحریک جہاد تھی۔ یہ تحریک جہاد انہوں نے اپنے مرشد سید احمد بریلوی کے ساتھ صوبہ سرحد میں سرحدی مسلمانوں[۲] اور سکھوں کے خلاف شروع کی۔ جس کا اختتام ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء میں قلعہ بالاکوٹ کے معرکہ پر ہوا۔ جس میں وہ اپنے مرشد کے ہمراہ مارے گئے، مگر یہ بات ابھی تشنۂ تحقیق ہے کہ وہ کسی سکھ کے ہاتھوں مارے گئے یا کسی سرحدی پٹھان مسلمان کے ہاتھوں ہمعصر مؤرخ سرسید احمد خان کی تحریر سے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جانے کا اشارہ ملتا ہے، وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس تحریک جہاد کی ناکامی کی وجہ انکا تشدد اور تحریک وہابیت تھی۔[۳]

---

[۱] نادم سیتاپوری کے مطابق اس کتب خانے کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا۔ غالب نام آورم، ص: ۱۱۲

[۲] شاہ اسماعیل کے ایک بڑے معتقد پیروکار رشید احمد گنگوہی بیان کرتے ہیں: ''سید صاحب (سید احمد بریلوی) نے پہلا جہاد یار محمد خان حاکم یاغستان سے کیا تھا'' دیکھئے تذکرۃ الرشید، ص: ۲۷۰/۲، جبکہ مقامی ماخذ ''تاریخ تناولیاں'' از سید مراد علی، ص: ۴۹ پر ہے خلیفہ سید احمد سرگروہ وہابیان نے یار محمد خان حاکم پشاور دوہاٹ برادر دوست محمد خان والی کابل کو بہ پشت گری لشکر غازیان شکست دی۔

[۳] سرسید لکھتے ہیں: ''چنانچہ ۱۸۲۴ء میں وہابیوں نے پہاڑیوں میں جا کر قیام کیا اور انہوں نے اس بات کا قصد کیا کہ سکھوں پر ہم لوگ جہاد کریں اور شہید ہوں لیکن چونکہ پہاڑی قوم میں انکے عقائد کے مخالف تھیں اسلیے وہ وہابی ان پہاڑیوں کو ہرگز اس بات پر راضی نہ کر سکے کہ وہ انکے مسائل کو بھی اچھا سمجھتے، مگر البتہ چونکہ وہ سکھوں کے جور و ستم سے نہایت تنگ تھے اس سبب سے وہابیوں کے اس منصوبے میں بھی شریک ہو گئے کہ سکھوں پر حملہ کیا جاوے اور آخر کار وہابیوں اور پہاڑیوں نے متفق ہو کر سکھوں پر حملہ بھی کیا لیکن چونکہ یہ قوم مذہبی مخالفت میں نہایت سخت ہے اس سبب سے اس قوم نے اخیر میں وہابیوں سے دغا کر کے سکھوں سے اتفاق کر لیا اور مولوی محمد اسماعیل صاحب اور سید احمد صاحب کو شہید کیا۔''
ملاحظہ کیجئے: مقالات سرسید احمد خان، حصہ نہم، ص: ۱۳۹-۱۴۰

اس وہابی تحریک کا آغاز شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' سے ہوا جو ۱۵ محرم ۱۲۴۰ھ کو لکھی گئی۔ ڈاکٹر ایوب قادری لکھتے ہیں کہ ''وہ امام ابن تیمیہ اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی سے متاثر تھے، تو انہوں نے کتاب التوحید کے انداز پر تقویۃ الایمان'' لکھی۔[1]

جبکہ حکیم برکاتی لکھتے ہیں: ''یہ کتاب ایک حد تک محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید کی اردو ترجمانی تھی، جزوی اختلافات کے ساتھ۔''[2]

اس کتاب کے اکثر مندرجات برصغیر کے غالب مسلمانوں کے مذہبی عقائد و خیالات سے متصادم تھے۔ چنانچہ تقویۃ الایمان کے خلاف گہرا ردعمل ہوا اور اس کو ''تفویت الایمان'' کہا گیا۔[3]

اس کتاب کا لہجہ سخت اور بعض جگہ غیر محتاط عبارتیں ہیں جن سے شفاعت کا انکار اور امکانِ نظیر کی تائید ہوتی ہے۔ جیسا کہ شاہ اسماعیل دہلوی نے خود اعتراف کیا: ''میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آ گئے ہیں، اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے، مثلاً ان امور کو جو شرکِ خفی ہیں، شرکِ جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اسکی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔''[4]

اس کتاب ردالاشراک میں شاہ صاحب، شفاعتِ وجاہت کے انکار میں یہاں تک لکھ گئے: ''اس شہنشاہ (باری تعالیٰ) کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکمِ کن سے چاہے تو کروڑوں نبی و جن، فرشتے، جبرائیل اور محمد ﷺ کے برابر پیدا کر ڈالے''[5] نعوذ باللہ من ذلک۔

---

[1] دیکھئے مجموعہ مقالات از افضل قریشی، ص:۲۶-۲۷

[2] دیکھئے حکیم سید محمود احمد برکاتی کی کتاب ''سفر اور تلاش''، ص:۵۶

[3] ڈاکٹر ریاض مجید، دیکھئے انکا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ''اردو میں نعت گوئی'' ص:۳۰۲

[4] دیکھئے سیرت سید احمد شہید از مولانا ابوالحسن علی ندوی، ص:۳۵۴، ۳۵۵

[5] دیکھئے تقویت الایمان از شاہ اسماعیل دہلوی، ص:۳۹

یعنی شاہ اسماعیل دہلوی نے خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے کروڑوں مثیل و نظیر ممکن بتائے۔اس پر علامہ فضل حق خیر آبادی اور دیگر علمائے اعلام نے (جن کا ذکر آگے آرہا ہے) تصنیف و تالیف کے ذریعے تردید کی، مگر پہل علامہ نے ہی کی۔ چنانچہ انہوں نے چند صفحات کا ایک رسالہ ''تقریر اعتراضات بر تقویۃ الایمان'' لکھ کر تقویت کی عبارات کا تعاقب کیا۔شاہ اسماعیل دہلوی نے اسکے جواب میں ایک رسالہ ''یک روزی'' لکھا۔ پھر علامہ نے ایک استفتاء کے جواب میں ایک کتاب ''تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی'' ۱۸ر رمضان المبارک ۱۲۴۰ھ میں تحریر فرمائی۔[1] جس میں مسئلہ امکان و امتناع نظیر کے علاوہ مسئلہ شفاعت پر بھی دادِ تحقیق دی۔اس پر علمائے دہلی نے تصدیقی دستخط و مہریں کیں۔اسکے نام یہ ہیں:

۱-شاہ مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ دہلوی۔

۲-محمد موسیٰ بن شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ دہلوی۔

۳-مفتی صدرالدین آزردہ صدر الصدور دہلی۔

۴-مولانا احمد سعید مجددی نقشبندی۔

۵-مولانا محمد رشید الدین خان۔

۶-المتوکل علی اللہ محمد شریف۔

۷-حاجی محمد قاسم۔

۸-فقیر محمد حیات الآری۔

۹-کریم اللہ۔

۱۰-محمد رحمت۔

۱۱-عبدالخالق۔

---

[1] مزید تفصیل کیلئے ان دونوں حضرات کی کتب سوانح اور اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص: ۷۵۳/۲- مقدمہ ''تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی'' از علامہ شرف قادری، ''منظر اور تلاش''، ص: ۵۷، ملاحظہ کیجئے۔

۱۲-محمد عبداللہ-

۱۳-خادم محمد-

۱۴-محمد شریف-

۱۵-محمد حیات-

۱۶-رحیم الدین-

۱۷-مولوی محبوب علی، تلمیذِ شاہ عبدالعزیز دہلوی- انہوں نے دستخط کے علاوہ تصدیقی عبارت بھی لکھی-

اس کے ایک عرصے بعد مولوی حیدر علی رامپوری، ٹونکی[۱] نے اس موضوع پر قلم اٹھایا، اور تحقیق الفتوی کے جواب میں ایک رسالہ لکھا اس کا لب ولہجہ اور زبان ابتک فریقین کی تحریروں کے برعکس عالمانہ اور شائستہ نہیں تھی-مولوی حیدر علی نے اس بحث کو کسی اور جہاں میں نظیر النبی کے ممکن ہونے تک بڑھایا، یونہی اس کے بعد مولوی امیر حسن سہسوانی نے خواتم سبعہ وستہ کا نظریہ پیش کیا-[۲] تو اس مولوی حیدر علی کے رد میں علامہ فضل حق کے ایک شاگرد نے ''امتناع نظیر'' کے نام سے کتاب لکھی جس کا تاحال جواب نہیں ہوا-

یہ مسئلہ تحریر وتالیف تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ علامہ اور شاہ اسماعیل کے درمیان مناظرے اور مباحثے بھی ہوتے تھے جن میں دیگر علماء بھی حصہ لیتے تھے[۳] اور چونکہ تقویت الایمان میں عامۃ المسلمین کو مشرک اور بدعتی قرار دیا گیا ہے-اس لئے اس سے تمام اہل دلی میں اضطراب پھیل گیا- بات حکام وقت تک پہنچی، دہلی کے ریذیڈنٹ کو پندرہ سو

---

[۱] مولوی حیدر علی بن عنایت علی دہلی میں پیدا ہوئے-تعلیم وتربیت تمام تر رامپور میں ہوئی- سید احمد بریلوی کے خلیفہ تھے انکی تحریک کے نامور عالم اور مبلغ تھے-انہوں نے تحریک کی نشر واشاعت میں ایک اہم کردار ادا کیا-اختلافی مسائل پر متعدد رسالے لکھے-

اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ، ڈاکٹر محمد ایوب قادری، ص: ۱۴۲-۱۴۳

[۲] تاج الفحول اور مسئلہ امتناع النظیر از مفتی عبدالحکیم نوری مصباحی، دیکھئے تاج الفحول نمبر، ص: ۲۴۸

[۳] ۱۹ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ بروز منگل جامع مسجد دہلی میں، مولوی عبدالحی اور مولوی اسماعیل دہلوی کے ساتھ ہونے والے مشہور مناظرے اور مولوی عبدالحی کے لاجواب کر دینے کی تفصیل، ''سیف الجبار''، ص: ۸۸تا۹۴ پر ملاحظہ کیجئے-

دستخطوں کے ساتھ درخواست پیش کی گئی، جس سے شاہ اسماعیل کو جامع مسجد دہلی میں تقریر سے منع کر دیا گیا۔[۱] خیال رہے کہ اس وقت علامہ اٹھائیس (۲۸) برس کے تھے اور شاہ اسماعیل دہلوی کی عمر اڑتالیس (۴۸) سال تھی۔ بہادر شاہ ظفر آخری مغل تاجدار بھی علامہ کے طرف دار تھے۔[۲]

بابائے اردو مرزا اسد اللہ خان غالب نے بھی علامہ کی طرفداری کی اور امتناع النظیر کے موضوع پر مثنوی لکھی۔[۳] مشتاق احمد نظامی لکھتے ہیں: ''غالب کے اندازِ بیان کا یہ کچھ کم کمال نہیں کہ ایسے مشکل مسئلہ کو ایسی روانی اور خوبی سے سمجھا دیا۔[۴]

یونہی اس عہد کے ایک اور شاعر مولوی محمد حسین تمنا مرادآبادی (ف ۱۳۱۷ھ) نے امتناع النظیر کے موضوع پر اپنی شاعری سے بہت شہرت حاصل کی۔ وہ علامہ کے ہم نوا تھے۔ انہوں نے اپنے کلام میں متعدد جگہ پر بڑے شدومد کے ساتھ اپنے موقف کا اظہار کیا ہے۔[۵]

علامہ فضل حق خیرآبادی کے علاوہ مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بھتیجے تھے، انہوں نے ''معید الایمان رد تقویت الایمان'' اور ''حفظ الایمان در رد تقویت الایمان'' لکھی۔[۶]

شاہ ولی اللہ کے ایک اور پوتے مولانا محمد موسیٰ دہلوی نے ''حجة العمل فی ابطال الحیل'' اور سوال و جواب لکھی۔

---

[۱] ملاحظہ کیجئے تقویت الایمان، ص: ۷، مطبوعہ امجد اکیڈمی، لاہور

[۲] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص: ۱۵/۳۷۵

[۳] مثنوی اور دیگر تفصیل کیلئے غالب کے ذکر میں ص: ۱۱۲ تا ۱۱۹، ملاحظہ کیجئے۔

[۴] خون کے آنسو، ص: ۴۹۔ باغی ہندوستان، ص: ۱۹۳

[۵] ملاحظہ کیجئے ''اردو میں نعت گوئی'' از ڈاکٹر ریاض مجید، ص: ۳۴۱

[۶] دیکھئے تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی کا ضمیمہ، ص: ۲۶۹، مطبوعہ مبارکپور۔

مولانا منور الدین دہلوی جو شاہ عبد العزیز دہلوی کے تلمیذ اور مولانا ابوالکلام آزاد کے والد کے نانا تھے، انہوں نے ایک کتاب لکھی اور جامع مسجد دہلی میں شاہ اسماعیل دہلوی اور مولانا عبدالحی سے شہرہ آفاق مناظرہ کیا۔

مولانا خیر الدین دہلوی والد ابوالکلام آزاد نے دس جلدوں میں بزبانِ عربی ''النجم لرجم الشیاطین'' لکھی۔

مولانا احمد سعید نقشبندی مجددی (ف ۱۲۷۷ھ) نے ''تحقیق الحق المبین فی اجوبۃ مسائل اربعین'' لکھی۔

مولانا مفتی صدرالدین آزردہ نے ''منتھی المقال فی شرح حدیث لاتشد الرحال'' لکھی۔[1] اور مولانا کریم اللہ دہلوی نے ''ہادی المضلین'' لکھی۔[2]

---

[1] یہ کتاب ۱۲۶۴ھ میں طبع ہوئی اور کتب خانہ محمدیہ جامع مسجد ممبئی میں موجود ہے، اس کے آخر میں علامہ فضل حق خیرآبادی اور مفتی سعد اللہ مرادآبادی کی تقریظات بھی شامل ہیں، اس کے ۹۲ صفحات ہیں، اس میں ابن تیمیہ کی کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم'' اور ابن حزم کی ''المحلی'' پر بھی تنقید ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے بعض نادر تحقیقات پیش کی ہیں۔ عربی قواعد اور اصول فقہ کی روشنی میں بڑے اہم نکات پیدا کیے ہیں۔ تفصیل کیلئے دیکھئے اصل کتاب یا مفتی صدرالدین آزردہ از عبدالرحمن پرواز اصلاحی، ص: ۱۳۸ تا ۱۷۵

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نواب صدیق حسن خان قنوجی کا درج ذیل بیان بالکل غلط اور بے بنیاد ہے: ''میرے استاذ (مفتی صدرالدین) علامہ فضل حق کو انکے بعض کاموں پر برا بھلا کہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ مولانا فضل حق نے حضرت حافظ واعظ محدث اصولی حاجی غازی شہید محمد اسماعیل دہلوی کا رد کیا تھا استادان سے فرمایا کرتے تھے کہ میں تمہاری اس بات سے خوش نہیں ہوں اور یہ تمہیں زیب نہیں دیتی۔'' ابجد العلوم، ص: ۲۵۴، حکیم سید محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں کہ ''بقول مولانا فضل رسول بدایونی مفتی صدرالدین نے شاہ صاحب کو سمجھا کر اس سے باز رکھنا چاہا تھا'' اور یہ کہ حکیم برکاتی صاحب کے پاس مفتی صدرالدین کی امتناع النظیر پر کتاب کا قلمی نسخہ محفوظ ہے جس میں انہوں نے شاہ صاحب سے اختلاف کیا ہے۔ دیکھئے فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون، ص: ۱۰۸، ۱۰۹

خالص امتناع النظیر کے موضوع پر مفتی صدرالدین آزردہ صاحب کی تصانیف، تقریظات اور اس ضمن میں مرتب ہونے والے فتاوی پر انکے دستخط کی موجودگی میں افضل حق قرشی صاحب کے، مفتی صاحب کی اجمالی نظر والی رائے وغیرہ سے استدلال بھی بے وقعت ہیں، دیکھئے علامہ فضل حق خیرآبادی اور جہاد آزادی از سعید الرحمن علوی، ص: ۳۸-۵۱-

[2] مزید کتابوں کیلئے ''تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی'' مطبوعہ مجمع الاسلامی مبارکپور کا ص: ۲۶۸ تا ۲۷۱ ملاحظہ کیجئے۔

جبکہ مولانا فضلِ رسول بدایونی نے تقویت الایمان کتاب کے رد میں سیف الجبار، بوارق محمدیہ رد فرقہ نجدیہ، تصحیح المسائل، سوط الرحمٰن علی قرن الشیطٰن، احقاق الحق وابطال الباطل، تلخیص الحق اور المعتقد المنتقد جیسی اپنی مشہور تالیفات اور رسائل لکھے۔

جبکہ مولانا فضل رسول بدایونی اپنی کتاب "سیف الجبار علی الأعداء للأبرار" میں علامہ فضل حق خیر آبادی کی کتاب "تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی" سے ایک طویل اقتباس نقل کرنے سے پہلے لکھتے ہیں: "مولوی فضل حق خیر آبادی صاحب نے جزاہ اللہ خیراً، کہ علم و فضل میں مولوی اسماعیل دہلوی وغیرہ کو ان سے کچھ نسبت نہیں ہے، علوم عقلیہ و نقلیہ اپنے والد ماجد سے کہ یگانۂ روزگار تھے، حاصل کئے، ہر طرح مولوی اسماعیل کے روبرو ان کا رد و ابطال کیا اور تکفیر کی نوبت تحریر کی آئی۔ مسئلہ شفاعت میں مولوی اسماعیل نے حرکت مذبوحی کچھ جواب میں کی، آخر کو عاجز و ساکت ہو گئے اور تحقیق الفتوی فی رد اہل طغوی کمال شرح و بسط سے مولوی فضل حق صاحب نے لکھی۔"[1]

مولانا فضل رسول بدایونی نے اپنی عربی تصنیف "المعتقد المنتقد" مکہ معظمہ میں ایک بزرگ کی فرمائش پر لکھی۔ اس پر علامہ فضل حق خیر آبادی،[2] مفتی صدرالدین خان آزردہ صدر الصدور دہلی، شیخ المشائخ مولانا شاہ احمد سعید نقشبندی اور مولانا حیدر علی فیض آبادی مؤلف منتہی الکلام وغیرھم نے گراں قدر تقریظیں لکھیں اور نہایت پسندیدگی کا اظہار کیا۔[3]

مولانا فضل رسول "المعتقد المنتقد" میں علامہ فضل حق کی طرف سے رد تقویت الایمان کا ذکر یوں کرتے ہیں: "الفاضل الکامل الأجل الابجل المولی فضل

---

[1] سیف الجبار، ص:۸۵، ۸۶، و تاج الفحول نمبر، ص:۲۳۳

[2] علامہ کی تقریظ کیلئے ملاحظہ کریں، باغی ہندوستان، ص:۱۷۴ تا ۱۷۶، کتاب ہذا کے ص:۱۵۲ تا ۱۵۴ پر مولانا فضل رسول کے علامہ سے روابط اور "المعتقد المنتقد"، ص:۲ تا ۴۔

[3] المعتقد المنتقد، ص:۴ تا ۸ پر تقاریظ ملاحظہ کریں۔

الحق الخير آبادی، وهو بأرض الهند أول مَن جرح مبتدعات النجدية ومفاسدهم، وآخر مَن بين شرح فساد عقائدهم، فاطمئنّ قلوب أهل اليقين وحُصّل اليقين للشاكين والمترددين ، وهدى الله به كثيراً من الضالين ، وله مُنّةٌ على كافة المسلمين وأجر جزيل عند رب العالمين -"[1]

علامہ کے ایک شاگرد قلندر علی زبیری پانی پتی نے اپنی مشہور تصنیف "تنزیل التنذیر فی نظیر البشیر والنذیر" اسی موضوع پر لکھی۔

ایک اور شاگرد شاہ عبدالحق کانپوری نے مولوی حیدر علی رامپوری ٹونکی کے سوالات کے جواب دیے۔ جناب عبدالستار نے اس جواب کو استفتاء کی صورت میں مرتب کیا اور علماء دیندار کے دستخط و مہر سے مزین ۱۲۶۹ھ میں طبع کروایا۔ اس پر بیس علماء رامپور کے، پانچ علمائے مراد آباد کے، نو علمائے دہلی کے دستخط و مہریں ہیں۔ جبکہ کچھ پڑھے نہیں جاتے۔[2]

یہ تھی اس دور میں امکان نظیر النبی کے دعوے اور اس پر ہونے والے شدید ردعمل کی ایک جھلک۔ اسکی تفصیلات کا ذکر ایک مستقل موضوع کا محتاج ہے۔ بہرحال تقویت الایمان کے تعاقب و گرفت کا سلسلہ ابتک جاری ہے[3]، اور تقریباً اڑھائی صد کتابیں اسکے

---

[1] المعتقد المنتقد، ص:۱۳۰، ۱۳۱، تاج الفحول نمبر، ص:۴۳۳

[2] تحقیق الفتوی مطبوعہ، مبارکپور کا ضمیمہ، ص:۲۵۱ تا ۲۶۷

[3] امیر الروایات میں ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی نے انڈیمان میں تقویت الایمان کے رد کو اپنی غلطی قرار دیکر اہل بدایون کو اسکی وجہ قرار دیا تھا۔ خیال رہے کہ ڈاکٹر ایوب قادری کی تحقیق کے مطابق امیر الروایات کی اکثر روایتیں تاریخی اعتبار سے غلط ہیں (مجموعہ مقالات از افضل قرشی، ص:۲۶) جناب سعید الرحمن علوی اور افضل قرشی نے بھی اسی حوالے سے اس بات کو دہرایا ہے، دیکھئے، علامہ فضل حق خیر آبادی اور جہاد آزادی ص:۶، ۵۱، ۵۲۔

چنانچہ یہ روایت و حوالہ قابلِ اعتبار نہیں اور حقائق بھی اسکی تغلیط کرتے ہیں، مسئلہ امتناع النظیر کی بحث کے زمانہ کی تصانیف و قصائد کے علاوہ، بعد میں کہے جانے والے بیشتر قصائد حتی کہ انڈیمان میں کہے ہوئے اس قصیدہ ھمزیہ شعر نمبر ۱۱۳ تا ۱۱۶ میں بھی، جو انہوں نے مفتی عنایت احمد کاکوروی کے ہاتھ انڈیمان سے بھجوایا تھا، اپنے اسی عقیدے کو دہرایا ہے جو ہمیشہ سے تھا۔ رہے اہلِ بدایون تو انکی تصانیف علامہ سے ایک عرصے بعد کی ہیں۔ جبکہ علامہ تو وہ ہیں جنہوں نے پہل کی، ڈاکٹر ایوب قادری بھی لکھتے ہیں کہ اس تحریک کی مخالفت کے آغاز کا سہرا مولانا فضل حق خیر آبادی کے سر ہے۔ (تواریخ عجیب، حاشیہ ص:۲۲، ۲۳)

رد میں لکھی گئی ہیں۔[1]

چنانچہ حکیم سید محمود احمد برکاتی، علامہ فضل حق خیر آبادی کے امتناع نظیر النبی بالذات وبالغیر کے قائل ہونے پر انکی فراست کی داد دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''علامہ کی فراست دینی خداداد تھی۔ آپکی ''تقویت الایمان'' کے رد میں تالیفات کی نوعیت صرف ایک کتاب پر تنقید اور ایک مصنف کی کسی علمی لغزش وخطا پر تعاقب ہی کی نہیں ہے، بلکہ آپ نے ایک بہت بڑے دینی فتنے ''انکارِ ختمِ نبوت'' کی طرف اس کے آغاز ہی میں التفات فرما کر ملت کو متنبہ فرما دیا تھا۔ (کیونکہ تقویت الایمان کی مذکورہ عبارت کا اعتقاد آیت ''ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین ---الخ'' کے کذب کو مستلزم ہے نعوذ باللہ۔) مگر افسوس ہے کہ شاہ صاحب کی حمایت میں مولوی حیدر علی رامپوری اور مولوی امیر حسن سہوانی وغیرہ میدان میں آگئے، اور اس ایک مسئلے میں کئی مباحث پیدا کر دیے[2] جنکے نتیجے میں انکارِ ختم نبوت کی راہ ہموار ہوئی اور بالآخر ایک متنبی مرزا غلام احمد قادیانی کا ظہور ہوا۔ جس کی امت تقریباً سوا صدی سے امت مسلمہ کیلئے دردِ سر بنی ہوئی ہے۔[3] اور اس وقت جدید ترین ذرائع ابلاغ انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے عالمگیریت اختیار کر چکی ہے۔

علامہ عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں: ''علامہ فضل حق خیر آبادی کا شاہ اسماعیل دہلوی سے یہ اختلاف صرف علمی نہیں بلکہ اصولی اور اعتقادی تھا۔''[4]

نادم سیتاپوری لکھتے ہیں: ''اور انکے درمیان ہونے والے مناظرے اور مباحثے

---

[1] مقدمہ امتناع النظیر

[2] حتی کہ مولوی قاسم نانوتوی نے یہاں تک لکھ دیا'' کہ عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپکا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں'' تحذیر الناس، ص:۳ اور اپنی اِسی تصنیف کے ص:۱۳ پر لکھا: ''بلکہ اگر بالفرض آپکے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔''

[3] سفر اور تلاش، ص:۵۷

[4] دیکھیے ''باغی ہندوستان'' ص:۴۲۹ پر ''نقد ونظر'' از علامہ عبدالحکیم شرف قادری

کوئی ذاتی اور عامیانہ نہ تھے جن کا سہارا لیکر علامہ کے خلاف ایک مستقل محاذ قائم کر دیا جاتا، لیکن ہوا کچھ ایسا ہی۔"[1]

اس عناد میں شاہ اسماعیل دہلوی کے معتقدین نے، علامہ کی ذات پر ہر پہلو سے اعتراضات، اور انکے فضائل و کارناموں سے انکار کی ایسی منظم تحریک چلائی کہ تاریخ ہی بدل ڈالی[2] اور "انگریزوں پر جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں"[3] کہنے والوں کو انگریز دشمن اور انگریزوں کے خلاف لڑی جانے والی جنگِ آزادی کے ہیرو بھی بتایا اور بعض محققین کی ادھوری تحقیقات کے نتائج کے سہارے تاریخ سن ستاون سے علامہ محمد فضل حق خیر آبادی کا نام کر ہی غائب کر دیا۔

---

[1] دیکھئے "غالب نام آورم"، ص:۱۰۱

[2] دیکھئے "غالب نام آورم"، ص:۱۰۱

[3] شاہ اسماعیل دہلوی کی "تحریک جہاد" کے وعظ کلکتہ سے اقتباس، تفصیل ملاحظہ کیجئے: حیاتِ طیبہ، ص:۲۹۴ طبع فاروقی دہلی میں ہے کہ "کلکتہ میں جب مولانا اسماعیل نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی، تو ایک شخص نے دریافت کیا، آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے جواب دیا: ان پر جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں، ---- بلکہ ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور آپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔" "مقالات سرسید" حصہ نہم، ص:۱۴۲ پر ہے: "---- مذہب کی رو سے یہ بات فرض ہے کہ انگریزوں پر جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں" اور سوانح احمدی از جعفر تھانیسری طبع فاروقی دہلی، ص:۷۳ بحوالہ امتیازِ حق، ص:۶۶ پر ہے: "---- فرمایا کہ ایسی بے رو ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں۔ جبکہ اسی کے ص:۱۸۲، پر ہے کہ "سید صاحب (سید احمد بریلوی) کا سرکار انگریز سے جہاد کرنے کا ارادہ ہرگز نہ تھا ----"۔ "حیات طیبہ" طبع لاہور کے ص:۲۹۰ پر ہے: "سید صاحب نے یہ اعلان کیا کہ سرکار انگریزی سے ہمارا مقابلہ نہیں اور نہ ہمیں اس سے کچھ مخاصمت ہے ہم صرف سکھوں سے اپنے بھائیوں کا انتقام لیں گے۔" جبکہ اسی کے صفحہ نمبر ۵۲۳ پر ہے: "لیفٹنٹ گورنر نے صاف لکھ دیا کہ ہماری عملداری امن میں خلل نہ پڑے تو ہمیں آپ سے کچھ سروکار نہیں نہ ہم ایسی تیاری میں مانع ہیں۔ یہ تمام بین ثبوت اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ جہاد صرف سکھوں سے مخصوص تھا، سرکار انگریزی سے مسلمانوں کو ہرگز مخاصمت نہ تھی۔" ڈاکٹر ایوب قادری، "تواریخ عجیب" یعنی "کالا پانی" از منشی محمد جعفر تھانیسری، ص:۸۵، ۸۶ کے حواشی میں لکھتے ہیں: "جماعتِ اہل حدیث کے سرگروہ مولوی محمد حسین بٹالوی (۱۲۵۶ھ-۱۳۲۸ھ) نے سرکار انگریزی سے موافقت اور وفاداری کا ثبوت اس طرح دیا کہ جہاد کی منسوخی پر ایک مستقل رسالہ "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" تصنیف کیا۔ اس کتاب کے ترجمے اردو، انگریزی اور عربی میں ہوئے ---- مولوی مسعود عالم ندوی مرحوم لکھتے ہیں: "اس کتاب پر (مولوی محمد حسین بٹالوی) انعام سے بھی سرفراز ہوئے ---- نہ صرف یہ ہوا بلکہ دوسرے معاصر علماء مثلاً مولانا فضل حق خیر آبادی (ف ۱۸۶۱ء/۱۲۷۸ھ) و حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (ف ۱۳۱۷ھ) کو سرکار کی مخالفت کے طعنے بھی دیے۔ مسعود عالم ندوی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اسکے معاوضے میں سرکار انگریزی سے انہیں (مولوی محمد حسین بٹالوی کو) جاگیر بھی ملی تھی۔" جبکہ مولوی صاحب نے خود چار مربع بتائی ہے۔ دیکھئے (اشاعۃ السنۃ، ج:۱۹، شمارہ:۹، ص:۲۷۷)

4.6- پاک و ہند کے امامِ منطق و فلسفہ

علامہ فضل حق خیر آبادی علومِ عقلیہ و نقلیہ میں تمام معاصرین پر فوقیت رکھتے تھے- علمِ کلام، اصول فقہ اور علومِ ادبیہ میں تو انہیں تخصص حاصل تھا اور منطق و حکمت میں درجہ اجتہاد پر فائز تھے، اور کوئی ہمعصر انکا ہم پلہ نہیں تھا-[1]

حکیم سید محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

"علامہ فضل حق خیر آبادی الٰہیات، علمِ کلام، منطق اور فلسفے کے امامِ وقت تھے برصغیر کے معقولین میں ابتدا سے اب تک انکا کوئی مثیل و نظیر نہیں ہے- عالم اسلام کے فلاسفہ میں وہ محقق نصیر الدین طوسی، میر باقر داماد اور صدر الدین شیرازی کے ہم صف اور ہم رتبہ محققین میں سے تھے-[2]

دہلی میں انکے والد مولانا فضل امام کی قائم کردہ درسگاہ معقولات کی ایسی یونیورسٹی تھی جسکی مثال شاید ہی ہندوستان میں کہیں اور ملے-[3]

طبیعیات، الٰہیات اور منطق میں علامہ فضل حق خیر آبادی کی تالیفات، شروح اور حواشی، فلاسفۂ عالم، اسلام میں انکے مقام کا تعین کرتے ہیں- نصف صدی تک مسلسل تدریس کرتے رہے اور تلامذہ کی ایک معقول تعداد نے آپ سے کسب کمال کیا اور یوں آپ منطق و کلام کے ایک جدید مکتبہ فکر، مکتب خیر آباد کے بانی قرار پائے-[4]

خیر آبادی مکتب فکر پر یہ اعتراض کیا جاتا تھا کہ اس میں منطق اور معقولات پر ضرورت سے زیادہ زور دیا جاتا ہے- تفسیر اور حدیث کی نمائندگی کم ہے اور یوں بیکار علوم میں وقت کا ضیاع ہوتا ہے-

---

[1] دیکھئے انتخاب یادگار از امیر مینائی، ص:۲۹۱، اور تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی کا کلمہ افتتاح از علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری، ص:۸

[2] فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون، ص:۱۹، اور "سفر اور تلاش"، ص:۴۸

[3] غالب نام آورم، از نادم سیتا پوری، ص:۱۰۲

[4] فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون، ص:۱۹، اور "سفر اور تلاش"، ص:۴۸

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ سابق پرنسپل اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور نے اسکے جواب میں لکھا: ''سب کو معلوم ہے کہ مغلوں کے زمانے میں میر فتح اللہ شیرازی کے زیر اثر اور بعد میں میر باقر داماد اور ملا صدرا کی تعلیمات کے زیر اثر معقولاتی زبان، زمانے کیلئے ایک رائج الوقت زبان بن چکی تھی، منطق کے بغیر کوئی عالم نہ بات کر سکتا تھا اور نہ ہی بات منوا سکتا تھا۔ جیسے آج علوم جدیدہ---- ایسے میں منطق اور معقولات کو حفاظتِ دین کا ایک ذریعہ سمجھنا چاہیے---- تو کہنا یہ ہے کہ خیرآبادی دبستان کی منطق بیکار شے نہ تھی، یہ اور بات ہے کہ اس زمانے میں اسکا زیادہ استعمال علامہ خیرآبادی اور مولوی شاہ اسماعیل دہلوی کے درمیان مناظروں وغیرہ میں ہوا--- لیکن معترض یہ بھول جاتے ہیں کہ عیسائیوں اور ہندوؤں سے جو فیصلہ کن بلکہ دندان شکن مناظرے ہوئے، ان میں زیادہ تر حصہ خیرآبادی دبستان کے لوگوں نے لیا۔''[1]

حکیم سید برکاتی اسے یوں واضح کرتے ہیں:

''کہ مسلمانوں کا فلسفے سے اشتغال مقصود بالذات نہیں تھا، اسکے رد کیلئے تھا۔ وہ فلسفہ اسلئے نہیں پڑھتے تھے کہ فلاسفہ کے نظریات کو قبول کر لیں۔ بلکہ اسلئے پڑھتے تھے کہ دیکھیں فلاسفہ کیا کہتے تھے؟ تا کہ اسکا رد کیا جا سکے، مسلمانوں نے خود فلسفے میں جو کتابیں لکھیں، ان میں سے بعض کی نوعیت بیانِ مسلک کی تھی، یعنی فلاسفہ کی ترجمانی ان کتابوں میں کی گئی تھی---- ''علامہ خیرآبادی نے اپنی تصانیف میں فلاسفہ کے افکار و نظریات کے بیان کے علاوہ انکے ہفوات و خرافات کا رد و ابطال بھی کیا ہے اور یہی متکلمین کا مقصود ہے۔''[2]

حکیم صاحب مزید لکھتے ہیں ''یونہی علامہ نے اپنی تصانیف میں مناطقہ قدیم کے افکار کا رد بلیغ کرنے کے علاوہ اپنا مسلک بیان کیا ہے اور اسے ثابت کیا ہے۔ صاف نظر آتا

---

[1] ملاحظہ کیجئے ''ہفت روزہ زندگی، لاہور، ص: ۲۵، ۲۶، ۱۳ نومبر ۱۹۷۲ء، اور ہفت روزہ ''الہام'' بہاولپور، شہید آزادی ایڈیشن، ص: ۳۰، ۳۱۔

[2] ''سفر اور تلاش''، ص: ۵۴

ہے کہ اب منطق کا فن ایک لادینی (سیکولر) فن نہیں رہا، اسکو مسلمان کیا جا رہا ہے، اور دین کے دفاع کیلئے استعمال کیا جا رہا ہے۔"[1]

الغرض خیر آبادی مکتب کی علمی خدمات منطق و فلسفہ کے میدان میں اس قدر ہیں کہ ایک بار مولوی اکرام اللہ شہابی گوپاموی نے علامہ کے صاحبزادے مولانا عبدالحق خیر آبادی سے پوچھا کہ دنیا میں حکیم کا اطلاق کن کن پر ہے؟ تو وہ کہنے لگے، دنیا میں ساڑھے تین حکیم ہیں، ایک معلمِ اول ارسطو، دوسرے معلمِ ثانی فارابی، تیسرے والد ماجد مولانا فضل حق اور نصف بندہ۔[2]

4.7- علامہ بحیثیت قانون دان

علامہ فضل حق خیر آبادی ماہرِ قانون تھے۔ انکی عمر کا ایک بڑا حصہ عدالتوں سے وابستگی اور ان میں اعلیٰ مناصب پر تقرری میں گزرا۔ تفصیل درج ذیل ہے:

دارالحکومت دہلی میں، انیس سال کی عمر میں، سر رشتہ دارِ عدالتِ دیوانی (و فوجداری) مقرر ہوئے اور سولہ سال تک وابستہ رہے۔

ریاست رام پور میں، تینتالیس سال کی عمر میں، حاکمِ محکمہ نظامت اور حاکمِ مرافعۂ عدالتین (دیوانی و فوجداری) مقرر ہوئے، اور آٹھ سال تک اس منصب پر فائز رہے۔

دارالسلطنت لکھنو میں اکاون برس کی عمر میں، صدر الصدور اور "کچہری حضور تحصیل" کے مہتمم مقرر ہوئے اور آٹھ سال تک اس عہدے پر کام کرتے رہے۔

باقی ریاستوں میں انکے قیام و ملازمت کی تفاصیل سے تاریخ خاموش ہے۔ صرف مذکورہ بالا کے مطابق بتیس سال تک علامہ نے بحیثیت قانون دان ملازمت کی۔

علامہ کی شخصیت کا یہ پہلو ہمیں غالب کے مقدمہ جائیداد میں انکی راہنمائی و مدد کی صورت میں بھی نظر آتا ہے[3] اور اس سے بھی نمایاں تر صورت میں جنگ آزادی اٹھارہ سو

---

[1] "سفر اور تلاش"، ص:۵۳
[2] "باغی ہندوستان"، ص:۱۹۶
[3] تفصیل اگلے صفحات میں "علامہ اور غالب" میں ملاحظہ کیجئے۔

ستاون میں ان پر قائم ہونے والے مقدمہ بغاوت میں نظر آتا ہے۔[1]

علامہ کے علم و فضل اور قانون دانی کا ٹھیک تر اندازہ ہمیں علامہ کے بنائے ہوئے اس آئین سے ہوتا ہے جو دنیا کا مختصر ترین اور مثالی آئین ہے اور جو بلا لحاظ خطہ و قوم اور زمانہ کے نافذ کیا جا سکتا ہے۔[2]

4.8- کچھ علامہ کی ذہانت کے بارے میں

علامہ فضل حق خیر آبادی کے ہم عصر مورخ مولوی رحمان علی لکھتے ہیں: علامہ نے قرآن مجید چار ماہ میں حفظ کیا اور تیرہ سال کی عمر میں تمام علوم معقول و منقول کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔[3]

علامہ کے سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ خالصتاً ذہانت سے تعلق رکھنے والے کھیل شطرنج کا نہ صرف علم رکھتے تھے بلکہ پوری مہارت رکھتے تھے۔ زمانۂ قیام دہلی میں علامہ کے حکیم مومن خان مومن وغیرہ کے ساتھ شطرنج کھیلنے کے واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں۔[4] مولوی رحمان علی کا تذکرہ ان واقعات سے بھی زیادہ حیرت انگیز واقعہ پیش کرتا ہے، وہ کہتے ہیں: ''میں نے ۱۲۶۴ھ میں بمقام لکھنو مولانا کو دیکھا کہ حقہ کشی کی حالت میں شطرنج بھی کھیلتے جاتے تھے اور ایک طالب عالم کو ''الافق المبین'' کا درس اس خوبی سے دیتے تھے کہ مضامین کتاب طالب علم کے ذہن نشین ہوتے جاتے تھے۔''[5] شطرنج کا کھیل ''الافق المبین'' جیسی علم منطق کی منتھی کتاب کا درس اور ملازمت و تصنیف و تالیف کی مصروفیات اور پھر باون سال کی عمر، یقیناً یہ سب غیر معمولی ذہانت ہی کی صورت میں ممکن ہے۔

---

[1] آخری صفحات میں ''علامہ اور مقدمہ بغاوت'' ملاحظہ کیجئے۔

[2] آئین اور آئین کی خصوصیات اور دیگر تفاصیل علامہ کے ''سیاسی احوال'' میں ص: ۳۲۳ تا ۳۲۸ پر ملاحظہ کیجئے۔

[3] تذکرہ علمائے ہند، ص: ۱۶۴

[4] اگلے صفحات میں ''علامہ اور مومن کے روابط'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

[5] تذکرہ علمائے ہند، ص: ۱۶۵

علامہ بحث و مناظرہ میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مسئلہ امکان و امتناع النظیر کے زمانے میں ان کے مناظرے بہت مشہور ہیں۔ ریاست رامپور میں قیام کے زمانہ میں بھی علمائے رامپور سے مناظرہ کے واقعات ملتے ہیں، اور زمانہ طالب علمی میں ایرانی عالم و مجتہد سے مناظرہ تو بہت مشہور ہے۔[1]

4.9- ہند کے مایہ ناز شاعر و ادیب و نقاد

علامہ فضل حق خیر آبادی کو عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں پر دسترس حاصل تھی، اور ہر سہ زبانوں کے آداب سے انکا گہرا تعلق تھا۔ اتنا گہرا کہ کسی زبان و ادب کے نمائندہ شاعر کہلائے اور کسی کے محسن ٹھہرے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

عربی زبان و ادب

عربی نثر: علامہ کی عربی تصنیفات فنی کتب ہونے کے علاوہ ادب کا بھی شاہکار ہیں جیسے الثورہ الهنديه، الهدیه السعيديه اور الروض المجود فی تحقیق وحدة الوجود وغیرہ۔ علامہ کے اپنے احباب کے نام عربی زبان میں خطوط اور انکی تحریر کردہ تقریظات بھی عربی نثر کا عمدہ نمونہ ہیں۔ علامہ کی بیاض میں موجود تقریباً تمام خطوط انیس تا پچیس سال کی عمر میں ملازمت دہلی کے دوران مختلف جگہوں کے دوروں میں لکھے ہوئے ہیں۔

ملاحظہ کیجئے علامہ کے والد مولانا فضل امام خیر آبادی کے نام انکے اس خط سے اقتباس، جو انہوں نے ۲۰ ذیقعدہ ۱۲۳۴ھ کو بائیس سال کی عمر میں، اپنے پھوپھی زاد بھائی مولوی محمد بقا کی وفات کی خبر سن کر انہیں لکھا:

"وبعد فماذا یصف المملوك من حزن دهاه، وشجن أدهاه، ونصب شغله عن عيشه وألهاه، وشجو عاناه، وكرب داناه، وكمد

---

[1] اساتذہ کے عنوان میں ص: ۶۴ ملاحظہ فرمائیں۔

عنّاه، ووجد أضناه، وقلق أيسره بسكرة الموت وأدناه، وجزع بلغ به غاية فما اغناه، لما بلغه نعي أجود مَن نعاه ناع، ودعاله بالرحمة داع، وندبه حزين لاع، وأفضل مَن وُصف بطول باع، وبسط ذراع، ----- ياليت الزفرات المردّدة، والجيوب المقدّدة والدموع المتحدرة، والأنفاس المتصعده، أغنت مِن موت فاجع، أوشفت بلابل جازع، وياليت المندوب، يرجع ويؤب، كَلّا ان سكرة الموت سكر ليس له صحو، وظلمة القمر دجية ليس بعد ها ضحو، وكذا الدنيا أولها ألفة، وآخرها لهفة، وأولها أمل، وآخرها أجلٌ، وأولها أمنيّة، وأخرها منية، وأولها سرور وغرور، وآخرها مُضِيَ ومرور -[1]

<u>عربی شاعری</u>: علامہ فضل حق خیرآبادی نے عربی میں چار ہزار سے زائد اشعار کہے- یہ کلام سینکڑوں اشعار پر مشتمل طویل قصائد کی شکل میں ہے- جسکی تفصیل تالیفات میں گزر چکی ہے-[2] انکا دیوان زیر تدوین و تحقیق ہے-

علامہ کے کلام کے بارے میں ڈاکٹر اسحاق قریشی لکھتے ہیں:

"زبان و بیان کی جو بے پناہ قوت انکے شعروں میں موجود ہے- وہ کسی اور شاعر میں نظر نہیں آتی - آزاد بلگرامی کو کثرت کلام کا شرف حاصل ہے اور مولانا خیرآبادی کو معیار کلام اور اسلوب کلام کا-"[3]

علامہ فضل حق خیرآبادی عربی کے نہ صرف شاعر تھے بلکہ ناقد بھی تھے وہ برصغیر کے عربی ادب پر ناقدانہ نظر رکھتے تھے- جیسے ادبی ذوق رکھنے والے اپنے شاگرد مولانا نور الحسن کاندھلوی کو ایک خط میں تو یوں لکھتے ہیں:

"ہمہ ابیاتش شنیدنی دارد، اگر ناقلی صحیح نویس بہم می رسد، نزد آں اعز خواہم فرستاد،

---

[1] ملاحظہ کیجئے "علامہ کی قلمی بیاض"، ص:٦ تا ٩

[2] دیکھئے ص:٨٢ تا ٨٦، مزید تفصیل "علامہ کی دینداری" کے ذکر میں ص:٤٣ تا ٤٧ پر ملاحظہ کیجئے-

[3] ملاحظہ کیجئے "ڈاکٹر صاحب کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ "المدائح النبویۃ"، ص:٤١٥

در ایں جا کسے نیست کہ صلاح ایں داشتہ باشد کہ براو خواندہ باشد"[1]

ترجمہ: "تمام اشعار سننے کے قابل ہیں- اگر کوئی صحیح نقل کرنے والا بہم پہنچ گیا تو اُن اعزّ کے پاس بھیجوں گا- اس جگہ کوئی ایسا شخص نہیں جس میں یہ صلاحیت ہو کہ اسکو سنایا جائے-"

جبکہ دوسرے خط میں انہیں لکھتے ہیں:

"نقل قصیدہ تائیہ مرسل است بقدر ضرورت معانی و مرجع ضمائر نوشتہ شدہ است شاید حالا در کشف معنی ہیچ بیت تکلف نہ شود، ترصد کہ بعد مطالعہ ابیات حال آں برنگارند کہ آیا ایں زباں با عربیت مناسبتے دارد یا از قبیل کلمات غلام علی آزاد است کہ حروف آں عربی است و در حقیقت آں زبانِ دیگر است- بدانست بندہ در ہندوستان کم تر کسے بوجود آمدہ کہ زباں او در نظم و نثر عربی درست باشد- زبان شاہ ولی اللہ صاحب درست است- مگر در کتب نظم و نثر شان بجز یک دو قصیدہ و دو چہار سطر نثر بنظر نرسیدہ است- قصائد نعتیہ کہ در لکھنو بنظم آمدند بسیار ند، ناقل بہم نمی رسد و الّا نقول آں می فرستادے[2]

ترجمہ: قصیدہ تائیہ کی نقل ارسال ہے، بقدر ضرورت معانی اور ضمیروں کے مراجع لکھ دیئے گئے ہیں، شاید اب کسی شعر کے معنی کی وضاحت میں تکلف نہیں ہوگا، امید ہے کہ آپ اشعار کے مطالعہ کے بعد تحریر کریں گے کہ کیا یہ زبان عربیت کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے؟ یا غلام علی آزاد کے کلمات کی طرح ہے. کہ ان کے حروف عربی ہیں لیکن در حقیقت وہ دوسری زبان ہے- بندے کی دانست میں ہندوستان میں کم ہی کوئی ایسا شخص پیدا ہوا ہے جس کی زبان عربی نظم و نثر میں درست ہو- شاہ ولی اللہ صاحب کی زبان درست ہے مگر کتابوں میں انکی نظم و نثر سے سوائے ایک دو قصیدے اور دو چار سطر نثر کے، نظر سے نہیں گزرا- جو نعتیہ قصائد لکھنؤ میں منظوم ہوئے، بہت ہیں- صحیح نقل کرنے والا نہیں ملا ورنہ انکی

---

[1] "تذکرہ اسلاف، حالات مشائخ کاندھلہ، ص:۱۵۲-

[2] مرجع سابق، ص:۱۵۲-۱۵۳-

نقول ضرور بھیجی جاتیں۔

۲ ؍ جمادی الأخری ۱۲۳۶ھ کو اپنے ایک رفیق مولانا فیض اللہ کی خبر شہادت سن کر یہ مرثیہ رقم کیا:

أیاما اللیالی لا تسیرُ نجومه — وما الصباحی لا یهبّ نسیمه
کذبت ومن أین الصباح لجازع — بجنح دجی لا یستنیر بهیمه
وما بالُ طرفی لا یلذ بنومة — وقد طال جدّ آسهده وسَجومه [1]

فارسی زبان وادب

فارسی نثر: فارسی زبان وادب سے بھی علامہ کو گہرا تعلق تھا۔ انکی بیشتر تصانیف، روزمرہ کی تحریرات اور معمول کی خط وکتابت فارسی میں ہے۔

فارسی شاعری: علامہ نے عربی کے علاوہ فارسی میں بھی شاعری کی۔[2]
تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ علامہ فارسی کے بھی اچھے شاعر تھے اور ''فرقتی'' انکا تخلص تھا، اور یہ شعر نمونہ کیلئے درج ملتا ہے۔

فرقتی کعبہ رفتی بارہا — نامسلماں نامسلمانی ہنوز

فارسی شاعری کے بارے میں مزید کوئی تفصیل نہیں ملتی جو انکے فارسی کلام کے معیار سے آگاہی میں مددگار ہوتی۔ تاہم یہ بات طے پاتی ہے کہ علامہ کا فارسی کلام عربی کی نسبت بہت کم تھا اور یہ کہ سخن فہمی میں علامہ کو یہ مقام حاصل تھا کہ مرزا اسداللہ خان غالب ان سے مشورہ سخن کرتے تھے، اور اپنے فارسی کلام کی اصلاح اور داد پانے کیلئے ان ہی سے رجوع کرتے تھے۔ بلکہ علامہ نے تو ایک جگہ غالب کے فن شعر کو چیلنج بھی کیا۔[3]

---

[1] علامہ کی قلمی بیاض، ص: ۸۴

[2] معاصر مورخ مولوی کریم الدین لکھتے ہیں: ''قصائد انکے زبان عربی اور فارسی کے مشہور ومعروف ہیں''، دیکھئے ''تذکرہ فرائد الدہر (تالیف ۱۸۴۷ء)، ص: ۴۰۷

[3] تفصیل غالب کے ذکر میں ص: ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۲، ملاحظہ کیجئے۔

اردو زبان وادب

اردو زبان علامہ کے زمانے میں ارتقائی مراحل میں تھی کچھ لوگ ان دنوں بھی اسکے ارتقا کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے ان میں سے کوئی اردو کو ریختہ فارسی (فارسی کی بگڑی ہوئی شکل) کہتا اور کوئی ریختہ ہندی (ہندی کی بگڑی ہوئی شکل)

اردو شاعری: اردو کے ارتقاء کے اس مشکل مرحلے میں علامہ نے اردو کی سرپرستی کی اور غالب کو مشکل پسندی سے نکالا اور انتخاب دیوان کروایا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کی اردو زبان وادب کے اتار چڑھاؤ پر گہری نگاہ تھی۔وگرنہ علامہ کے تبحر علمی کا تقاضا تو یہی تھا کہ غالب کا وہ اردو کلام دیوان سے نہ نکالا جاتا جس میں عربی اور فارسی کی مشکل پسندی کا رنگ نمایاں تھا۔لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے یہ مولانا بہت ہی قریب سے ان تغیرات کو دیکھ رہے تھے جو اردو زبان وادب آہستہ آہستہ قبول کرتا چلا جا رہا تھا،اور مولانا کی دوربین نگاہیں ''اردو'' کی اس انقلاب آفرینی کو صرف شعر وسخن کے نقطہ نظر سے نہیں دیکھ رہی تھیں بلکہ انکے سامنے اردو زبان وادب کا ایک طویل مستقبل تھا[1]۔۔۔۔یعنی وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر غالب نے مشکل پسندی کی ... کو ترک کر کے عام فہم جادہ فکر اختیار نہ کیا تو یقیناً آنے والا زمانہ انہیں کسی قیمت پر قبول نہ کرے [1-2]

یوں انہوں نے اردو شعر وادب کو غالب جیسی شخصیت سے روشناس کرایا،انکا یہ کارنامہ انکی زندگی کا بڑا کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ انکی عظیم الشان فتح اردو تاریخ ادب کی ایسی فتح وکامرانی ہے جس نے ہمارے شعر وادب کو (پاک وہند کی) ادبیات میں سرخرو اور سربلند کیا ہے۔[3]

انتخاب دیوان غالب کے ایک عرصے بعد ۱۸۶۱ء/۱۲۷۸ھ میں،اردو شعر وادب

---

[1] غالب نام آورم،ص:۱۲۹

[2] مرجع سابق،ص:۱۳۱

[3] مرجع سابق،ص:۱۲۴،۱۲۵

کے اس محسن ناقد نے جزائر انڈیمان میں اردو شاعری کا مجموعی جائزہ لیتے ہوئے منیر شکوہ آبادی سے جو کچھ کہا، منیر شکوہ آبادی اسے نظم کی صورت میں پیش کرتے ہیں:

کہنے لگے ایک دن کچھ سبب اسکا بتا | شاعر اردو زباں اس میں ہوں نو یا کہن
مصطلحات عجم اور کنایات فرس | کس لئے کرتے نہیں زینت نظم سخن
یا متحمل نہیں لہجۂ اردو زبان | یا کوئی لائق نہیں تم میں سے بے ریب وظن
گو غزل میں نہ ہو پر ہے قصیدے میں فرض | دقتِ مضمون سے ہے حسن بوجہ حسن
حضرت سودا بغیر کس نے قصیدے کہے | وہ بھی پر اس راہ میں ہو نہ سکے قطرہ زن
شاعروں میں جز غزل پھر نہ کسی نے کہا | زعم میں گو اپنے ہوں طوطیِ شکر شکن

میں نے کہا راست ہے آپ جو فرماتے ہیں | آپ سنیں تو کہے کچھ یہ اسیر محن
مصطلحات غریب جو کہ نہ معروف ہوں | نظم کرے کس طرح شاعرِ ہندی سخن
جو متعارف ہوا شاعروں میں پہلے سے | اسکو بھی سنکے آج ہوتے ہیں سب طعنہ زن

کہنے لگے یہ کلام مہمل و بے مغز ہے | ہیں شعرا بے سواد، جہل ہے انکا وطن
گرم ہوئے بڑھ گیا سلسلۂ قہر و خشم | بسکہ تھے نازک مزاج، ماتھے پہ آئی شکن
کہتے تھے وہ بار بار ہندیوں سے ہے محال | رمز وکنایات میں دقت و لطفِ سخن[1]

اردو نثر:

علامہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں ایسی با محاورہ اور عام فہم اردو بولتے تھے جو دلی یا لکھنو کے خواص مین بولی جاتی تھی، نادم سیتاپوری نے اس بارے میں ایک روایت نقل کی ہے: ''علامہ صاحب کی زبان تسنیم وکوثر سے دھلی ہوئی تھی- اتنی فصیح اور عام فہم اردو بولتے تھے کہ شاید دلی کے ''لال قلعہ'' کے سوا کہیں نہ بولی جاتی ہو- مگر جب خیر آباد آتے تو اپنے

---

[1] دیکھئے کلیات منیر، بحوالہ ''باغی ہندوستان''، ص:۱۶۱۔

بے تکلف خیر آبادی دوستوں سے اسی قصباتی زبان میں بات چیت کرتے جو عام طور پر خیر آباد میں بولی جاتی تھی اور پھر جوں ہی کوئی ذی علم آدمی آ گیا فوراً ہی شائستہ اردو میں گفتگو کرنے لگتے! علامہ صاحب تذکیر و تانیث کے معاملے میں دہلی کی تقلید کرتے تھے: ''فاتحہ'' کو مؤنث اور ''رتھ'' کو مذکر فصیح سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے مجھے جتنی مٹھاس دلی کی زبان میں محسوس ہوتی ہے۔ لکھنو میں نہیں۔''[1]

علامہ کے زمانے کی ادبی و علمی مجلسوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور درج ذیل لوگ ان مجلسوں کے رکن رکین سمجھے جاتے تھے جیسا کہ نادم سیتا پوری لکھتے ہیں: ''انقلاب سن ستاون سے پہلے دہلی کی ادبی فضاء جن ''عناصر اربعہ'' سے ترتیب پا رہی تھی وہ یہی چار ہستیاں تھیں۔ مولانا خیر آبادی، مفتی صدر الدین آزردہ، مرزا غالب اور حکیم مومن۔''[2]

---

[1] غالب نام آورم، ص: ۱۲۷

[2] مرجع سابق، ص: ۸۱

4.10-علامہ کے معاصرین سے روابط

علامہ فضل حق خیرآبادی اپنے وقت کی عظیم شخصیت تھے-اسلئے انکے احباب میں دارالسلطنت دہلی، لکھنو اور دیگر ریاستوں کے اکابر علماء، شعرا، حکماء، رؤساء، امراء اور وزراء سبھی نظر آتے ہیں-وہ جس ریاست میں بھی گئے انکو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور ممتاز عہدے دیئے گئے-پروفیسر ایوب قادری لکھتے ہیں: "علمائے وقت مفتی صدرالدین آزردہ مولانا رشیدالدین خان دہلوی، مولانا فضل رسول بدایونی، مولانا محمد حسن خان صدرالصدور بریلوی وغیرہ سے انکے خصوصی تعلقات تھے-ضرورت ہے کہ اس اعتبار سے مولانا فضل حق کی کتابِ حیات کی ورق گردانی کی جائے-

شعروادب کی مجلس میں وہ یگانہ ہیں-مرزا غالب جیسا شاعر شعر کی پرکھ اور انتخاب میں اُن کا رہینِ منت ہے-بہت کچھ لکھے جانے کے باوجود "مولانا فضل حق اور مرزا غالب" کا عنوان تشنہ تحقیق ہے-اسی طرح مومن، منیر شکوہ آبادی اور دوسرے شعرائے دہلی سے مولانا فضل حق کے تعلقات کا سراغ لگایا جائے-مولانا فضل حق اور امراء و عمائدین دہلی کے روابط کی تحقیق و تفتیش بھی کی جائے-حکیم احسن اللہ خان، مصطفیٰ خان شیفتہ، نواب حسام الدین حیدر نامی کتنے ایسے ارباب دول ہیں کہ جن سے مولانا فضل حق کے تعلقات رہے ہیں-"[1]

کچھ کا ذکر ذیل میں ملاحظہ کیجئے:-

4.10.1-علامہ اور غالب:

مرزا اسداللہ خان غالبؔ علامہ فضل حق خیرآبادی کو اپنا سب سے قریبی اور مخلص دوست گردانتے تھے اور ان سے بیحد متاثر تھے-غالب کی شخصیت پر علامہ کا اس قدر اثر تھا کہ نادم سیتاپوری نے لکھا: "غالب کے کردار و فن کی نشو و نما اور ارتقا میں جتنا گہرا ہاتھ مولانا

[1] مجموعہ مقالات از افضل قریشی، ص:۲۶

فضل حق خیر آبادی کا رہا ہے انکے اعزہ واحباب میں شاید ہی کسی دوسرے کا رہا ہو۔"[۱]

4.10.1.1-علامہ اور غالب ہم سِن تھے:

علامہ اور غالب ہم سِن تھے، وہ خیر آباد سے اور یہ آگرے سے تقریباً ایک ہی زمانے میں دہلی آکر رہے تھے۔علامہ کا دولت خانہ (بارہ دری شیر افگن خان) اور غالب کا مسجد کے زیرِ سایہ والا مکان بھی نزدیک ہی تھے۔علامہ تو ابتداء سے انتہا تک مدرس رہے۔ غالب بھی ابتدائے عمر میں امراء کے بچوں کو فارسی پڑھایا کرتے تھے۔دونوں کے کئی شاگرد بھی مشترک تھے۔کئی احباب مشترک تھے۔غرض اس طرح دونوں میں باہم ارتباط واتحاد کے کئی رشتے تھے۔[۲]

4.10.1.2-شعر وسخن کی ہم مذاقی:

شعر وسخن کی ہم مذاقی نے دونوں میں رشتہ خلت واخوت استوار کیا تھا۔غالب فارسی کے بھی عظیم شاعر تھے اور اردو کے بھی۔فارسی شاعری کی خوشبو تو بعد میں پھیلی، پہلے تو وہ اردو شاعری کے ذریعے متعارف ہوئے تھے۔مگر بیدلؔ کی اتباع اور مشکل پسندی کی وجہ سے انکے قبول عام کی رفتار تیز نہیں تھی۔[۳]

4.10.1.3-ترکِ اتباعِ بیدلؔ اور انتخابِ دیوان:

مرزا غالب نے چونکہ مشکل پسند طبیعت پائی تھی اور پھر بیدلؔ کی پیروی بھی کرتے تھے، اسلئے انکے کلام کے استعارات وتشبیہات اور دقیق لغات عام اہلِ فہم کی دسترس سے باہر تھے۔یہاں تک کہ مولانا آزاد کہتے ہیں: "بلکہ اکثر شعر ایسے اعلیٰ درجۂ رفعت پر واقع ہوئے ہیں کہ ہمارے نارسا ذہن وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔جب ان شکایتوں کے چرچے زیادہ ہوئے ۔۔۔۔۔تو غالب نے اس شعر سے سب کو جواب دیا۔

---

[۱] غالب نام آورم، ص:۷۸

[۲] سفر اور تلاش، ص:۶۷

[۳] مرجع سابق،

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
نہ سہی گر مرے اشعار میں معنی نہ سہی

ایک بار حکیم آغا جان عیش نے مرزا پر یوں تعریض کی:

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے
مزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھے
کلامِ میر سمجھے اور زبانِ میرزا سمجھے
مگر انکا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے![1]

مرزا غالب نے ان اعتراضات پر کہا:

مشکل ہے زبس کلام مرا اے دل
ہوتے ہیں ملول اسکو سن کے جاہل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

مولانا الطاف حسین حالی اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''چونکہ مرزا (غالب) کی طبیعت فطرتاً نہایت سلیم واقع ہوئی تھی اس لئے نکتہ چینوں کی تعریضوں سے انکو بہت متنبہ ہوتا تھا اور آہستہ آہستہ انکی طبیعت راہ پر آجاتی تھی۔

اسکے سوا جب مولوی فضل حق (خیر آبادی) سے مرزا کی رسم و راہ بہت بڑھ گئی اور مرزا انکو اپنا خالص و مخلص دوست اور خیر خواہ سمجھنے لگے تو انہوں نے اس قسم کے اشعار پر روک ٹوک کرنی شروع کی۔ یہاں تک کہ انہیں کی تحریک سے انہوں نے اپنے اردو کلام میں جو اس وقت موجود تھا دو ثلث کے قریب نکال ڈالا اور اسکے بعد اس روش پر چلنا بالکل چھوڑ دیا۔''[2]

جبکہ ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں: ''سن رسیدہ اور معتبر لوگوں سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں انکا دیوان بہت بڑا تھا، یہ منتخب ہے۔ مولوی فضلِ حق صاحب (خیر آبادی) فاضلِ بے عدیل تھے۔ ایک زمانہ میں دہلی کی عدالت ضلعی میں سر رشتہ دار تھے۔ اسی عہد میں مرزا خان عرف مرزا خانی صاحب کوتوالِ شہر تھے۔ وہ مرزا قتیل صاحب کے شاگرد تھے نظم و نثر فارسی

---

[1] آبِ حیات، ص: ۴۵۸، ۴۶۱
[2] یادگارِ غالب، ص: ۹۹

اچھی لکھتے تھے- غرضیکہ یہ دونوں باکمال مرزا صاحب کے دلی دوست تھے ہمیشہ باہم دوستانہ جلسے اور شعر وسخن کے چرچے رہتے تھے- انہوں نے اکثر غزلوں کو سنا اور دیوان کو دیکھا تو مرزا صاحب کو سمجھایا کہ یہ شعر عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے- مرزا نے کہا اتنا کچھ کہہ چکا اب تدارک کیا ہو سکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ خیر ہوا سو ہوا- انتخاب کرو اور مشکل شعر نکال ڈالو- مرزا صاحب نے دیوان حوالے کر دیا- دونوں صاحبوں نے دیکھ کر انتخاب کیا وہ یہی دیوان ہے جو کہ آج ہم عینک کی طرح آنکھوں سے لگائے پھرتے ہیں-"[۱]

شیخ محمد اکرام کے مطابق اس پر مرزا غالب نے اپنی رباعی کا دوسرا مصرعہ بدلا اور اپنے معترضوں کو بجائے "جاہل" کے "سخنوران کامل" کہا-[۲]

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل　　سُن سُن کے اُسے سخنوران کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش　　گویم مشکل وگر نگویم مشکل

4.10.1.4- غالب کا علامہ سے مشورہ سخن اور قبولِ اصلاحِ کلام:

مولانا الطاف حسین حالی بیان کرتے ہیں: "مرزا کے ایک فارسی قصیدے کی تشبیب کا یہ شعر ہے:

ہم چناں در تُتق غیب ثبوتے دارند
بوجودے کہ ندارد زخارج اعیاں

مرزا صاحب خود مجھ (حالی) سے کہتے تھے کہ میں نے "ثبوتے" کی جگہ "نمودے" لکھا تھا- مولوی فضل حق کو جب یہ شعر سنایا تو انہوں نے کہا "اعیانِ ثابتہ" کیلئے نمود کا لفظ نامناسب ہے- اسکی جگہ ثبوت بنادو- چنانچہ طبع ثانی میں انہوں نے بجائے "نمود" کے "ثبوت" بنادیا ہے-"[۳]

۱۔ آب حیات، ص: ۴۶۱
۲۔ حیات غالب، ص: ۵۶
۳۔ یادگار غالب، ص: ۷۸

مؤلف باغی ہندوستان لکھتے ہیں: ''اہل علم جانتے ہیں کہ اس اصلاح نے فلسفیانہ اصطلاح کے مطابق شعر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا- مرزا کو ایسے باریک بینوں اور بال کی کھال نکالنے والوں سے سابقہ تھا-''[1]

عبدالصمد صارم الازہری علامہ اور مرزا غالب کے روابط اور کلامِ غالب کی اثر پذیری کے ایک اور پہلو سے پردہ اٹھاتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

''میں نے متنبّی کے ایسے ستائیس شعر منتخب کئے ہیں جنکا مرزا غالب نے بعینہ ترجمہ کیا ہے، واللہ اعلم یہ اتفاق ہے یا کیا؟ مرزا کی عربی ادب سے دلچسپی کسی زوایت سے ثابت نہیں ہوتی - مرزا کے احباب میں مولانا فضل حق خیر آبادی جیسے لوگوں کی موجودگی سے یہ بعید نہیں کہ انہیں ان اشعار کا مفہوم پہنچا ہو-[2]

4.10.1.5- علامہ غالب کے راہنما اور استاد:

ڈاکٹر سید محی الدین زور قادری لکھتے ہیں: ''الٰہی بخش کے علاوہ ''مولوی فضل حق خیر آبادی'' جیسی سخن فہم اور پاکیزہ ذوق ہستی سے بھی غالب نے اس زمانے میں بہت کچھ حاصل کیا اور ان لفظی و معنوی تعقیدوں سے پرہیز کرنے لگے- جو انکے ابتدائی کلام میں بیدلؔ کی تقلید کا نتیجہ تھا-

اگر مولوی فضل حق سے ملاقات نہ ہو جاتی تو شاید مرتقی میر کی پشین گوئی کی دوسری شِق پوری ہو جاتی جس میں انہوں نے کہا تھا کہ یہ لڑکا بھٹک جائے گا-''[3]

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں: ''مولانا فضل حق خیر آبادی جو علاوہ اپنی علمی اور دینی قابلیت کے اس لئے بھی یاد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے غالب کو ''بیدل'' کی تقلید سے روکا، اور انکی ادبی تربیت کیلئے ایک ''استاد کامل'' ثابت ہوئے جو بقول میر تقی میر مرزا کی شاعری کی نشوونما کیلئے ضروری تھا-''[4]

---

[1] باغی ہندوستان، ص: ۱۵۹

[2] مقام غالب از عبدالصمد صارم ازھری، ص: ۱۱۶

[3] سرگذشت غالب، ص: ۲۰

[4] غالب نامہ، ص: ۸۲،۸۱

بلکہ خود غالب نے تو علامہ کے بارے میں ایک خط میں یہاں تک کہا ہے:

''چوں من صدو عرفی صد ہزار را بہ سخن پرورش تواند کرد۔''[1]

ترجمہ: جو مجھ جیسے سینکڑوں اور عرفی جیسے لاکھوں کی شعر وسخن میں تربیت کر سکتے ہیں۔

غالب نے عرفی کے قصیدے کے جواب میں توحید کے موضوع پر ایک قصیدہ کہا تھا جو انہوں نے مذکورہ بالا خط کے ساتھ علامہ فضل حق کو بھیجا اور رائے مانگی تھی۔[2]

4.10.1.6-غالب کے اخلاق وعادات کی اصلاح:

غالب اور علامہ کے تعلقات کی گہرائیوں کا پس منظر اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں اس دور کے ایک بڑے غالب شناس جناب مالک رام نے پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''اگر مولوی فضل حق خیر آبادی اور انکے رفقاء کی صحبت کا فقط اتنا ہی اثر ہوتا کہ وہ شاعری میں اپنی غلط روش کو چھوڑ کر ایک معتدل راہ پہ آجاتے تو یہ بھی کچھ معمولی بات نہیں تھی۔ مگر اس سے بھی زیادہ قابل قدر کام غالب کی ''اخلاقی اصلاح'' کا ہوا۔ انکی اس زمانے کی جو اخلاقی حالت تھی اگر وہ اسی ڈگر پر قائم رہتے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے دل ودماغ کا کیا حشر ہوتا۔''[3]

اسی بات کا ذکر ڈاکٹر محی الدین زور قادری نے بھی کیا ہے: ''مولانا فضل حق خیر آبادی وہ بزرگ ہستی ہے جس نے غالب کے اخلاق و عادات و شاعری کی اصلاح میں بہت بڑا حصہ لیا۔ انکی بزرگی و عظمت کا اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مرزا جیسے خودرائے اور آزاد رو شاعر و ادیب جن کی نظر میں بڑے بڑے شعراء علماء نہیں جچتے تھے۔ مولانا خیر آبادی کی بڑی تعظیم وعزت کرتے تھے۔''[4]

---

[1] پنج آہنگ، ص:۳۰۰،۳۰۱

[2] مرجع سابق، مکمل خط آگے ص:۱۳۳ تا ۱۳۵، ملاحظہ کیجئے۔

[3] ذکر غالب، ص:۳۵

[4] سرگزشت غالب، ص:۶۲

4.10.1.7-غالب کی مالی مشکلات اور علامہ فضل حق:

شیخ محمد اکرام کہتے ہیں: ''مولوی فضل حق غالب کے سب سے بڑے محب اور محسن تھے انہوں نے نہ صرف مرزا کی شعروسخن کے میدان میں ''راہنمائی'' کی، جوان کا اصل دائرہ عمل تھا اور رند منش غالب کو متانت واستقامت کا راستہ دکھایا اور علم وفضل کی محبت میں استوار کیا بلکہ آگے چل کر انکی مادی مشکلات دور کرنے کی بھی کوشش کی اور مرزا کے تعلقات دربار رامپور سے وابستہ کرائے جو غدر کے بعد مرزا کی زندگی کا سب سے بڑا سہارا تھے۔''[1]

جناب نادم سیتاپوری لکھتے ہیں: ''غالب کو ہر پہلو سے ''غالب'' بنانے کا جو رول مولانا خیر آبادی نے ادا کیا ہے اسکا ایک اہم پہلو مرزا کی وہ مالی مشکلات ہیں جن پر باوجود کوششوں کے وہ زندگی بھر قابو نہ پا سکے---- مصائب وآلام کے اس سخت دور میں اگر کسی نے خلوص دل کے ساتھ مرزا کا ساتھ دیا تو وہ صرف مولانا فضل حق کی خاموش ذات تھی۔''[2]

4.10.1.8-بے تکلفی اور ڈانٹ:

علامہ فضل حق خیر آبادی سے مرزا کے جس قسم کے تعلقات اور ربط ضبط تھا، غالباً یہ منفرد مثال ہے کہ وہ غالب کو بے تکلف ٹوک دیا کرتے تھے اور باوجودیکہ غالب اس معاملے میں غیر معمولی حد تک نازک مزاج واقع ہوئے تھے، پھر بھی مولانا کے آگے سر تسلیم خم کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ (بقول حالی) ''جب مرزا مثنوی امتناع النظیر لکھ کر مولانا کے پاس لائے تو وہ مثنوی کو اس شعر پر ختم کر کے لائے:

در یکے عالم دو تا خاتم مجوی — صد ہزاراں عالم و خاتم بگوی

مولانا نے فرمایا کہ ''یہ تم نے کیا بکا ہے'' کہ متعدد عالموں میں متعدد خاتم ہو سکتے

---

[1] حیات غالب، ص:۵۲

[2] غالب نام آورم، ص:۹۳

ہیں۔نہیں بلکہ اگر لاکھ عالم خدا پیدا کرے تو بھی خاتم النبیین ایک ہی ہوگا۔پس اس مضمون کو مثنوی میں سے بالکل نکال ڈالو اور جس طرح میں کہتا ہوں اس طرح بیان کرو۔[1]

جناب نادم سیتا پوری لکھتے ہیں:''امتناع النظیر کی بحث سے قطع نظر ہمیں تصویر کے صرف اسی رخ پر نظر رکھنا ہے جو غالب اور مولانا فضل حق کے گہرے تعلقات کو اجاگر کرتا ہے، اور حالی کی مرقع نگاری نے جس سیدھے سادے پیرائے میں اسکی عکاسی کردی ہے وہ کسی تشریح و توضیح کی محتاج نہیں۔

نازک مزاج غالب کی ساری زندگی کا جائزہ لینے پر بھی شاید کوئی ایک واقعہ اس نوعیت کا نہ ملے کہ انکے کسی بے تکلف دوست نے برہم ہوکر ان سے کہا ہو کہ:

''یہ تم نے کیا بکا ہے۔۔۔۔۔؟''

ہوسکتا ہے کہ غالب کی نجی اور گھریلو زندگی میں اس سے ملتا جلتا کوئی واقعہ گزرا ہو؟ لیکن جہاں تک ان کے ''فن شعر'' کو چیلنج کرنے کا سوال ہے اسکی مثال شاید ہی کہیں اور ملے۔''[2]

4.10.1.9-غالب کے عقائد و مسئلہ امتناع النظیر:

مثنویاتِ غالب میں چھٹی مثنوی کا عنوان ہے:

بیانِ نموداری شانِ نبوت و ولایت

کہ در حقیقت پرتو نور الانوار حضرت الوہیت ست

اس میں مرزا غالب نے عقائد و نظریات نظم کیے ہیں۔ایک سو اٹھائیس اشعار پر مشتمل یہ مثنوی موضوع مذکور میں دلچسپی رکھنے والوں کیلئے بہت مفید مطالعہ ہے ہم یہاں عنوان کی مناسبت سے منتخب اشعار درج کرتے ہیں:

بعد حمد ایزد و نعتِ رسول   می نگارم نکتۂ چند از اصول

خدا کی تعریف اور رسولِ خدا کی نعت کے بعد میں کچھ اصولِ دین کے نکتے لکھتا ہوں۔

---

[1] یادگارِ غالب از حالی،ص:۲۷

[2] غالب نام آورم،ص:۱۰۰

نورِ محض واصل ہستی ذات اوست　　　　ہر چہ جز حق بینی از آیات اوست

نورِ محض اور ہستی کی اصل اسی کی ذات ہے حق کے سوا جو تمہیں نظر آتا ہے وہ اسکی نشانیوں میں سے ہے۔

نورِ حق ست احمد و لمعانِ نور　　　　از نبی در اولیا دارد ظہور

احمد خدا کا نور ہے اور نبی سے ولیوں میں نور کی چھوٹ پڑتی ہے۔

از نبی واز ولی خواہی مدد　　　　تانہ پنداری کہ ناجائز بود

نبی اور ولی سے مدد چاہیے تو ہرگز یہ نہ سمجھ لینا کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔

ہر کہ اورا نورِ حق نیرو فزاست　　　　ہر چہ از وی خواستی ہم از خداست

وہ جس کو نورِ حق قوت پہنچاتا ہے اس سے جو کچھ دعا کرو وہ خدا سے دعا ہے۔

لیک در پوزش بدرگاہ رفیع　　　　ماہمی آریم پیران را شفیع

لیکن خدا کے دربار میں عذر وانکسار کرتے وقت ہم ان پیروں کی سفارش چاہتے ہیں۔

ور سخن در مولد پیغمبر ست　　　　بزمگاہ دلکش و جان پرور ست

اور اگر میلاد النبی ﷺ کے بارے میں کلام ہے تو وہ ایک دلکش اور روح پرور بزم ہے۔

نکہت موئے مبارک جانفزاست　　　　بارگِ جانش ہمی پیوند ہاست

(رسول اللہ ﷺ کے) موئے مبارک کی مہک جانفزا ہے انکی رگِ جاں سے اسکے گہرے رشتے ہیں۔

ہر کرا دل ہست و ایمان نیز ہم　　　　چوں نوازد عشق با "نقشِ قدم"

جسکے (سینے میں) دل ہے اور ایمان بھی ہے وہ نقش قدم سے عشق کیوں نہ کرے گا۔

بردا و پیرہن کز مصطفیٰ است　　　　جان نیفشاندن زامت کے رواست

مصطفیٰ ﷺ کی چادر اور کرتے پر امت کیسے جان نثار نہ کرے

اولیا را گر گرامی داشتیم　　　　نزپئے رومی و شامی داشتیم

اگر ہم اولیاء کو عزیز رکھتے ہیں تو انکے رومی و شامی ہونے کے سبب نہیں۔

از برائے انکہ این آزادگان　　ازرہ حق جان بجانان دادگان

بلکہ اسلیئے کہ ان آزاد انسانوں نے راہِ راست پر چل کر اپنے محبوب پر جان قربان کردی۔

امتناع نظیر النبی ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں:

وین کہ می گوئی توانا کردگار　　چوں محمد دیگری آرد بکار

اور یہ جو تم کہتے ہو کہ خدائے قادر چاہے تو محمد ﷺ کی مثل دوسرا پیدا کردے۔

باخداوند دوگیتی آفرین　　ممتنع نبود ظہورے ایں چنیں

جس خدا نے دونوں جہان پیدا کئے ہیں، اس کے لئے یہ ناممکن نہیں کہ وہ محمد ﷺ کا مثل ظہور میں لے آئے۔

نغز گفتی نغز تر باید شنفت　　آنکہ پنداری کہ ہست اندر نہفت

تم نے اچھی بات کہی، اب اس سے اچھی بات سنو، تم جو سمجھتے ہو کہ عدم میں انکا مثل نہاں ہے جو ظہور میں آسکتا ہے۔

گرچہ فخر دودۂ آدم بُود　　ہم بقدر خاتمیت کم بُود

اگر چہ وہ نسل انسانی کیلئے فخر ہوگا لیکن پھر بھی اس میں ''خاتمیت'' کی کمی رہ جائیگی۔

صورتِ آرایش عالم نگر　　یک مہ و یک مہر و یک خاتم نگر

دیکھ کہ دنیا کی آرائش کس طرح ہے، اس میں ایک سورج ہے، ایک چاند ہے اور ایک ہی خاتم ہے۔

قدرت حق بیش ازیں ہم بودہ است　　ہرچہ اندیشی کم از کم بودہ است

خدا کی قدرت اس سے بھی زیادہ ہے جتنی تم سمجھتے ہو، وہ بھی کم سے کم ہے۔

لیک دریک عالم از روئے یقین　　خودنمی گنجد دو ختم المرسلین

لیکن یقین کی رو سے یہ بات نہیں مانی جاسکتی کہ ایک ہی دنیا میں دو دو آخری پیغمبر ہوں۔

یک جہاں تا ہست یک خاتم بس ست　　قدرت حق را نہ یک عالم بس ست

جب تک ایک دنیا ہے ایک ہی اسکا آخری پیغمبر ہوگا - البتہ خدا کی قدرت ایک دنیا پر ختم

نہیں ہوگی۔

خواہد از ہر ذرّہ آرد عالمی　　　　ہم بود ہر عالمی را خاتمی

وہ چاہے تو ہر ایک ذرے سے ایک دنیا پیدا کردے اور پھر ہر دنیا کا ایک خاتم ہو۔

ہر کجا ہنگامہ ٔ عالم بود　　　　رحمۃٌ للعالمینی ہم بود

جہاں کہیں بھی دنیا کی چہل پہل ہوگی، وہاں کوئی رحمۃ للعالمین بھی ضرور ہوگا۔

کثرتِ ابداع عالم خوب تر　　　　یا بیک عالم دو خاتم خوب تر

بہتر کیا ہے؟ نئی نئی دنیاؤں کا وجود میں آنا یا ایک دنیا میں دو دو خاتم کا ہونا؟

دریکی عالم دو تا خاتم مجوی　　　　صدہزاراں عالم و خاتم بگوی

اس ایک دنیا میں دو خاتم کی امید نہ رکھو، ہاں یہ کہو کہ لاکھوں دنیائیں ہوں اور انکے اپنے اپنے خاتم ہوں۔

غالب ایں اندیشہ نپذیرم ہمی　　　　خوردہ ہم برخویش می گیرم ہمی

غالب یہ کیا بات کہی۔ یہ مجھے قبول نہیں، میں خود اپنی غلطی پکڑتا ہوں۔

ایکہ ختم المرسلینش خواندۂ　　　　دانم از روی یقینش خواندۂ

یہ جو تم نے (محمد ﷺ کو) ختم المرسلین کہا تو ظاہر ہے کہ پورے یقین سے ہی کہا ہوگا۔

این ''الف لامی'' کہ استغراق راست　　　　حکم ناطق معنی اطلاق راست

''ختم المرسلین'' میں الف لام استغراق کا ہے اسکے معنی ہوئے کہ مطلق مرسلین۔ (یعنی تمام رسولوں کے خاتم)۔

مبدأ ایجاد ہر عالم یکیست　　　　گردو صد عالم بود خاتم یکیست

چونکہ ہر عالم کا مبدا ایک ہی ہے، اس لئے اگر دو سو عالم بھی ہوں تو ان کا خاتم ایک ہی ہوگا۔

صانع عالم چنیں کرد اختیار　　　　کس بعالم مثل نبود زینہار

دنیا کے پیدا کرنے والے کی مرضی یہی تھی کہ دنیا میں محمد کی مثل ہرگز نہ ہونے پائے۔

این نہ عجزست اختیارست ای فقیہ   خواجہ بی ہمتا بود لاریب فیہ

اے عالم دین، یہ قدرت خدا کی عاجزی نہیں بلکہ اختیار ہے۔ رسول بے مثال ہیں اس میں کوئی شک نہیں۔

ہر کرا با سایہ نہ پسندد خدا   ہمچو اوئی نقش کی بندد خدا

خدا نے جس ہستی کا سایہ تک نہ بنایا ہو اسکی مثال کیسے بنا دے گا؟

ہم گہر مہر منیرش چوں بود   سایہ چوں نبود نظیرش چوں بود

روشن سورج بھی انکی اصل میں موجود نہیں، جس وجود کا سایہ نہ پڑتا ہو اسکا ثانی کیسے ہو سکتا ہے؟

منفرد اندر کمال ذاتیست   لاجرم مثلش محال ذاتیست

رسول اپنی ذاتی صفات میں یکتا ہیں یقیناً انکا مثل ممتنع بالذات (قطعی ناممکن) ہے۔

زین عقیدت برنگردم والسلام   نامہ را درمی نوردم والسلام

میں اس عقیدے سے منہ نہیں پھیر سکتا، اب تحریر تمام کرتا ہوں، والسلام!![1]

حالی لکھتے ہیں کہ ''مولانا فضل حق خیر آبادی نے مرزا غالب پر نہایت اصرار کے ساتھ یہ فرمائش کی کہ فارسی میں وہابیوں کے خلاف ایک مثنوی لکھ دو، جس مین انکے بڑے بڑے اور مشہور عقیدوں کی تردید اور خاص کر امتناعِ نظیر خاتم النبیین کے مسئلے کو زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان کرو۔۔۔۔ مرزا نے اول عذر کیا کہ مسائلِ علمی کا نظم میں بیان کرنا مشکل ہے، مگر انہوں نے نہ مانا، لاچار مرزا نے ایک مثنوی لکھ کر مولانا کو سنائی۔ انہوں نے بے انتہا تعریف کی۔۔۔۔ مگر جو کچھ مرزا نے مسئلہ نظیر خاتم النبیین کے باب میں کسی قدر مولانا کی رائے کے خلاف لکھا تھا، اس پر مولانا سخت ناراض ہوئے۔

---

[1] مثنوی کیلئے دیکھئے ''مثنویات غالب'' مع ترجمہ مطبوعہ دہلی، ص: ۹۴ تا ۱۱۰

مولانا حالی مزید لکھتے ہیں: ''جب مرزا اول بار مثنوی لکھ کر مولانا کے پاس لائے تو مندرجہ ذیل شعر پر ختم کر کے لائے تھے:

در یکے عالم دو تا خاتم مجوی　　　صد ہزاراں عالم و خاتم بگوی

مولانا نے فرمایا کہ ''یہ تم نے کیا بکا ہے۔[1] کہ متعدد عالموں میں متعدد خاتم ہو سکتے ہیں؟ نہیں بلکہ اگر لاکھ عالم بھی خدا پیدا کرے، تو بھی خاتم النبیین ایک ہی ہوگا۔ پس اس مضمون کو مثنوی میں سے بالکل نکال ڈالو، اور جس طرح میں کہتا ہوں اس طرح بیان کرو'' ---- انہوں نے مولانا کے حکم کی فوراً تعمیل کی جو کچھ پہلے لکھ چکے تھے اسکو تو اسی طرح رہنے دیا، مگر اسکے آگے چند اشعار اور اضافہ کر کے کلام کو مربوط کر دیا۔[2]

جہاں تک مولانا الطاف حسین حالی کے بیان کردہ واقعہ کی صحت کا تعلق ہے تو وہ علامہ کا مسئلہ امتناع نظیر النبی ﷺ سے اعتنا، غالب سے گہرے دوستانہ مراسم اور بے تکلفی، غالب کا علامہ کا پایۂ سخن سنجی ماننا اور مشورۂ سخن کرنا، اور علامہ کا غالب کی راہنمائی کرنا ---- ان سب حقائق کے باعث کافی حد تک درست قرار دیا جا سکتا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ علامہ نے فرمائش کی ہو اور پھر ہمیشہ کی طرح اصلاح کی ہو۔

مگر اس واقعہ پر مولانا حالی کا یہ تبصرہ ہرگز درست قرار نہ پائے گا، جس میں وہ کہتے ہیں: مرزا کو نہ وہابیوں سے کچھ خصومت تھی اور نہ انکے مخالفوں سے کچھ تعلق تھا، بلکہ صرف دوست کی رضا جوئی مقصود تھی ---- اور مسئلہ امتناع نظیر النبی ﷺ پر جو کچھ بعد میں لکھا ہے، وہ مولانا کے جبر سے لکھا ہے، اسکو مرزا کے اصلی خیالات سے کچھ تعلق نہیں۔''[3]

مولانا حالی کا یہ تبصرہ حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا، مرزا غالب کی یہ مثنوی اپنے آغاز سے اختتام تک حالی کے اس گمان کی تردید کرتی ہے اس لئے مجبوری، رضا جوئی اور

---

[1] اس جملے سے جہاں ان دونوں کی بے تکلفی ثابت ہے، وہاں اس مسئلے سے علامہ کا اعتنا ثابت ہے اور یہ کہ وہ اس پر کس قدر سنجیدہ اور حساس تھے۔

[2] یادگار غالب، ص: ۷۰ تا ۷۲

[3] مرجع سابق، ص: ۷۲، ۷۳

امتثال بالامر کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ علامہ کے کہنے کے مطابق اس مضمون کو مثنوی سے بالکل نکال ڈالتے، مگر انہوں نے ایسا کچھ نہ کیا، بلکہ اپنی علمی لغزش پر متنبہ ہونے پر سر تسلیم خم کیا اور کہا:

غالب ایں اندیشہ نپذیرم ہمی　　خوردہ ہم برخویش می گیرم ہمی

ترجمہ: غالب یہ کیا بات کہی یہ مجھے قبول نہیں، میں خود اپنی غلطی پکڑتا ہوں۔

اور پھر اس اضافے کے آخری شعر میں مثل محمد مصطفےٰ ﷺ کے ممتنع بالذات ہونے کا ذکر کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں:

''زین عقیدت برنگردم والسلام: میں اس عقیدے سے منہ نہیں پھیر سکتا۔

معلوم ہوا کہ غالب بھی علامہ فضل حق خیر آبادی کے طرف دار تھے اور امتناع نظیر النبی ﷺ بالذات کے معتقد تھے۔ وہ وہابیہ کے اعتقادات کے خلاف تھے، نہ صرف تقویۃ الایمان کی عبارات پر تنقید اور بحثا بحثی کے زمانے ۱۸۲۴ء/۱۲۴۰ھ میں، بلکہ زندگی بھر انکے یہی عقائد رہے، حتیٰ کہ علامہ فضل حق کی وفات کے بعد بھی۔ اسکا ثبوت غالب کی ۱۸۶۵ء میں شائع ہونے والی اس تحریر سے ملتا ہے جو عود ہندی میں محفوظ ہے[1] اسکے مطابق مرزا رحیم بیگ نے اپنی تصنیف ''ساطع برہان'' میں (جو کہ ۱۲۷۶ھ کو تالیف ہوئی اور ۱۲۸۳ھ میں شائع ہوئی) صاحبِ قاطع برہان کی توہینِ رسالت پر مبنی گستاخانہ عبارت نقل کی۔ اس پر غالب نے انکی بڑی شدت سے گرفت کی اور جواب لکھا: ''مرزا رحیم بیگ صاحب: افسوس کی بات ہے تم نے اس بیان خاص میں قاطع برہان والے کے قول کو کیوں کر مانا؟ ہے ہے! ------''[2]

اپنے اس طویل جواب میں انہوں نے علامہ فضل حق خیر آبادی کی کتاب ''تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ'' سے استدلال کیا ہے۔ استدلال پیش کرنے سے قبل مرزا غالب

---

[1] دیکھئے ''عود ہندی'' مطبوعہ، لاہور ۱۹۶۷ء، ص: ۳۷۲ تا ۳۷۷

[2] مرجع سابق، ص: ۳۷۳

نے جس انداز میں اس کتاب اور صاحبِ کتاب کا وصف بیان کیا ہے وہ نہ صرف اس بات کا اعلان ہے کہ وہ خود عقائدِ وہابیہ کے مخالف تھے بلکہ انہوں نے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ اس عہد کے باقی علماء بھی تحریکِ وہابیہ کو ناپسند کرتے تھے۔

مرزا غالب لکھتے ہیں: ''سنو فخر الفضلا و ختم العلماء امیر الدولہ مولوی محمد فضل حق رحمۃ اللہ علیہ نے ردعقائد وہابیہ میں بزبانِ فارسی (۱۲۴۰ھ میں) ایک رسالہ لکھا ہے، اور اس عہد کے علماء کی اس پر مہریں ہیں۔ اس رسالے میں جناب مولوی صاحب مرحوم (ف ۱۸۶۱ء) لکھتے ہیں کہ ---- پس بموجب فتوئے علمائے اسلام فقرۂ مذکور کا لکھنے والا کفر میں شداد سے اشد اور کذب میں مسیلمہ کذاب سے سوا ہے، خیر عقبی میں وہ خالق کا مقہور اور دنیا میں خلق کا مطعون ہوگا ----''[1]

معلوم ہوا کہ مرزا غالب کے نظریات و عقائد یہی تھے ۱۸۲۴ء میں یعنی عہد جوانی میں بھی اور ۱۸۶۵ء یعنی زمانہ پیری میں بھی۔ رہی مولانا حالی کی رائے، کہ غالب کے اس اعتقاد میں دوست کی رضا جوئی مقصود تھی اور ایسا لکھنا مولانا کے جبر کے باعث تھا، تو یہ رائے علامہ کی زندگی میں ثابت نہیں اور وفات کے بعد تو محض بے اصل قرار پاتی ہے۔ کہ علامہ کی وفات کو اس تحریر تک چار سال کا عرصہ ہو چکا تھا اور علامہ اور غالب کا رابطہ منقطع ہوئے سن ستاون سے آٹھ سال بیت چکے تھے۔ تو بتایئے اب کونسی رضا جوئی مقصود تھی اور کونسا جبر حائل تھا؟!۔

4.10.1.10- غالب کا مقدمۂ جائیداد میں علامہ سے رابطہ:

۱۸۲۵ء سے ۱۸۲۹ء تک کا عرصہ وہ ہے جب غالب مقدمۂ جائیداد کے سلسلے میں کلکتہ میں مقیم تھے اس عرصے کی غالب کی علامہ فضل حق اور دیگر احباب سے جو خط و کتابت سینۂ تاریخ نے محفوظ رکھی ہے وہ بہت کم ہے مگر غالب کے دل میں علامہ کی جو تعظیم و توقیر اور قدر و منزلت تھی اسکو سمجھنے میں مشتے از خروارے کا درجہ رکھتی ہے۔

---

[1] دیکھئے عودِ ہندی، ص: ۳۷۶، ۳۷۷

4.10.1.10.1-فیروز پور جھرکا سے علامہ کے نام ایک منفرد معذرت:

۱۸۲۵ء کے وسط میں جب غالب دہلی سے کلکتہ کیلئے روانہ ہوئے تو علامہ سے نہ مل سکے تھے، اس لئے دہلی سے قریب فیروز پور جھرکا کے مقام ہی سے علامہ فضل حق کے نام ایک معذرت لکھی جو صنعتِ تعطیل میں ایک نثری نظم ہے بعد میں غالب نے اسے القاب وآداب اور خطوط نویسی کے لوازم کے ذکر میں اپنی تصنیف پنج آہنگ میں بھی شامل کیا، اور اس خط کا تعارف یوں کروایا:

ناچار نخست بعزم زمین بوس عم مغفور خلد آهنگ فخرالدوله دلاور الملک نواب احمد بخش خان بهادر رستم جنگ بپایِ تخت آن مرزبان بارای و فرهنگ که جنوب رویهٔ دهلی بچهل کروهی دامنست پای خاکی کردم- از بسکه سراسیمگی سراپای دل را فرو گرفته بود ، از بزرگان وطن پدرود ناشده براه افتادم- هر چند ازان مردم شرمندهٔ مهر و وفائی نبودم که در حسرت فوت فرصتِ تودیع پشت دستے بدندان بایستے گزید ، لیکن پارسا گوهر دستے و آشناپرور یارے داشتم، چون من برمن مهربان و چون دل در سینه جاگزین ، پشتِ خرد راپناه و بازوی دانش را نیرو ، رسائی ازو دور بالیدن و آگاهی ازو در نمو، زود پیوند دیر گسل سر بزرگ کوچک دل مستغرق تماشای جمال وجه مطلق مولوی حافظ محمد فضل حق که از وے دستورے ناخواسته سفر کردن بمذاق شوقم ناگوار افتاد ومعذا میانهٔ من و او شکر آبی نیز بود- دل بدرد آمد و جان بیغمای اندوه رفت- چون کاروان بمنزل رسید و رهرو از رنجِ راه برآسود، کتابتے در صنعت تعطیل بخدمتش فرستاده شد و سوزش و پوزش را با آمیخته بدین رنگ سخن گزارده آمده-

خط:

عالمِ اعلم و عالمِ علم، عالمِ عامل و عاملِ عادل، در حلم علم و در عمل سمر دام اکرامه، ط–

آلودۂ عالم عالم دردِ دل، اسدالله، سلامِ معمول الاسلام ادا کرده احرامِ درسِ اسرارِ مدعا دارد–

دردِ عدمِ وداعِ همدگر اگر صد عمر در گرو درد و ملالم دارد، روا اماوالله کمالِ گم کردۂ حواس و سراسر و هم و هراس آمده ام– اگر دلِ مولا گله آلود گردد، وا دردا–

هر گاه آدم عهدِ کردگار را سهو کرد و عمر در سرِ لهو کرد روح را در هوس مسرور کرد و دل را در حرص کامل، در معاملۂ دهر کم طالع آمد و در امرِ معاد کاهل – دلِ آگاه را ادراکِ مصالح کار سهل و مردمِ گمراه را اصلاحِ حالِ محال–ملكِ العلام آگاه، دوم درد آلوده گواه که الحال دلِ وداد محمل وداعِ حرص و هوا کرده گردِ ملال مرا در احاطۂ دردِ عمر کاه در آورده– والله عهد کردم که اگر مردم، گِردِ هوسِ کم گردم–

سالکا، واصلا، مکرما، مطلعا، الحال که محرر درِ دلاور الملك را دامگاه ورود کرده طمع دارد که اعلام حالِ ساهوکار مکرر کرده و طرحِ سود و اصل– وامِ اورا در احاطۂ مدِ اطلاع در آورده راحله در مرحله سر دهد، مگر دلِ والهِ عدوکام در صحرا رهد، اما عم کامگار در وهم و هراسِ مکر و حسدِ اعداء و دردِ عدم محاصلِ سرکارِ الور و ملال در آمد دگر ها سرگرم و سوگوار و گم کردۂ آرام – اورا مهر کو که کس را دل دهد و همم در اصلاحِ حاصلِ کس گمارد و مرا دلِ آسودۂ رام و طورِ آرام کو که سرِ صداعِ آلوده در کوهسار مالم و دل را در طمعِ امدادِ کار سالها در ورطۂ

طولِ امل دارم— حاصل الامر دل دز وداعِ گلۂ طالع و سر در کلاہِ احاطۂ کرمِ کردگار در آوردہ احرامِ صحرا دارم کہ گرد کردار و صر صر وار آوارۂ عالم گردم— اگر طالعِ مسعود کہ لوحِ طلسم مراد دارد مدد کرد و عروسِ مدعا سر در دامِ ارادۂ دعا گو در آورد— ھوالمراد و الا لامحالہ در گامِ اول رھروِ راہِ عدم و در سلسلۂ اھلِ کار عارِ دودۂ آدمم، الملک للہ و الحکم للہ

ع

(م)صرصرِ صد دمِ سرد آمد دل
ھمہ درد و ھمہ گرد آمد دل

گہ درم دامِ دلِ ما گردد
گہ کرم کامِ دلِ ما گردد

ھوسِ طرۂ طرار او را
حرصِ وصل و سرِ دلدار او را

سادہ دل گردِ ھوسھا گردد
کہ عسل دامِ مگسھا گردد

معاملۂ سوگرِ ولد الحرام دلِ گرمِ مھرِ سراسر کرمِ مولا را درمادہ اسدِ کم طالع سرد کردہ و کلامِ ھمدمِ صمصامِ حسدِ علام سراسر آلام— او گرہِ ملال در دل و داد اساسِ والا در آوردہ— مآمول کہ گردِ ملال ھوا گردد و گرہِ دل وا گردد— ملک الودود طولِ عمر و دوامِ مال، کمالِ سلام و صلاحِ حال، عطا دارد، والسلام والاکرام—[1]

<u>ترجمہ تمہید</u>: مجبورا پہلے عمِ مغفور (بخشے ہوئے چچا) خلد آشیان فخر الدولہ دلاور الملک نواب

---

[1] فارسی متن کیلئے دیکھئے "پنج آہنگ" ص:۱۲۸ تا ۱۳۱

احمد بخش خان بہادر رستم جنگ کی زمین بوسی کے ارادے سے، اس زبان ولغت کے حکمران کے پایہ تخت پہنچا جو دہلی کے جنوب کی طرف چالیس کوس کے فاصلے پر ہے- چونکہ دل کو بہت ہی پریشانی نے گھیر رکھا تھا اس لئے وطن کے بزرگوں سے رخصت لئے بغیر چل پڑا، اگرچہ میں ان کی محبت اور وفا کے سامنے اتنا شرمندہ نہیں ہوں کہ الوداع کی فرصت نہ پانے کی حسرت میں ہاتھ کی پشت دانتوں سے کاٹنے لگوں، لیکن میں موتیوں کی حفاظت کرنے والا ہاتھ اور دوست پرور یار رکھتا ہوں جو میری طرح مجھ پر مہربان اور دل کی طرح سینے میں جاگزین ہے، عقل کی پشت کے لئے جائے پناہ اور حکمت ودانش کے بازو کی قوت، مطالب عالیہ تک رسائی اس کی بدولت ترقی پزیر اور علم اس کے ذریعے کمال حاصل کرنے والا، جلد تعلق قائم کرنے والا، دیر سے توڑنے والا، بڑے سر اور چھوٹے دل والا، وجہ مطلق (اللہ تعالیٰ کے جمال کے دیدار میں مستغرق)، مولوی حافظ محمد فضل حق کہ ان سے اجازت حاصل کئے بغیر سفر کرنا میرے شوق کے مذاق میں ناگوار گزرا، باوجود یکہ میرے اور ان کے درمیان اتحاد کی حد تک قرب بھی تھا، دل رنجیدہ ہوا اور غم نے میری جان کو غارت کر دیا، جب قافلہ منزل تک پہنچا اور مسافر نے سفر کی تکلیف سے نجات پائی تو تحریر کو اس رنگ سخن سے مزین کرکے پیش کیا گیا-

ترجمہ خط:

عالِم اعلم و عالِم عَلَم، عالِم عامل و عامل عادل، درِ علم عَلَم، دُرِ عمل سَمر، مجھ پر آپ کا کرم ہمیشہ رہے-

اسد اللہ جو کہ دنیا بھر کے گناہوں میں آلودہ ہے مگر دردِ دل کی قدر جانتا ہے-

سنتِ اسلام کے مطابق سلام ادا کرکے اپنے مدعا کے اسرار فاش کرنے کا احرام باندھتا ہے-(یعنی عرض مدعا کرتا ہے)-

اگر باہم ایک دوسرے سے مل کر رخصت نہ ہونے کا صدمہ مجھے ایسی سو عمروں تک بھی درد و ملال میں مبتلا رکھے تو روا ہے، لیکن خدا کی قسم میرے حواس قطعی گم ہو گئے ہیں

اور میں سراسر وہم و ہراس بن گیا ہوں- اگر آپ کا دل شکایات سے پر ہو جائے تو آپ حق بجانب ہیں-

جب آدم (انسان) نے اس عہد کو بھلا دیا جو اس نے خدا کے ساتھ کیا تھا اور اپنی عمر غیر مفید کاموں میں صرف کر دی- اپنی روح کو ہوس رانی سے خوش کیا اور دل میں کمالِ حرص کو جگہ دی (نتیجہ یہ ہوا کہ) وہ دنیاوی معاملات میں بدنصیب نکلا اور اسکے ثوابِ آخرت میں کمی آ گئی - دلِ آگاہ کیلئے مصالح کار کا ادارک آسان ہے مگر گمراہ آدمی کی اصلاحِ حال محال ہے، ملک العلام (خدا) آگاہ ہے اور میری درد آلود آہیں گواہ ہیں کہ اب میرے اس دل نے جو محبت کا گہوارہ ہے حرص و ہوا کو رخصت کر دیا ہے اور صدمات نے اسے احاطہ درد میں گھیر لیا ہے جو عمر کو ہر لحظہ کم کیے جا رہا ہے- بخدا میں نے عہد کر لیا ہے کہ اگر میں مرد ہوں تو کبھی لہو و لعب کے پاس نہ جاؤں گا-

راہِ سلوک پر چلنے والے! مقام وصول پر فائز! میرے کرم فرما! اور میرے آقا! فی الحال جب کہ یہ راقم الحروف دلاور الملک کے مکان پر مقیم ہے تو میری خواہش یہ ہے کہ میں ان سے ساہوکار کے قرض اور اس کے اصل و سود کا حال بیان کر کے یہاں سے سفر کر جاؤں مگر میرا دلِ شیفتہ جو میرے مقاصد کا دشمن ہے مجھے صحرا نوردی پر آمادہ کرتا ہے، لیکن میرے محترم چچا دشمنوں کے مکر و حسد کے وہم و ہراس میں گھرے ہوئے ہیں- انہیں ریاستِ الور کے محاصل (واجبات) کی عدم ادائیگی کی بھی فکر ہے، انہیں موسم گرما کے آنے کا بھی غم ہے- اس حالت میں انکا آرام و چین جاتا رہا ہے- انہیں اتنی فرصت کہاں ہے کہ کسی کی طرف از راہِ عنایت توجہ فرمائیں اور کسی کی اصلاحِ حال کی طرف متوجہ ہوں- میرا یہ حال ہے کہ نہ دل کو چین ہے، اور نہ جسم کو راحت- اپنے اس سر کو جس میں درد رہتا ہے پہاڑوں سے ٹکراتا ہوں اور دل کو برسوں تک کار برآری کی طمع میں امیدوار رکھتا ہوں- حاصل کلام یہ ہے کہ اب میں نے اپنی بدنصیبی کی شکایت کرنی چھوڑ دی ہے اور خدا کے کرم پر بھروسہ کر کے میں نے صحرا نوردی کا ارادہ کر لیا ہے تا کہ غبار کی مثل اور آندھی

کی طرح ویرانہ عالم میں پھروں اگر نیک بختی نے جس پر طلسم مراد کندہ ہے-میری مدد کی اور مقصود کی دلہن مجھ دعا گو (راقم الحروف) کے ارادہ کے جال میں پھنس گئی (یعنی خوش قسمتی سے میرا ارادہ حسب مراد پورا ہو گیا) تو فبہا- ورنہ میں یقیناً پہلے ہی قدم میں ملک عدم کو روانہ ہو جاؤں گا- (اب میرا حال یہ ہے کہ باعتبار سعی وکوشش) بنی نوع انسان کیلئے باعث شرم ہوں- ملک بھی اللہ کیلئے ہے اور حکم بھی اللہ کیلئے-

ترجمۂ اشعار:

۱- (آخر دل کی حقیقت یہ نکلی) کہ وہ سینکڑوں سرد آہوں کی آندھی تھی اور وہ سراپا غم و اندوہ تھا-

۲- کبھی کرم ہمارے دل کا مقصد بن جاتا ہے اور کبھی ہمارا دل روپے پیسے کے جال میں پھنس جاتا ہے-

۳- میرے دل کو ہر وقت محبوب کی ان زلفوں کو مس کرنے کی آرزو رہتی ہے جو دل چرا لیتی ہیں نیز اسے ملاقات محبوب کی خواہش شدید اور ہر وقت محبوب کا خیال رہتا ہے-

۴- سادہ دل خواہشاتِ نفسانی میں پھنسا رہتا ہے اسکی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ شہد خود ہی مکھیوں کے جال بن جائے-

ولد الحرام سوداگر کے معاملہ نے جناب کے گرم جوش دل اور سراپا کرم مہربانی کو کم نصیب اسد (غالب) کے بارے میں ٹھنڈا کر دیا ہے- اور حسد کی تلوار کے ساتھی اور سراپا مصائب کے کلام نے محبت کی بنیاد والے دل میں ناراضگی کی گرہ ڈالی دی ہے، امید ہے کہ ناراضگی کا غبار زائل ہو جائے گا اور دل کی گرہ کھل جائے گی- اللہ تعالیٰ لمبی عمر، مال کی ہمیشگی، کمال سلامتی اور حال کی درستی عطار کھے والسلام والاکرام-[1]

---

[1] خط کے ترجمہ کیلئے دیکھئے مکتوبات غالب از لطیف الزماں خان، ص: ۶۴ تا ۶۸-

4.10.1.10.2-غالب کا بنارس سے علامہ کے نام رقعہ:

غالب اپنے کلکتہ کے لئے سفر میں بنارس پہنچے، اور وہاں چار ہفتے قیام کے بعد پٹنہ روانہ ہوئے- وہاں سے غالب نے رائے چھجمل کھتری کے نام ایک خط بھیجا، اس میں تین عدد رقعے بھیجنے کا بھی ذکر ہے- اس خط کے مطابق ان میں سے ایک رقعہ علامہ فضل حق کے نام تھا، غالب کا یہ خط بھی پنج آہنگ میں محفوظ ہے-[1] اور یہ خط تقریباً جولائی ۱۸۲۷ء کا تحریر کردہ ہے-[2]

4.10.1.10.3-غالب کلکتہ میں:

غالب ۲۰/فروری ۱۸۲۸ء کو کلکتہ پہنچے اور ۲۸/اپریل کو گورنر جنرل کے پرشین سیکرٹری مسٹر انڈریو اسٹرلنگ اور حکومت کے پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کے سیکرٹری مسٹر سائمن فریزر سے ملے اور اپنی عرضداشت پیش کی-

۲۰/جون ۱۸۲۸ء کو غالب سے کہا گیا کہ وہ ضابطہ کے مطابق اپنا مقدمہ ریذیڈنٹ دہلی کے توسط سے پیش کریں- یہ سن کر وہ بے انتہا پریشان ہوئے کیونکہ انکے بس میں نہ تھا کہ دلی واپس جائیں اور پھر کلکتہ آئیں- غالب کہتے ہیں کہ جب مسٹر اسٹرلنگ نے میری فریاد یعنی عذر سنا تو اسے مجھ پر رحم آیا اور کہا کہ ''اگر تم دہلی نہیں جا سکتے تو نہ جاؤ لیکن مقدمہ وہاں بھیج دو-''

4.10.1.10.4-غالب کے اخوان الصفا:

مسٹر اسٹرلنگ سے مشورہ کے بعد اپنی پریشانی کا ذکر غالب نے ایک خط میں یوں کیا ہے: ''میں گھر واپس آیا اور دہلی کے دوستوں میں سے ایک ایک کے متعلق سوچنے لگا کہ ان میں سے حاجت مند کے کون کام آ سکتا ہے؟ اور وکیل بنانے کے لائق کون ہے؟ کیوں کہ مدعی (شوکت و امارت سے قطع نظر کر کے) دہلی کے شریف ترین روسا میں سے

---

[1] پنج آہنگ، ص: ۳۸۲،۳۸۳

[2] پنج آہنگ، ص: ۶۵۸- و مکتوبات غالب از لطیف الزمان خان، ص: ۵۸

ہے۔ بہت سے لوگوں پر اس کا گمان ہوا کہ انکے لئے دشمن کی شان وشوکت کو دیکھتے ہوئے
اور ہم وطنی کا لحاظ اور آبائی تعلق پر نظر کرتے ہوئے اعلانیہ مقابلے پر آنا اور شرم وحیا کے پردہ
کو اٹھا دینا، بالخصوص مجھ جیسے بدبخت کیلئے دشوار ہوگا نیز بعض لوگوں کے متعلق دل میں یہ
خیال گزرا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ دشمن سے مل جائیں اور میرے کام کی تباہی کو اپنے تعلقات کی
استواری کا وسیلہ بنالیں۔ کیونکہ اس عالمِ کون وفساد میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ مولوی
فضل حق کے نام کا قرعہ نکل آیا۔

یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ مولوی فضل حق ابن مولوی فضل امام منشی برکت علی خان
مرحوم کے اعزہ میں سے ہیں وہ آج کل ضلع دہلی کی دیوانی اور فوجداری عدالت میں سررشتہ
دار ہیں۔ خدا انہیں زندہ رکھے اور بلند مراتب پر سرفراز کرے۔ میں نے انہیں اپنا صحیح
مخاطب سمجھ کر انتخاب کیا اور انہیں لکھا کہ ''اگر آپ ان حالات اور میری تکلیف میں چارہ
سازی کرسکیں تو لکھئے تاکہ میں اپنے معاملات آپ کے سپرد کروں۔'' چونکہ وہ ''اخوان
الصفا'' میں سے تھے انہوں نے مدد کرنے سے دریغ نہ کیا بلکہ (پنڈت ہیرالال کو) وکیل
مقرر کرکے مجھے مطلع کردیا۔''[1]

اس پر غالب نے ۱۴ر صفر ۱۲۴۴ھ/ ۲۶ر اگست ۱۸۲۸ء کو مقدمہ کے تمام کاغذات
دہلی بھیجے۔ غالب کے بقول ''ہنوز اس مراسلہ کے پہنچنے کی مدت ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ مولوی
فضل حق کا خط آگیا۔ جس میں مرقوم تھا کہ اپنا مختار نامہ بغیر دستخط رجسٹری کے نہ بھیجنا۔ حال
آنکہ وہ مختار نامہ جو میں بھیج چکا تھا اس رجسٹری پر دستخط نہ تھے۔ لہٰذا فی الفور ایک اسٹیمپ
خرید کے اس پر مختار نامہ لکھ کر رجسٹری کرایا اور بلا تاخیر (۴ر ربیع الاول ۱۲۴۴ھ/ ۱۵ر ستمبر
۱۸۲۸ء کو) پہلے خط کے پیچھے ہی روانہ کردیا۔''[2]

---

[1] مکتوبات غالب از لطیف الزمان خان، ص: ۱۰۶، ۱۰۷

[2] مرجع سابق، ص: ۱۰۷

4.10.1.10.5-غالب کے چارہ گر:

آج جمادی الاول کی سترہ یا اٹھارہ تاریخ (یعنی اخیر اکتوبر) ہے- اس خط کے متعلق کوئی اطلاع نہیں آئی -اب تک تاکید کیلئے پے در پے سات خط بھیج چکا ہوں -مگر کوئی جواب نہیں آیا-اب آپ دیکھئے کہ میرے چارہ گر اور کام کرنے والے کا حال تو یہ ہے جو میں نے طویل عبارت اور پریشانی کے طور پر لکھا، اور گھر کا حال یہ ہے کہ میرا ایک بھائی ہے جو دیوانہ ہو گیا ہے اور حواس باختہ ہے- بھائی کے علاوہ تین پردہ نشین پاشکستہ عورتیں ہیں- ان میں سے ایک بیوہ ہے دوسری کا شوہر ہے وہ خود میرا سالا ہے اور اس مقدمہ میں خواجہ حاجی کے ساتھ وہ بھی جزو اعظم ہے- البتہ مجھے اس سے ڈر لگتا ہے اور ایسے آدمی سے دور رہنا تقاضائے عقل ہے نہ کہ وہم کی بنا پر- لیکن تیسری عورت کا شوہر بہ لحاظِ نسب سید، سادات دہلی میں سے ہے اور عالمِ آدمی ہے، میں قرآن اٹھا کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ شخص اہلِ جنت میں سے ہے- کیونکہ

آدم از خاک و سید از نور است
آدمیت زسیداں دور است

چونکہ وہ کسی مفید مشورے کے تو قابل تھا نہیں میں نے اسے اس خدمت پر مامور کیا ہے کہ وہ مقدمہ کے حالات لکھتا رہے اور کبھی کبھی نہیں بلکہ اکثر مولوی فضل حق صاحب کے پاس جایا کرے،-مگر میں اس کے جدامجد کے قربان جاؤں کہ ان تین ماہ میں اس نے ایک خط سے زیادہ نہیں لکھا اور اس میں میرے کام کی کوئی خوشخبری نہیں لکھی-

اے قبلہ گاہ! میں کیا کہوں اور کس طرح فریاد کروں - آپ خدا کیلئے میری حالت پر نظر کیجئے اور میری بے کسی کی داد دیجئے کہ جس وقت میرا دل مقدمہ کے کاغذات واپس آنے سے پریشان ہوتا ہے- (میں اپنے دل میں کہتا ہوں) انگریزی ڈاک سے تو خط تلف ہوتا نہیں اور چونکہ تو نے خط پوسٹ ماسٹر کو دکھا کر بھیجا ہے، مطمئن رہ کہ کوئی خطرہ نہیں ہے- دوسری بات یہ ہے کہ اگر وہ لفافہ راہ میں تلف ہو جاتا ہے اور مکتوب الیہ (علامہ فضل

حق) کو نہ پہنچتا تو اس تمام کا ہلِ قلم کے باوجود وہ لکھتے کہ خط نہیں ملا۔ بالجملہ مجھے اس عدم اطلاع کا غم ہے کہ میں یہ حکم نہیں لگا سکتا کہ خط مکتوب الیہ (علامہ فضل حق) کو مل گیا یا راستہ میں ضائع ہو گیا مگر صرف قرائن و علامات ہی سے کچھ قیاس کر لیتا ہوں۔

تین ماہ سے اپنے غم کدہ کی صورتِ دیوار کی مانند ہوں۔ نہ کوئی محرم راز ہے کہ اس سے حالِ دل کہہ سکوں خود ہی دیوانہ ہوں اور خود ہی ناصح ہوں۔ خود ہی بیمار ہوں اور خود ہی طبیب ہوں۔ میری عادت یہ تھی کہ ہفتہ میں ایک بار اس محسن (یعنی اسٹرلنگ) کی خدمت میں جایا کرتا تھا جس کا تعارف میں نے اوپر کروایا ہے اب وہاں جانا بھی ختم ہو گیا ہے کیونکہ اگر میں وہاں جاؤں اور وہ (مسٹر اسٹرلنگ) مقدمہ کا حال پوچھیں تو میں یہ کس طرح کہوں کہ کاغذات دہلی نہیں بھیجے اور اگر یہ کہوں کہ دہلی بھیجے ہیں تو وہ پوچھیں گے کہ ''کیا جواب آیا؟'' تو میں پھر کیا کہوں گا۔

بہر طور جس شخص (علامہ فضل حق) کے کام سپرد ہے، وہ ایسا بھی نہیں کہ اس پر غصہ نکالا جا سکے یا شک کیا جا سکے ہاں البتہ اسکے تغافل کی شکایت ضرور ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ اس فکر میں ہو گا کہ مقدمہ شروع ہو تو پھر کچھ لکھوں اور منشی محمد حسن صاحب کا خط آج کی تاریخ سے ایک ماہ پیشتر لکھا ہوا ہو گا (پہنچا ہے) اگر اس خط لکھنے کے بعد مقدمہ پیش ہوا ہو تو تعجب نہیں ہے زیادہ سلام۔[1]

الغرض غالب کو اپنے مختار، وکیل اور عزیزوں میں سے کسی کی جانب سے کوئی خبر نہ آئی۔ اصل میں ہوا یہ کہ قبل اسکے کہ مولوی فضل حق کو مختار نامہ ملتا، ریذیڈنٹ کولبروک دہلی سے دورہ پر روانہ ہو گیا[2] اور شعبان ۱۲۴۴ھ / فروری ۱۸۲۹ء کو واپس آیا۔[3]

---

[1] یہ خط دیکھئے، مکتوباتِ غالب از لطیف الزمان خان، ص: ۱۰۷ تا ۱۰۹ پر

[2] خیال رہے کہ علامہ بھی اپنی اس ملازمت میں ان دوروں پر جایا کرتے تھے۔

[3] مکتوباتِ غالب از لطیف الزمان خان، ص: ۳۹

4.10.1.10.6-غالب کا اندازِ شکوہ:

درج ذیل خط غالب نے غالباً مذکورہ بالا عدم رابطہ کے زمانے ہی میں علامہ کے گھر کے ارد گرد آگ لگنے کی خبر سن کر انکے نام کلکتہ سے دہلی لکھا تھا- اس طرح سے یہ خط تقریباً ۲۵/ربیع الاول ۱۲۴۴ھ/۱۶/اکتوبر ۱۸۲۸ء کو لکھا گیا- اس لئے بھی کہ اس خط میں مذکور شعر اس غزل کا ہے جو غالب نے ۸/جون ۱۸۲۸ء کو کلکتہ کے مشاعرہ میں پڑھی تھی، اور اس پر اعتراض ہوا تھا-

بنامِ نامی مولوی حافظ محمد فضلِ حق صاحب

قبلہ و کعبہ، اگر نہ این بودے کہ لالہ ہیرا لال را ہوای دیدنِ عنقا در سر و ناگاہ شامگاہے کہ پنج شنبہ بست و پنجم ربیع الاول بود بہ نشیمن تنہائی من گذر فتادے آن در گرفتنِ آتش گرداگرد والا کاشانہ و سوختنِ خانہ و رختِ ہمسایگان از ہر کرانہ و نرسیدنِ آسیبے بہ ملازمان در آن میانہ از کجا شنودے و اگر نشنودے ہر آئینہ ہم حقِ دوستانہ پرسش کہ شیوۂ غمخواری و اندوہ ربائی ست ناگزاردہ ماندے و ہم ایزدی نیایش کہ لازمہ حق شناسی و سپاس گزاری ست بتقدیم نرسیدے- ہاں اے وفا دشمن، بیگانگان کامیابِ پیام و نامہ و آشنایان جگر تشنۂ رشحۂ خامہ-

وای بر من کہ رقیب از تو بہ من بنماید
نامۂ واشدۂ مہر بہ عنوان زدۂ

ہمانا سوزندہ آور سرگرمیِ شوق از من فرا گرفتہ بود کہ بیتابانہ گردِ سر گردید و اندران اشتلم زبانہ و شرارہ در خویشتن نگہداشت- ہیہات، من کجا و اینہمہ دعویِ بلند از کجا! خود نمایم گمان تاثیرِ مہر و وفاست کہ مرا بدین رنگ ہرزہ لائی و یافہ سرائی دارد، ورنہ آنرا کہ از شعلۂ آہِ جگر سوختگان دامن سوزد، عجب نیست، اگر آتشِ افروختہ پیرامن نسوزد و شکوہ پیشکش و پیغارہ بر طرف، خدایِ توانا را شکر گویم کہ بلایِ بے زنہار از بندگانِ خویش بگرداند تا بے صبران را دیدہ و دیدہ وران را سرمہ بہ دست افتد- کرشمہ نیرویِ جبرئیل و معجزہ آسودگیِ خلیل را

در نظرہا تازہ کرد- یارب، این شگونِ سلامت کہ رنگارنگ فرخی دارد خجستہ تر از آن باد کہ شمارۂ آنرا ہنجارِ گزارشے در ضمیرِ تو ان آورد- اگر دانستمے کہ پیشِ خود شرمساری نخواہم کشید و مرا اندرین حال طلبی بر من زبانِ طعنہ دراز نخواہد شد، از آن مخدوم بے عنایت پاسخِ این نامہ و تفصیلِ این ہنگامہ درخواستمے و پرسیدمے کہ در آن ہنگام کہ آتش زبانہ زد و نگہ بہ سراغِ تیرگی دودے و تابشِ نمودے فرا رسید، شما چہ می کردید و نورِ چشمِ مردمی و فرزانگی مولوی عبدالحق کجا بود و پس از آنکہ رستخیز در ہمسایہ آشکارا شد و ہزاہز در انجمن افتاد، سراسیمگیِ درونیِ پرستاران و بیتابیِ برونیِ ہواداران چہ قیامت آورد و این ہمہ آشوب چہ مایہ درکشید و فرجامِ کار کہ مژدۂ ایمنی دادند، بر کارخانۂ دواب و بنۂ بارگیان کہ ایشان را جزیہ اطراف کاشانہ محل نیست و بیشتر از ینہا طعمۂ آتش، بلکہ افروزینۂ آتش است، چہ گذشت، لیکن چون ارزشِ التفات از من سلب کردہ و مرا اینک در دل فرود آوردہ اند کہ حالیاً در آن گوشۂ خاطرم جای نماندہ، ہر چہ گفتہ ام بطریقِ آرزوست، نہ بسبیل سوال، والسلام والاکرام-[1]

بنام نامی مولوی حافظ فضل حق صاحب

قبلہ وکعبہ!

اگر لالہ ہیرالال کے سر میں عنقا (غالب) کے دیکھنے کی خواہش پیدا نہ ہوتی اور وہ اچانک بروز جمعرات ربیع الاول کی پچیس تاریخ کو میرے گوشۂ تنہائی کے پاس سے نہ گزرتا تو مجھے آپ کے کاشانۂ عالی کے اردگرد آگ لگنے، پڑوسیوں کے گھر اور ساز و سامان کے جلنے، اور اس کے درمیان آپ کے خادموں کو کسی قسم کی تکلیف کے نہ پہنچنے کی خبر کہاں سے سنتا؟ اور اگر نہ سنتا تو خبر گیری جو حق دوستی اور غمخواری و غمگساری کا طریقہ ہے ادا نہ کر سکتا، اور حق شناسی اور سپاس گزاری کے طور پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ پیش خدمت نہ کر سکتا، ہاں! اے دشمن وفا! بیگانے نامہ و پیام میں کامیاب اور دوست تشنہ جگر اور تحریر کے منتظر-

---

[1] پنج آہنگ، ص: ۲۹۷، ۲۹۹

مجھ پر افسوس کہ رقیب تمہارا کھلا ہوا خط مجھے دکھاتا ہے جس کے ایڈریس پر مہر لگی ہوئی ہے۔

یقیناً! اردگرد کی آگ نے مجھ سے شوق کی سرگرمی حاصل کی تھی، جو بے تابی کے ساتھ سر کے گرد گھومتی رہی اور اس نے شعلوں کی تندی کے درمیان اپنے آپ کو محفوظ رکھا۔ افسوس! میں کہاں اور یہ بلند دعویٰ کہاں؟ یہ خودنمائی مہر و وفا کی تاثیر کا نتیجہ ہے جو مجھے اس رنگ میں ہرزہ سرائی میں مصروف رکھتی ہے، ورنہ جس کا دامن جلے ہوئے جگروالوں کی آہ کا شعلہ جلادے، عجیب نہیں کہ جلنے والی آگ اس کے اردگرد کو نہ جلادے۔

شکوہ وشکایت برطرف! میں قادر کریم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ بلائے بے درماں کو اپنے بندوں سے ٹال دیتا ہے، تاکہ بے صبروں کو آنکھ اور آنکھ والوں کو سرمۂ عبرت مل جائے، نیز جبرائیل امین کی طاقت کا کرشمہ اور سیدنا خلیل علیہ السلام کے محفوظ رہنے کا معجزہ نگاہوں میں تازہ ہو جائے۔ اے رب کریم! سلامتی کا یہ نشان جو رنگا رنگ برکت رکھتا ہے اسے اتنی برکتیں عطا فرما جن کا شمار میرے تصور سے باہر ہو، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ مجھے اپنی جگہ شرمساری اٹھانا نہیں پڑے گی اور مجھ پر اس صورت حال کے دریافت کرنے پر زبانِ طعن دراز نہیں کی جائے گی تو میں اس نامہربان مخدوم سے درخواست کرتا کہ اس عریضہ کا جواب دیں اور اس ہنگامے کی تفصیل بتائیں اور یہ بھی پوچھتا کہ جب آگ شعلہ زن ہوئی، نگاہ دھوئیں کی تاریکی پر پڑی اور آگ کی چمک نمودار ہوئی تو اس وقت آپ کیا کر رہے تھے؟ جوانمردی اور دانائی کی آنکھ کا نور، مولوی عبدالحق کہاں تھا؟ - پڑوسیوں کے ہاں قیامت نمودار ہونے اور جماعت میں افراتفری واقع ہونے کے بعد اہل محبت کی اندرونی پریشانی اور بہی خواہوں کی بیرونی بے تابی نے کیا قیامت برپا کی؟ یہ تمام پریشانی کیسے پیدا ہوئی؟ اور آخر کار جو محفوظ رہنے کی خوشخبری دی گئی تو چار پایوں اور گھوڑوں کے باڑے پر کیا گزری؟ جن کی جگہ آپ کے کاشانے کے آس پاس کے علاوہ نہ تھی اور ان میں سے زیادہ تر آگ کی خوارک بن گئے۔

لیکن چونکہ آپ نے نگاہ التفات مجھ سے پھیری ہوئی ہے اور مجھے دل سے اس طرح باہر نکال دیا ہے کہ اس وقت دل کے کسی گوشے میں میرے لئے جگہ باقی نہیں رہی ہے، اس لئے میں نے جو کچھ کہا ہے بطور سوال نہیں بلکہ بطور آرزو کہا ہے- والسلام والاکرام

4.10.1.10.7- غالب کے نزدیک علامہ کا علمی مقام:

غالب نے علامہ کے نام ایک اور خط میں فراموش کر دیے جانے اور عدمِ رابطہ کی شکایت کی ہے- اس خط کے ساتھ انہیں ایک قصیدہ بھی بھجوایا ہے جو غالب نے عرفی کے قصیدے کے جواب میں کہا تھا- پنج آہنگ میں اس کے صرف شروع کے دو اشعار درج ہیں-[1] غالب نے علامہ سے اس قصیدے پر انکی رائے مانگی ہے اور انکے بارے میں یہ تاریخی جملہ کہا ہے کہ "چون من صد و چوں عرفی صد ہزار را بہ سخن پرورش تواند کرد-" جو مجھ ایسے سو اور عرفی ایسے لاکھ افراد کی شعر و سخن میں پرورش کر سکتا ہے-[2]

خط:

سبحان اللہ با آنکہ از فرامش گشتگانم و دانم کہ دوست مرا بہ دو جو، بلکہ بہ نیم خس برنگیرد، ہرگاہ بہ ساز دادنِ آہنگ گلہ روی آرم و سنجم کہ این پردہ را بے پردہ میتوانم سرود و از قہرمانِ اندیشہ دور باشے درمیان نیست، ہر آئینہ بدین شادمانی کہ دستوریِ دل بہ درازنفسی نوید آبروئے دارد و ہنوزم با دوست رویِ سخنے ست، آنچنان بر خویشتن میبانم کہ غمِ جانگدازِ فراموشی فراموش و لب از زمزمہ کہ دل در بندِ سرودنِ آنست خاموش میگردد-

از خویشتن بہ ذوقِ جفا با تو ساختیم
با ما دگر مساز کہ ما با تو ساختیم

درین روز ہا ہوایِ آن در سر افتاد کہ بیتے چند در توحید محیباً لعرفی گفتہ آید- چون کوششِ اندیشہ بہ جائے رسید کہ نہ عرفی را محل ماند و نہ مرا جای، ناگزیر آن ابیات را بر کسے

---

[1] پنج آہنگ، ص: ۳۰۱

[2] خیال رہے اس میں غالب نے عرفی پر اپنی ایک ہزار ... تری کا اظہار بھی کر دیا ہے-

عرضہ میدارم کہ چون منے صدو عرفی صد ہزار را بہ سخن تواند کرد و پایۂ ہر یک بہ ہر یک تواند نمود والسلام۔

قصیدہ:

اے زوہمِ غیر غوغا در جہان انداختہ
گفتہ خود حرفے و خود را در گمان انداختہ
دیدہ بیرون و درون از خویشتن پر، وانگہے
پردۂ رسمِ پرستش درمیان انداختہ [1]

سبحان اللہ! باوجودیکہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں فراموش کر دیا گیا ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ دوست مجھے دو جَو، بلکہ آدھے تنکے کے بدلے بھی لینے کے لئے تیار نہیں، جب میں گلے شکوے کا راگ الاپنا چاہتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ میں یہ راگ بے پردہ گا سکتا ہوں اور فکر کے غلبے سے دوری درمیان نہیں ہے میں اس پر خوش ہوں کہ دل کا طویل گفتگو کی اجازت دینا عزت و آبرو کی خوش خبری ہے اور ابھی دوست کے ساتھ بات کرنے کی گنجائش ہے تو میں اپنے اوپر اس طرح ناز کرتا ہوں کہ فراموش کئے جانے کے جاں گداز غم کو بھول جاتا ہوں اور ہونٹ اس نغمے کے گانے سے خاموش ہو جاتے ہیں جس کے لئے دل مچل رہا ہے۔

ہم نے جفا کی لذت کے لئے از خود تمہارے ساتھ دوستی لگائی ہے
اب ہمارے ساتھ دوبارہ موافقت نہ کرو کہ ہم نے تمہارے ساتھ موافقت کر لی ہے۔

ان دنوں یہ خواہش سر میں سما گئی کہ عرفی کے جواب میں چند اشعار توحید کے سلسلے میں کہے جائیں، جب فکر کی کوشش ایسی جگہ تک پہنچ گئی کہ وہاں نہ عرفی کی گنجائش رہی اور نہ میری، لہٰذا بامر مجبوری وہ اشعار ایسی شخصیت کے سامنے حاضر کرتا ہوں جو مجھ ایسے سو اور

---

[1] پنج آہنگ، ص: ۳۰۰،۳۰۱

عرفی ایسے لاکھ افراد کی شعر و سخن میں پرورش کر سکتا ہے اور ہر ایک کو اس کا مرتبہ دکھا سکتا ہے۔

قصیدہ:

۱۔ اے وہ ذات جس نے غیر کے وہم سے جہان میں شور مچایا ہوا ہے، خود بات کی اور اپنے آپ کو گمان میں ڈالا ہوا ہے۔

۲۔ آنکھ کو اندر اور باہر سے اپنے آپ سے پر کیا ہوا ہے، اس کے باوجود عبادت کی رسم کا پردہ درمیان میں ڈالا ہوا ہے۔

۱۰ فروری ۱۸۲۹ء کو دہلی ریذیڈینسی میں عرضی داخل کی گئی، ۱۷ فروری کو علامہ نے غالب کو خط بھیجا۔ جس کا ذکر غالب یوں کرتے ہیں: ''مولوی فضل حق صاحب کا خط میرے خانگی لفافے میں رکھا ہوا دہلی سے آیا ہے۔ وہ میں آپکو بھیج رہا ہوں۔ اس سے آپکو تمام حالات معلوم ہو جائیں گے۔''[۱]

اگست ۱۸۲۹ء میں غالب کلکتہ سے باندہ اور پھر نومبر میں دہلی واپس آ گئے۔ باندہ آتے ہوئے وہ اپنے کسی مخلص کو علامہ سے خط و کتابت کے بارے میں کچھ یوں ہدایات بھجواتے ہیں: ''نیز یہ کہ میری عدم موجودگی میں اگر دہلی یا کلکتہ سے کوئی خط خواہ میرے نام کا ہو یا آپ کے نام کا، آپکے پاس پہنچے تو اسے پڑھنے کے بعد محفوظ رکھئے، میری خواہش یہی ہے۔ یہ پوشیدہ نہ رہے کہ دہلی سے مکرمی فضل حق صاحب کا خط آئے گا اور کلکتہ سے عبدالکریم صاحب کے بھتیجے مولوی سراج الدین احمد صاحب کا خط آئے گا۔ یہ سب حکومت کے شعبۂ فارسی کے افسران میں سے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ میں نے ان بزرگ سے یہ درخواست کی ہے کہ اگر کوئی نئی بات پیدا ہو تو اپنی طرف سے ایک خط خواہ میرے نام خواہ مولوی محمد علی خان صاحب کے نام لکھ کر باندہ بھیج دینا۔ اسی طرح سے میں نے مولوی فضل حق صاحب کو لکھ دیا ہے۔ میرا مقصود یہ ہے کہ میں جب باندہ پہنچوں تو بغیر انتظار مجھے دونوں مقامات کا حال معلوم ہو جائے۔ یہ سب باتیں میں نے آپکو بطور اطلاع لکھ دی

[۱] مکتوبات غالب از لطیف الزمان خان، ص: ۱۲۷

ہیں- مجھے امید ہے کہ جب ان دو حضرات میں سے کسی کا بھی خط آپ کو ملے تو اسکے کاتب کو اس خط کی رسید ضرور بھیج دیجئے گا کیونکہ میں نے ان دونوں آدمیوں میں سے ایک کو بذریعہ تقریر اور دوسرے کو بذریعہ تحریر آپکی معرفت کا آرزومند اور آپکی مودت کا شناسا کر دیا ہے-"[1]

4.10.1.10.8- ہم از حق "فضل حق" را باز خواہم:

غالب کلکتہ میں دہلی کے جن احباب کی یاد میں مضطرب رہتے تھے- انکا ذکر ایک مثنوی "چراغِ دیر" میں انہوں نے یوں کیا:

۱- زدہلی تابروں آوردہ بختم	بطوفان تغافل دادہ رختم
۲- کس از اہل وطن غمخوار من نیست	مرا در دہر پنداری وطن نیست
۳- زار باب وطن جویم سہ تن را	کہ رنگ و رونق اند ایں نہ چمن را
۴- چو خود را جلوہ سنج ناز خواہم	ہم از حق "فضل حق" را باز خواہم
۵- چو حرز بازوئے ایماں نویسم	حسام الدین حیدر خان نویسم
۶- چو پیوند قبائے جاں طرازم	امین الدین احمد خاں طرازم
۷- گرفتم کز جہاں آباد رفتم	مرا یناں را چرا از یاد رفتم
۸- مگو داغ فراق بوستاں سوخت	غمِ بیمہری ایں دوستاں سوخت[2]

ترجمہ:

۱- جب سے تقدیر نے مجھے دہلی سے نکالا ہے، میرا سروسامان لاپروائی کے طوفان کے حوالے کر دیا-

۲- وطن والوں میں سے کوئی بھی میرا ہمدرد نہ رہا، گویا دنیا میں میرا کوئی وطن ہی نہیں-

۳- اہل وطن میں تین آدمیوں کی مجھے تلاش ہے، جنکے دم سے اِس چمن کی رونق ہے-

---

[1] مکتوبات غالب از لطیف الزمان خان، ص ۱۳۶

[2] مکمل مثنوی کیلئے دیکھئے "مثنویات غالب" مع ترجمہ از ظفر انصاری، ص: ۴۱، ۴۲

۴- جب میرا دل چاہتا ہے کہ ناز کروں، تو فضل حق (خیر آبادی) سے ملنے کی دعا کرتا ہوں-

۵- اور جب ایمان کے بازو کا تعویذ یاد کرتا ہوں حسام الدین حیدر خان کا نام لکھتا ہوں-

۶- اور روح کی قبا پر پیوند ٹانکنے کی باری آتی ہے تو امین الدین احمد خان کی ضرورت پڑتی ہے-

۷- میں نے مانا کہ جہاں آباد (دہلی) سے چلا آیا، لیکن ان (تینوں) کی یاد سے کیسے نکل گیا-

۸- یہ نہ کہو کہ وطن کی جدائی کا غم جلائے ڈالتا ہے، دراصل ان دوستوں کی بے مروتی کے غم نے مار ڈالا-

4.10.1.11-میں اور مولانا سے تغافل برتنے کی گستاخی کروں!

مفتی صدرالدین آزردہ کے یہاں اربابِ علم و ذوق جمع تھے-مولانا فضل حق کچھ چپ چپ سے بیٹھے تھے، مرزا غالب نے ان سے پوچھا، کیوں مولانا آپ کچھ افسردہ سے معلوم ہوتے ہیں، خیریت تو ہے؟ مولانا نے جواب میں کہا-

میں عنقریب اس محفل احباب سے جدا ہونے والا ہوں اور دربار اودھ کی ملازمت میں جانے والا ہوں، اس انجمن کی رونق سے جدا ہونے کا قلق ہے، مرزا نے کہا، آپ لکھنو جا رہے ہیں یہ تو خوشی کی بات ہے ہماری یاد سے وابستہ کا ذریعہ وہاں کے ثمر بہشت ہیں-اس پر سب ہنسنے لگے-مولانا نے کہا، غم نہ کھائیں میں وہاں پہنچتے ہی آموں کا ڈھیر لگا دوں گا-مرزا نے ہنس کر کہا: لیکن یہ ڈھیر کہاں لگائے جائیں گے؟ اپنے سامنے یا کوچہ بلی ماراں میں! اس پر مولانا نے کہا دربار پر-

آشفتہ نے کہا: مرزا صاحب مولانا کے ہاں محفل مشاعرہ منعقد ہو رہی ہے، محفل آپ کی رخصت کی تقریب میں ہے، بھول نہ جایئے تشریف لایئے-مرزا نے کہا: ''میں اور مولانا سے تغافل برتنے کی گستاخی کروں! ایک نہیں بے شمار محرومیاں نصیب ہوں گی،

بزم سے محرومی، مفتی صاحب کے اشعار سننے سے محرومی، مولانا کی صدارت سے محرومی-"

مولانا فضل حق کے مکان پر محفل مشاعرہ منعقد ہوئی، مرزا غالبؔ، مومن خان مومنؔ، مفتی آزردہؔ، امام بخش صہبائیؔ اور چند نوجوان شعراء الطاف حسین حالی اور تفتہ وغیرہ شریک ہوئے- مولانا فضل حق صدر تھے اور شیفتہ میر مشاعرہ-[1]

غالب ۲/جنوری ۱۸۵۴ء کو تفضّل حسین خان خیر آبادی کے نام خط میں لکھتے ہیں: "کہ مولانا ان دنوں دہلی آئے اور دو ہفتے قیام کر کے ۳/ربیع الثانی ۱۲۷۰ھ کو رام پور چلے گئے-"[2] یعنی غالب کے خطوط میں علامہ کی نقل و حرکت تک کا ذکر انکے قریبی روابط پر دلالت کرتا ہے-

4.10.1.12-غالب نے پہلا قطعۂ تاریخ علامہ کے والد کیلئے کہا:

۵/ذی القعدہ ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء میں علامہ کے والد مولانا فضل امام کی وفات پر، غالب نے اپنی شعری زندگی میں پہلی بار قطعۂ تاریخ کہا- غالب تاریخ و مرثیہ کہنے سے گھبراتے تھے-

اے دریغا قدوۂ اربابِ فضل کرد سوئے جنت الماوی خرام[3]

4.10.1.13-غالب کی علامہ سے اثر پذیری اور انگریزوں سے نفرت:

علامہ فضل حق خیر آبادی نے ۱۲۴۵ھ/۱۸۳۱ء میں ملازمت کمپنی سے استعفی دے دیا- نواب جھجر نے انہیں اپنے ہاں بلالیا- علامہ جب دہلی چھوڑ کر جھجر کو روانہ ہوئے تو دوست و احباب نے انہیں بہت روکا- علامہ کی روانگی کے بعد غالب نے کلکتہ کے اخبار آئینہ سکندری کے نام اپنے ایک مراسلے مورخہ ۳۱/جنوری ۱۸۳۲ء[4] میں ترکِ ملازمت کے

---

[1] ملاحظہ کیجئے، ڈاکٹر عارف بٹالوی کی کتاب "غالب کے رومان"، ص:۲۲۶ تا ۲۳۸-

[2] "باغ دودر"، مرتبہ وزیر الحسن عابدی، ص:۵۲۰

[3] مکمل قطعۂ تاریخ، علامہ کے والد کے ذکر میں ص:۱۳۱ پر ملاحظہ کیجئے-

[4] پنج آہنگ، ص:۶۵۵

اسباب اور اہل دہلی اور بہادر شاہ ظفر کے جذبات قلم بند کر کے اشاعت کیلئے بھجوائے، اور اس میں غالب نے اس واقعہ پر اپنے جذبات کے اظہار کیلئے انگریزی حکومت کے متعلق جس طرح کے الفاظ استعمال کیے ہیں ویسے انکی کسی اور تحریر میں نہیں ملتے - یہ انکے علامہ سے روابط کی گہرائی کا نتیجہ تھے - وہ مراسلہ درج ذیل ہے:

آرزو را سر انجام گفتگو دادہ می شود، نہفتہ مباد کہ قدر نا شناسی حکام رنگ آن ریخت کہ فاضل بے نظیر والمعیٔ یگانہ مولوی فضل حق از سر رشتہ داری عدالت دہلی استعفا کردہ - خود را از ننگ و عار وار ہاند، حقا کہ اگر پایۂ علم و فضل و دانش و کفش مولوی فضل حق آن مایہ بکاہند کہ از صد یک واماند و باز آں پایہ را بسر رشتہ داریٔ عدالتِ دیوانی سنجند، ہنوز ایں عہدہ دون مرتبۂ و لے خواہد بود، بالجملہ بعد ازیں استعفا نواب فیض محمد خان (رئیس جھجر) پانصد روپیہ ماہانہ برائے مصارف خدام مخدومی معین کردہ و نزد خود خواند -

روزے کہ مولوی فضل حق ازیں دیار می رفت، ولی عہد خسروِ دہلی صاحب عالم مرزا ابوالظفر بہادر، مولانا را تا پدر رودکند سوئے خود طلبید و دوشالۂ ملبوس خاص بدوش و لے نہاد و آب در دیدہ گرداند و فرمود، کہ ہرگاہ شما می گوئید کہ من رخصت می شوم مرا جز ایں کہ بپذیرم گزیر نیست، اما ایزد داناداند کہ لفظِ وداع از دل بزبان نمی رسد الا بصد جر ثقیل، تا ایں جا سخن ولیعہد بہادر است -

غالب مستہام از شما می خواہد کہ واقعہ تودیعہ مولوی فضل حق، واندوہنا کی ولی عہد بہادر، و بدرد آمدن دلہائے اہلِ شہر، بعبارتے روشن و بیانِ دل آویز در آئینہ سکندر بقالب طبع در آرید و مرا درین نفقد منت پذیر انگارید - والسلام - [1]

ترجمہ: اب مدعائے نگارش سنیے، حکام کی بدتمیزی اور قدر ناشناسی کی بدولت فاضل بے نظیر والمعیٔ یگانہ مولوی فضل حق نے سر رشتہ داری عدالتِ دہلی سے استعفیٰ دیدیا اور خود کو ننگ و عار سے بچالیا - سچ تو یہ ہے کہ اس سے ہزار درجہ بلند منصب بھی انکے علم و فضل کے شایانِ

---

[1] غالب آہنگ، ص: ۲۵۵ تا ۲۵۶

شان نہ تھا- اس استغنی کے بعد نواب فیض محمد خان (والیٔ جھجر) نے ان کے خادموں کے مصارف کیلئے پانچ سو روپیہ مشاہرہ مقرر کر کے انہیں اپنے پاس بلالیا-

جس روز مولوی فضل حق اس شہر سے رخصت ہوئے تو شاہِ دہلی کے ولی عہد صاحب عالم مرزا ابوالظفر بہادر نے روانگی سے پہلے مولانا کو طلب کر کے ملبوس خاص دو شالہ انکے کندھوں پر ڈالا اور آبدیدہ ہو کر کہا: اگر چہ کہ آپ رخصت ہونے کا کہہ رہے ہیں اور میرے لئے بھی ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں، مگر خدائے علیم جانتا ہے کہ وداع کا لفظ دل سے زبان پر نہیں آتا، اس کے لیے ہزار جرِ ثقیل درکار ہیں- یہاں تک ولی عہد بہادر شاہ کا ارشاد ہے-

اب غالبِ سرگشتہ وحیراں آپ سے استدعا کرتا ہے کہ مولوی فضل حق کے وداع پر ولی عہد کی اندوہناکی اور اہل شہر کے دلوں کے اضطراب کا حال مناسب اور دل آویز پیرایہ میں لکھ کر آئینہ سکندر میں چھاپ دیجئے- یہ مجھ پر منت ہوگی-

اس کے بعد کا پچیس برس کا عرصہ علامہ نے دہلی سے باہر مختلف ریاستوں میں مناصبِ جلیلہ پر فائز رہ کر گزارا- اس عرصے کے تفصیلی احوال تو نہیں ملتے مگر جیسا کہ اگلے صفحات سے معلوم ہوتا ہے انکے پر خلوص روابط بدستور قائم تھے- شیخ اکرام لکھتے ہیں: عزیز دوستوں میں سے انکے تعلقات مولوی فضل حق سے ہمیشہ برقرار رہے تھے-[1]

4.10.1.14- دربارِ رام پور میں غالب کی سفارش:

۱۸۴۰ء میں جب نواب محمد سعید خان والیٔ تختِ رامپور قرار پائے تو نواب سید عبداللہ خان بہادر، برادرِ خُردِ جنت آرامگاہ نے، جو مرزا صاحب کے بہت گہرے دوست، اور اس وقت میرٹھ کے صدر الصدور تھے، سابقہ تعلقات کی بنا پر مرزا صاحب سے نواب جنت آرامگاہ نواب محمد سعید خان کی مدح میں قصیدہ لکھنے کی فرمائش کی- مرزا صاحب نے ان سے معذرت کر لی اور انکے نام معذرت کے طور پر ایک خط بھی لکھا-[2]

۱- غالب نامہ، ص: ۴۶

۲- مکاتیب غالب از امتیاز علی عرشی، ص: ۴۷

مرزا صاحب نے ۱۸۴۰ء میں جس کام کے سرانجام نہ پانے کا عذر کیا تھا۔ چند سال بعد خود ہی اسکی خواہش کی۔ امتیاز علی عرشی رامپوری لکھتے ہیں: ''چنانچہ اس مراسلت کے پندرہ سال بعد اپریل ۱۸۵۵ء میں نواب جنت آرامگاہ محمد سعید خان نے وفات پائی، اور نواب فردوس مکاں یوسف علیخان تخت نشین ہوئے۔ مرزا صاحب نے ''شاہ و گدا'' کے رابطے کو مدنظر رکھ کر قطعۂ تاریخِ جلوس ارسال کیا۔ دربار رامپور سے اسکا کوئی جواب نہ گیا اور تقریباً دو سال تک تجدیدِ تعلقات کی یہ کوشش بارآور نہ ہوئی[1]۔

امتیاز علی عرشی مزید لکھتے ہیں کہ ''مرزا صاحب کے شاگرد نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے ''مہر نیمروز'' کا غالباً مطبوعہ نسخہ شوال ۱۲۷۱ھ (جون ۱۸۵۵ء) میں نواب فردوس مکاں کی خدمت میں تحفۂ ارسال کیا تھا نواب صاحب رجب ۱۲۷۱ھ (یکم اپریل ۱۸۵۵ء) کو تخت نشین ہوئے تھے۔ شیفتہ کا تخت نشینی کے چند ماہ بعد میرزا صاحب کی تصنیف کا تحفے میں بھیجنا اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ انہوں نے خود مرزا صاحب کے اشارے سے ایسے کیا تھا۔''[2]

امتیاز علی خان عرشی مزید لکھتے ہیں: ''حسن اتفاق سے مولانا فضل حق خیرآبادی رامپور میں فروکش تھے۔ انہوں نے وقتاً فوقتاً سرکار کے روبرو مرزا صاحب کے اشعار پڑھے، جس سے سرکاران سے مراسلت اور مشورہ سخن کے مشتاق ہو گئے۔

مولانا نے مرزا صاحب کو لکھا کہ سرکار کی خدمت کیلئے کمربستہ ہو جائیے اور اصلاحِ اشعار کا کام انجام دیجئے۔ مولانا کا نامۂ گرامی مرزا صاحب کو ۲۷ر جنوری ۱۸۵۷ء کو موصول ہوا۔ ۲۸ر جنوری کو انہوں نے بتعمیل ارشاد نواب فردوس مکاں یوسف علیخان کی خدمت میں پہلا عریضہ ارسال کیا۔ اسکے جواب میں سرکار نے ۲۵ر فروری کو اپنے کچھ اشعار بغرض اصلاح بھیجے اور انکے ساتھ تحریر فرمایا:

نمیقہ انیقہ بلاغت آگین مشعر رسیدِ خط مولوی صاحب مخدوم مولوی محمد فضل حق

---

[1] مکاتیب غالب از امتیاز علی عرشی، ص: ۷۵

[2] مرجع سابق۔

صاحب با دیگر مراتب محبت و اشفاق بعبارت رنگین و دقیق، درعینِ انتظار سرمہ کش عیونِ وصولِ نشاط شمول گردیدہ، باطلاع خیریتہا سرمایۂ سرور نامحصور افزودہ۔ از مزیدِ شفقت و ایتلاف قلبی متصور شد۔[1]

ترجمہ:

بلاغت سے لبریز مکتوب گرامی موصول ہوا جس سے مولوی صاحب مخدوم مولوی محمد فضل حق صاحب کے مکتوب کے پہنچنے کی اطلاع ملی ۔ رنگین اور دقیق عبارت اور محبت و شفقت کے مراتب سے بھرا ہوا مکتوب عین انتظار کی حالت میں وصولی کی آنکھوں میں سرمہ لگانے والا اور باعث مسرت ہوا، خیریت کی اطلاع سے ۔ بے حد خوشی ہوئی، مزید شفقت اور تالیف قلبی کا اندازہ ہوا۔

اس فرمان نے مرزا صاحب میں نیا ولولہ پیدا کیا، اور انہوں نے ۱۱رفروری کو سرکار کی مدح میں قصیدہ نظم کر کے بذریعۂ ڈاک ارسال کیا، اسکی ایک نقل مرزا صاحب نے مولانا کی خدمت میں بھی بھیجی تھی، جو انہیں الور میں موصول ہوئی، وہاں سے ۱۰ راپریل کو مولانا نے سرکار کو تحریر فرمایا۔

خط:

''بعزّ عرض میرساند کہ خیر سگال بافضال ایزدہیمال بصحت و اعتدال بالور رسید ملاطفۂ مرزا صاحب مشفق نجم الدولہ مرزا اسد اللہ خان صاحب متخلص بغالبؔ مع قصیدہ میمیہ کہ درمدحِ حضور فیض معمور منظوم کردہ اند، از ڈاک خانہ یافت۔ مرزا صاحب موصوف درثناو ستایش موزونی طبع اقدس و توصیف غزلہائی کہ نزدِ شان شرفِ ارسال یافتہ بودند، و شکر و سپاسِ عطائ مبلغ پانصد روپیہ کہ بدو دفعہ بمرزا صاحب موصوف عنایت شدند، اسہاب در تحریر فرمودہ اند، حالانکہ طبع اقدس درعلومِ عقلیہ و فنون حکمیہ ہمچناں دقیقہ رس کہ عدیل آں درمملکتِ ہندوستان کہ حال علمائ آں تفصیلاً معلوم است، نکتہ بلکہ معدوم است، نظمِ شعر و فہم

[1] مکاتیب غالب از امتیاز علی عرشی، ص: ۷۵

آن وابداعِ معانی تازہ ومضامین مبتکرہ وسردِ الفاظِ فصیحہ وتراکیب بلیغہ بحسب اوزان عروض نسبت بعلوِ طبع اقدس وبلندی افکار صائبہ ازادنیٰ مراتب است، مرزا صاحب ازیں حال لا علم اند- طبع حالی وفکر صائب دردقائق حکمیہ ومفصلاتِ فلسفیہ بجائی میرسد کہ رسیدن افہامِ علاّمِ اعلام تا آن مقام معلوم، لا نتفاست، دریں سخن ہیچ مبالغہ واغراق نیست- حضور لامع النور بنفس نفیس امتحانات فرمودہ اند، وتکریر امتحان ہم سہل است- ونظر بہمت والا در جود وسخا بذلِ آلاف الوف رااقل قلیل توان پنداشت- مرزا صاحب حق سپاسگزاری ادا کردہ اند نظم قصیدۂ مدحیہ درغایتِ بلاغت وانسجام است- غالباً شرف اندوزِ ملاحظۂ والا شدہ باشد-''

گزارش ہے کہ خیر خواہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے صحت وسلامتی کے ساتھ الور پہنچا، تو مرزا صاحب مشفق نجم الدولہ مرزا اسد اللہ خان صاحب غالبؔ کا لطف نامہ قصیدۂ میمیہ کے ساتھ ڈاک خانہ سے ملا، جس میں انہوں نے حضور فیض معمور کی مدح وستایش نظم کی ہے ،مرزا صاحب موصوف نے آپ کی طبع اقدس کی موزونیت مدح وثنا کی ہے اوران غزلوں کی تعریف کی ہے جو آپ نے ان کے پاس بھیجی تھیں، نیز دو دفعہ مبلغ پانچ سو روپے جو مرزا صاحب کو عنایت کئے گئے ان کا شکریہ لمبے چوڑے الفاظ میں تحریر کیا ہے-

علماء ہندوستان کا حال تفصیلاً معلوم ہے ان میں علوم عقلیہ اور فنونِ حکمت میں آپ جیسی مقدس طبیعت والا نکتہ فہم بہت کم ہوگا، بلکہ ناپید ہے، شعر کہنا، اس کا سمجھنا، نئے نئے معانی اور انوکھے مضامین کا تیار کرنا، فصیح الفاظ کا استعمال، بلیغ تراکیب کا لانا اور عروض کے اوزان کا ملحوظ رکھنا، آپ کی طبیعت اقدس کی بلندی اور صحیح افکار کی جولانی معمولی مراتب میں سے ہے- مرزا صاحب اس حال سے بے خبر ہیں، آپ کی طبع عالی، اور فلسفہ وحکمت کی باریکیوں اور مشکلات میں فکر رسا ایسی جگہ پہنچی ہوئی ہے کہ بڑے بڑے علماء کے فہم اور فکر کی وہاں تک رسائی نہیں ہے، اس بات میں کوئی مبالغہ اور حد سے بڑھنے والی بات نہیں ہے-

حضور لامع النور نے کئی دفعہ بنفس نفیس امتحان لیا ہے، دوبارہ آسانی سے امتحان لیا

جا سکتا ہے، جودوسخا میں آپ کی بلند ہمت کو دیکھتے ہوئے ہزاروں ہزار روپوں کا خرچ کرنا بالکل معمولی شمار کیا جا سکتا ہے۔مرزا صاحب نے حق سپاس ادا کیا ہے اور آپ کی مدح میں انتہائی بلیغ اور اعلیٰ قصیدہ لکھا ہے، غالباً ملاحظہ عالیہ کے شرف سے مشرف ہوا ہوگا۔

الغرض ابتداء نواب فردوس مکاں وقتی عطیات سے مرزا صاحب کی امداد فرماتے رہتے تھے۔غدر کے بعد انکی پنشن بند ہو جانے پر، نواب صاحب نے جولائی ۱۸۵۹ء سے سو روپے ماہوار تنخواہ جاری فرمادی تھی۔ جو انکے انتقال کے بعد نواب خلد آشیاں کے خزانے سے ملتی رہی اور مرزا صاحب کی وفات پر انکے متبنے حسین علی خان شاداں کے وظیفے کی شکل میں تبدیل ہوگئی۔[1]

غالب نے نواب کیلئے مدحیہ قصیدہ میں علامہ فضل حق کا ذکر یوں کیا ہے:

بتوقیع فضل حق آں عین معنی — کہ آباد بروے فراواں فرستم

گذشت اندر اندیشہ کز خامہ رشح — بداں قلزم فیض واحساں فرستم

ترجمہ:

سراپائے معنی و مطلب فضل حق کی تصدیق کے ساتھ، جن کو میں نے بہت سی دعائیں دیں۔

میرے خیال میں یہ بات آئی کہ میں نے قلم کا ایک چھینٹا اس فیض واحسان کے قلزم (دریا) کی طرف بھیجا۔

4.10.1.15-اٹھارہ سو ستاون اور غالب:

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ختم ہوئی تو غالب کی پنشن بند کر دی گئی، کیونکہ ان پر الزام تھا کہ وہ بادشاہ کے نوکر تھے اور انہوں نے (۱۹ر جولائی ۱۸۵۷ء کو) اسکا درج ذیل سکہ لکھا تھا۔

بہ زر زد سکۂ کشور ستانی — سراج الدین بہادر شاہ ثانی

---

[1] مکاتیب غالب از امتیاز علی عرشی، تقریب از بشیر حسین زیدی

غالب کے بقول نہ تو وہ بادشاہ کے دربار جاتے تھے اور نہ ہی انہوں نے سکہ کہا تھا بلکہ مذکورہ بالا سکہ ذوقؔ نے کہا تھا مگر انکی پنشن بحال نہ کی گئی۔

ڈاکٹر سید معین الرحمٰن نے ''غالب اور سن ستاون'' میں لکھا ہے کہ ''ظاہر اس بحث سے یہ ہے کہ انہوں نے سکے نہیں کہے، شاید انہیں (ذوقؔ) کے دھرائے ہوں۔اسی قدر (یعنی دھرانا) حصہ ہوگا، اور دربار میں جانا بھی ثابت ہے۔''[1] جیسا کہ جیون لال نے بھی لکھا ہے کہ ''۳۱ رجولائی کو مرزا نوشہ (غالب) اور مکرم علی خان نے انگریزوں پر فتح پانے کی خوشی میں قصائد پڑھ کر سنائے۔''[2]

جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے اس قدر ظلم اور سفاکی کا مظاہرہ کیا کہ غالب خوفزدہ ہو گئے اور انہوں نے جہاد اور مجاہدین سے اپنے اس تعلق سے انکار کر دیا جو تاریخ میں صاف ثابت ہے۔ جہادِ آزادی کے بعد کی انکی تحریریں بھی اس ڈر اور خوف کی ترجمانی کرتی ہیں۔

جیسے وہ شیونرائن آرام کو ۱۹ راپریل ۱۸۵۹ء کو لکھتے ہیں: ''ہندوستان کا قلمرو بے چراغ ہو گیا۔ لاکھوں مر گئے، جو زندہ ہیں ان میں سینکڑوں گرفتارِ بند بلا ہیں۔ جو زندہ ہے اس میں مقدور نہیں۔''[3]

اور مرزا ہرگوپال تفتہ کو لکھا: ''یہاں کا حال سن لیا کرتے ہو۔ اگر جیتے رہے اور ملنا نصیب ہوا تو کہا جائے گا، ورنہ قصہ مختصر، قصہ تمام ہوا، لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں۔''[4]

اور ۲۶ ردسمبر ۱۸۵۷ء کو حکیم غلام نجف خان کو لکھا: ''انصاف کرو (خط) لکھوں تو کیا لکھوں؟ کیا کچھ لکھ سکتا ہوں؟ یا کچھ لکھنے کے قابل ہے؟ تم نے جو کچھ مجھ کو لکھا تو کیا

---

[1] غالب اور سن ستاون، ص:۱۲۸

[2] غدر کی ''صبح شام''، ص:۱۶۹

[3] غالب اور سن ستاون، ص:۱۱۹

[4] غالب نام آورم، ص:۱۲۴۔

لکھا؟ اور اب میں جو لکھتا ہوں تو کیا لکھتا ہوں۔ بس اتنا ہی ہے کہ اب تک تم ہم جیتے ہیں، زیادہ اس سے نہ تم لکھو گے، نہ میں لکھوں گا۔"[1]

مرزا غالب کی تصنیفات میں بھی یہ خوف اور مصلحت بینی نمایاں ہے اسکی ایک اہم مثال مرزا کی تصنیف "دستنبو" ہے جو انہوں نے ملکہ وکٹوریہ کیلئے لکھی۔ اس میں باوجود اسکے کہ "دلی پر باغیوں کا قبضہ کچھ اوپر چار ماہ رہا، غالب نے اسکا ذکر صرف پانچ، چھ صفحات میں کیا ہے۔"[2]

4.10.1.16- غالب کی ۱۸۵۷ء کے بعد کی تحریریں اور علامہ:

غالب کی ۱۸۵۷ء کے بعد کی تحریریں علامہ کا ذکر چھوڑ، نام تک سے تقریباً خالی ہیں، اور ان میں ایک شعوری گریز نظر آتا ہے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ علامہ فضل حق نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں بڑا نمایاں حصہ لیا تھا اور انکا شمار باغیوں میں تھا، اور بقول رئیس احمد جعفری "غدر کے بعد غدر کا ذکر بھی کتنا روح فرسا تھا! اور ان شخصیتوں کا تذکرہ جنہوں نے اس انقلابی تحریک میں مردانہ وار حصہ لیا تھا، اپنی جان سے ہاتھ دھونا تھا۔"[3] جسکی وجہ سے بہادر شاہ ظفر وغیرہ جہاد میں حصہ سے انکاری ہو گئے اور بہت سوں نے جبر کی آڑ لے لی اور غالب مصلحت و احتیاط کا دامن تھامنے پر مجبور ہو گئے۔

مرزا غالب کے سن ستاون کے بعد کے خطوط میں علامہ کا ذکر صرف درج ذیل ہے:

جون ۱۸۵۹ء میں غالب نے یوسف مرزا کے نام ایک خط لکھا، جس میں علامہ کا ذکر کچھ یوں ہے: "مولانا کا حال کچھ تم سے مجھ کو معلوم ہوا ۔ کچھ مجھ سے تم معلوم کرو۔ مرافعہ میں حکم "دوام حبس" بحال رہا۔ بلکہ تاکید ہوئی کہ جلد "دریائے شور" (کالے

---

[1] غالب نام آورم، ص: ۱۲۴۔

[2] غالب نام آورم، ص: ۱۲۹

[3] بہادر شاہ ظفر اور انکا عہد، ص: ۸۳۴

پانی) کی طرف روانہ کرو- انکا بیٹا ولائت میں اپیل کیا چاہتا ہے- اِنَّـا لِلّٰـهِ وَاِنَّـا اِلَيْـهِ رَاجِعُونَ-"[1]

اور ۴ر اکتوبر ۱۸۶۱ء میں غالب کے شاگرد میاں داد خان سیاح کلکتے گئے تھے اس وقت جزائر انڈیمان میں علامہ کا انتقال ہوئے دو ماہ ہو چکے تھے- مگر غالب کو خبر نہیں ہوئی تھی- اسلئے سیاح کو لکھا: "ہاں خان صاحب! آپ جو کلکتے پہنچے اور سب صاحبوں سے ملے ہو تو "مولوی فضل حق" کا حال اچھی طرح دریافت کر کے مجھ کو لکھو کہ اس نے رہائی کیوں نہ پائی؟ اور وہاں جزیرے (کالے پانی) میں اسکا کیا حال ہے؟ کس طرح گزارا ہوتا ہے؟[2]

4.10.1.17- فخرِ ایجاد و تکوین کا وصال اور غالب:

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں: "ظاہر ہے کہ جب ایسے دلی دوست اور حقیقی بہی خواہ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے ہوں گے تو مرزا کی کیا حالت ہوگی؟"[3]

اسکا جواب ہمیں غالب کے اس خط سے ملتا ہے جو انہوں نے علامہ کی خبرِ وصال سن کر لطیف احمد بلگرامی کو لکھا: "کیا لکھوں اور کہوں؟ نورِ آنکھوں سے جاتا رہا اور دل سے سرور، ہاتھ میں رعشہ جاری ہے، کان سماعت سے عاری ہے-

عتاب در عروساں در آمد بجوش . صراحی تہی گشت و ساقی خموش

فخرِ ایجاد و تکوین مولانا فضل حق جیسا دوست مر جائے اور غالب نیم مردہ، نیم جاں رہ جائے-

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی . موت آتی ہے پر نہیں آتی

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی . اب کسی بات پر نہیں آتی

---

[1] خطوطِ غالب مرتبہ غلام رسول مہر، ص: ۳۰۵

[2] مرجع سابق، ص: ۳۳۳

[3] غالب نامہ آورم، ص: ۹۱، بحوالہ غالب نامہ

اگر جواں ہوتا تو آپ سے دعائے خیریت چاہتا، اسّی برس کا بوڑھا ہونے کو آیا ہوں، دعائے مغفرت کا امیدوار ہوں۔[1]

مولانا حسرت موہانی لکھتے ہیں: ''مولانا فضل حق خیر آبادی اور غالب کے روابط باہم، مفتی صدر الدین خان مرحوم دہلوی و مومن و شیفتہ کے تعلقات محبت، مولانا آل حسن قبلہ و شہید کی صحت کی رنگینیاں، ''حسرت محروم'' نے بزرگوں سے ان سب کا حال سنا ہے اور بارہا تمنا کی ہے کہ اے کاش میں بھی اس زمانہ تکلف میں موجود ہوتا اور ان بزرگوں کے فیض کمال سے مستفیض ہوتا۔''[2]

4.10.2-علامہ اور مومن:

حکیم مومن خان مومن نے سید احمد رائے بریلوی کی بیعت کی تھی اور مثنوی جہادیہ لکھی تھی۔ اگرچہ عملی شرکت نہ کی تھی۔ انکے خصوصی احباب علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی صدر الدین آزردہ، نواب مصطفیٰ خان شیفتہ، مولوی رشید الدین خان اور مرزا غالب سب ہی تحریکِ وہابیہ کے خلاف تھے۔

مومن علامہ فضل حق کے وہ دوست تھے کہ نظریاتی اختلاف بھی انکے دوستانہ مراسم پر اثر انداز نہ ہو پاتا۔ اس بنا پر اگر کوئی رنجش ہوتی بھی تھی تو وقتی طور پر۔ پروفیسر ایوب قادری لکھتے ہیں، ضرورت ہے کہ مومن، منیر شکوہ آبادی اور دوسرے شعرائے دہلی سے مولانا فضل حق کے تعلقات کا سراغ لگایا جائے، مومن، مولانا فضل حق کے باب میں کہنے پر مجبور ہوئے ہیں:

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہوگئے لاچار جی سے ہم[3]

---

[1] اردوئے معلیٰ، ص: ۴۱۹، ۴۲۰

[2] غالب نام آورم، ص: ۱۲۵

[3] مجموعہ مقالات از فضل حق قرشی، ص: ۲۶

اس واقعہ کی تفصیل امیر الروایات میں ہے، خیال رہے کہ بقول پروفیسر ایوب قادری امیر الروایات کی اکثر روایتیں تاریخی اعتبار سے غلط ہیں[1] امیر الروایات کے مطابق علامہ فضل حق خیر آبادی اور مولوی اسماعیل دہلوی میں تحریری مناظرہ ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ علامہ اور حکیم مومن خاں شطرنج کھیل رہے تھے۔کوئی اعتراض دماغ میں آیا۔اسی وقت آدمی کو لکھ کر دیا، جاؤ، مولانا سے جواب لاؤ، وہ گیا، حضرت کسی کام میں تھے۔ خادم واپس آگیا، شطرنج سے آنکھ اٹھا کے پوچھا جواب لائے، وہ بولا ابھی جواب نہیں لکھا ہے۔ تحریر دے آیا ہوں۔ مسکرا کر بولے "بس ہولیا جواب"۔ یہ بات حکیم مومن خان کو بری لگی، حکیم صاحب اور مولوی اسماعیل دہلوی پیر بھائی اور ہم عقیدہ تھے۔ کہنے لگے وہ بات ہی ایسی کیا ہے جس کا جواب مولوی اسماعیل نہ دے سکیں۔ اس پر ہر دو میں بحث بہت خوب رہی، ہر دو کے مزاج برہم سے ہونے لگے۔حکیم صاحب نے یہ رنگ دیکھ کر بساطِ شطرنج تہ کی اور چلتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال دیں
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

علامہ فرقتی اور آرزو، ہر دو تخلص رکھتے تھے۔ دو ایک دن بعد یاد اٹھی حکیم صاحب کے گھر گئے اور دوست کو منا لائے۔ انہوں نے فی البدیہہ کہا:

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم[2]

علامہ فضل حق خیر آبادی اگر غالب ساز تھے تو وہ مومن شناس بھی تھے۔ انکا درج ذیل قول انکی مردم شناسی کا پتہ دیتا ہے۔ پروفیسر حکیم چند نیر لکھتے ہیں: مومن شطرنج میں اکثر مولانا فضل حق خیر آبادی سے جیت جاتے تھے۔ مرزا غالب نے ایک بار مولانا سے اسکا سبب پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: "مومن بھیڑیا ہے، جسے اپنی قوت کی خبر نہیں اگر وہ عشق و

---

[1] مجموعہ مقالات از فضل حق قرشی، ص: ۳۸

[2] ارواح ثلاثہ، ص: ۱۲۱، ۱۲۲

عاشقی کے قضیوں کو چھوڑ کر علمی مشغلے میں پڑتا تو اسکے ذہن کی حقیقت معلوم ہوتی۔"[1]

4.10.3- علامہ اور آزردہ:

مفتی صدرالدین آزردہ دہلی میں ۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ انکے آباء واجداد کشمیر کے رہنے والے تھے۔ انکے والد مولوی لطف اللہ بغرض تجارت دہلی آئے۔ یہ شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور مولانا فضل امام خیر آبادی کے شاگرد تھے۔ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، آزردہ اور مہجور تخلص کرتے تھے شاعری میں شاہ نصیر اور میر ممنون دہلوی سے تلمذ تھا۔ نواب یوسف علی خان والی رامپور، نواب صدیق حسن خان قنوجی اور سرسید احمد خان مخصوص تلامذہ سے ہیں۔

۱۲۴۲ھ/۱۸۲۷ء کے قریب صدر الصدور دہلی مقرر ہوئے۔ یہ عہدہ تنخواہ اور منصب میں انگریزی سب جج کے برابر تھا۔ انہوں نے جامع مسجد کے پاس دارالبقا کے نام سے مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔ آزردہ اور علامہ فضل حق ہم سبق ساتھی تھے آزردہ علامہ سے عمر میں آٹھ سال بڑے تھے۔ انکے اساتذہ مشترک تھے۔ دہلی کے تمام دوست احباب بھی مشترک تھے۔ ۱۲۴۰ھ میں جب مسئلہ امتناع النظیر چھڑا تو آزردہ نے علامہ کی طرفداری کی اور انکی مشہور تصنیف تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی پر دستخط و مہر کی۔[2] اور جب مولوی حیدر علی رامپوری کی کتاب کے جواب میں جناب عبدالستار نے ایک استفتاء مرتب کر کے علماء وقت سے دستخط کروائے تو مفتی صاحب نے بھی اس پر دستخط و مہر کی، اور تصدیقی عبارت بھی لکھی۔[3]

مولانا فضل رسول بدایونی کی رد تقویت میں کتاب المعتقد والمنتقد پر تقریظ لکھی۔

۱۲۶۹ھ میں مسئلہ امکان کذب و امتناع کذب پر علامہ صاحب کو خط لکھا۔[4]

---

[1] مومن خان مومن، حیات و شاعری، ص:۲۸

[2] شفاعت مصطفی ترجمہ تحقیق الفتوی، ص:۲۵۰، ۲۴۷

[3] تحقیق الفتوی مطبوعہ مبارکپور، انڈیا کا ضمیمہ ملاحظہ کیجیے، ص:۲۶۶، ۲۶۷

[4] ملاحظہ کیجیے، تاج الفحول نمبر، ص:۴۲۱

رضا لائبریری رامپور میں مفتی صدرالدین آزردہ، مولانا فضل رسول بدایونی، مولانا محمد حسن خان بریلوی اور علامہ فضل حق خیرآبادی کا ایک مجموعہ تحریرات "شبہ لزوم لزومات اعتباریہ فی العقول المجردہ" (۱۱۵۲) کے نمبر پر محفوظ ہے۔

۱۸۵۷ء میں جہادِ آزادی شروع ہونے پر صدر الصدور کا عہدہ ختم ہو گیا۔ شروع میں مجاہدین کے ساتھ رہے اور سقوطِ دہلی سے کچھ عرصہ قبل انگریزوں کے ساتھ ہو گئے۔[1]

مولوی کریم الدین نے "تذکرہ فرائد الدھر" میں علامہ خیرآبادی کی ایک عربی تحریر نقل کی ہے جو انہوں نے مفتی صدرالدین کو لکھی تھی۔ جبکہ مفتی صدرالدین آزردہ نے اپنی ایک فارسی نظم میں علامہ فضل حق کے علم و فضل کا ذکر کیا ہے ان دنوں علامہ ریاستِ الور میں تھے۔ مفتی صاحب کہتے ہیں:

رشکِ تہران و صفاہاں شدہ دلّی از من

الور از ذاتِ ہمایوں تو یونان باشد

ترجمہ: دلی مجھ سے تہران اور صفاہان کے رشک کی جگہ بن گیا

آپ کی بابرکت ذات سے الور یونان ہوگا۔

4.10.4- علامہ اور بہادر شاہ ظفر:

علامہ فضل حق خیرآبادی کے بہادر شاہ ظفر سے انکی ولی عہدی کے زمانے ہی سے روابط تھے۔ اس لئے کہ علامہ دہلی میں ہی پلے بڑھے اور وہیں تعلیم پائی۔ انکے والد دہلی کے صدر الصدور تھے۔ علامہ کا قلعہ میں آنا جانا تھا۔ بہادر شاہ ظفر آخری مغل تاجدار کے ساتھ انکے تعلقات کی تفصیل نہیں ملتی۔ صرف ایک واقعہ ملتا ہے جسے مرزا غالب نے قلمبند کیا ہے۔

غالب کے مطابق ۱۸۳۲ء میں ۳۵ رسال کی عمر میں جب علامہ فضل حق خیرآبادی ملازمتِ کمپنی سے استعفیٰ دے کر نواب جھجر کی دعوت پر جھجر روانہ ہونے لگے تو ولی عہد

---

[1] تفصیل اگلے صفحات میں "قائدینِ جنگ آزادی" میں ملاحظہ کیجئے۔

سلطنت صاحب عالم ابوالظفر بہادر نے اپنا ملبوس دوشالہ علامہ فضل حق کے کندھوں پر ڈالا اور آبدیدہ ہو گئے اور کہا: چونکہ آپ جانے کیلئے تیار ہیں میرے لئے بجز اسکے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ میں بھی اسکو منظور کرلوں۔ مگر خدائے علیم جانتا ہے کہ لفظ وداع زبان پر لانا دشوار ہے۔

اصل فارسی عبارت یہ ہے:

روزے کہ مولوی فضل حق ازیں دیار می رفت، ولی عہد خسرو دہلی صاحب عالم مرزا ابوظفر بہادر مولانا را تا پدرود کند، سوئے خود طلبید و دوشالہ ملبوس خاص بدوش وے نہاد، وآب در دیدہ گرداند، وفرمود کہ ہرگاہ شما می گوئید کہ من رخصت می شوم مرا جز ایں کہ بپذیرم گزیر نیست، اما ایزد دانا داند کہ لفظ وداع از دل بزبان نمی رسد الا بصد جر ثقیل۔[1]

یہ واقعہ اس بات پر شاہد عادل ہے کہ بہادر شاہ ظفر کو علامہ فضل حق خیر آبادی سے کس قدر قلبی تعلق اور عقیدت تھی۔ یہ عقیدت بھرے روابط تاحیات جاری رہے۔ اس واقعہ سے ربع صدی بعد جہادِ آزادی ۱۸۵۷ء پیش آیا۔ اس ربع صدی میں علامہ دہلی سے باہر مختلف ریاستوں میں رہے۔ مگر بہادر شاہ ظفر اور انکے روابط میں فرق نہ آیا۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ اٹھارہ سو ستاون کی مشکل گھڑیوں میں جب کوئی وزیر، کوئی مصاحب، اور کوئی شہزادہ اعتبار کے قابل نہ رہا، اور سازشیوں اور غداروں نے اپنا گھیرا تنگ تر کر لیا تو اس وقت علامہ فضل حق خیر آبادی ہی کی وہ واحد ذات تھی جو بہادر شاہ ظفر کو اعتبار کے قابل نظر آئی۔ تو انہوں نے انہیں الور سے بلا بھیجا اور تمام انتظام وانصرام انکے سپرد کر دیا۔[2]

4.10.5- علامہ ومولانا فضلِ رسول بدایونی:

علامہ فضل حق خیر آبادی کو مولانا فضل رسول بدایونی (ف ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) سے نہایت خلوص اور عقیدت تھی۔ دونوں تقریباً ہم سن تھے۔ علامہ فضل حق صرف ایک سال

---

[1] پنج آہنگ، ص: ۳۵۶
[2] تفصیل علامہ کے سیاسی احوال میں ملاحظہ کیجئے۔

بڑے تھے- دونوں ابتدائے عمر میں حکومت کے بعض انتظامی مناصب پر فائز رہے- دونوں کے نقطہ ہائے نظر میں اتفاق تھا- بعض متنازع اور مختلف فیہ مسائل میں بھی متفق تھے-

تقویت الایمان کے رد میں پہل علامہ فضل حق نے ہی کی تھی- پھر مولانا فضل رسول نے سیف الجبار، بوارق محمدیہ، تصحیح المسائل، المعتقد والمنتقد وغیرہ کتب ورسائل لکھے- اور ان میں تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی سے اقتباس دیے-[1] ایک جگہ المعتقد المنتقد میں لکھا:

الفاضل الکامل الأجل الأنجل المولی فضل الحق الخیرآبادی وھو بأرض الھند أول من جرح مبتدعات النجدیۃ ومفاسدھم وآخر من بین شرح فساد عقائدھم، فاطمئن قلوب اھل الیقین بفصل الیقین للشاکین والمترددین وھدی اللہ بہ کثیراً من الضالین، ولہ منۃ علی کافۃ المسلمین وأجر جزیل عند رب العالمین-[2]

علامہ فضل حق نے المعتقد المنتقد پر جو تقریظ لکھی اسکا اقتباس درج کیا جاتا ہے:

مولانا الأورع الأودع البارع المتبرع الفارع المتفرع الضارع المتضرع ذوالمناقب الثواقب الجلیلۃ والأنظار الثواقب الدقیقۃ الجامع بین العلوم العقلیۃ والنقلیۃ، ومعارف الشریعۃ والحقیقۃ، طلاع الثنایا والنجاد، ذائع الصیت فی انجاد الحق، وقلّ قرن طلع من النجد فی الاغوار والأنجاد العریف العریف الشریف الظریف الصفی الخفی الحصی الحفی المولوی فضل الرسول القادری الحنفی متع اللہ المؤمنین بطول بقائہ وصانہ فی حرزہ ووقاہ وجعل خیر أیامہ یوم لقائہ-[3]

دونوں بزرگوں کے مراسم خلت ومودت کے سلسلے میں اکمل التاریخ کا بیان ہے کہ مولانا فضل رسول سے آپ (مولانا فضل حق) کو نہایت خلوص وعقیدت تھی- ایک زمانے میں بدایون میں بھی تشریف لائے تھے- اکثر اوراد واشغال کی اجازتیں حاصل کی

---

[1] جیسے سیف الجبار میں، ص:۸۶ تا ۸۸

[2] المعتقد المنتقد، ص:۱۳۰، ۱۳۱، تفصیل ص:۹۰ تا ۹۱ میں مسئلہ امتناع النظیر میں دیکھیں-

[3] باغی ہندوستان، ص:۱۷۵، المعتقد المنتقد، ص:۲ تا ۴-

تھیں- مدرسہ قادریہ میں مقیم ہوئے تھے-[1]

اسی تعلق خاطر کے زیر اثر آپ نے اپنے لخت جگر جناب عبدالقادر بدایونی (تاج الفحول) کو مولانا فضل حق سے استفادے کیلئے لکھنو اور الور بھیجا اور مولانا فضلِ حق نے انہیں عزیز تر از جان سمجھا-[2]

علامہ کے سینکڑوں شاگردوں میں سے چار حضرات عناصر اربعہ سمجھے جاتے تھے- (۱) مولانا عبدالحق خیر آبادی، معقولات میں- (۲) مولانا فیض الحسن سہارنپوری حماسہ ادب میں- (۳) مولانا ہدایت اللہ خان جونپوری، منقولات میں - (۴) اور مولانا عبدالقادر بدایونی جملہ علوم وفنون میں-

یونہی مولانا فیض احمد بدایونی جو کہ مولانا فضلِ رسول بدایونی کے خواہرزادے اور خاص شاگرد تھے- انہوں نے جہادِ آزادی ۱۸۵۷ء میں علامہ فضلِ حق کے ساتھ محاذِ دہلی پر سرگرم حصہ لیا-

الغرض علامہ اور مولانا فضلِ رسول بدایونی میں مختلف النوع عقید تمندانہ اور گہرے روابط تھے-

4.10.6- علامہ اور منیر شکوہ آبادی:

سید اسماعیل حسین منیر شکوہ آبادی کو (جو انیسویں صدی کے مشہور شاعر ہیں) مصطفیٰ بیگ نامی ایک شخص نے قتل نواب جان کے سلسلے میں پھنسا دیا تھا- اسی دور میں جنگ ۱۸۵۷ء شروع ہوئی، یہ نواب فرخ آباد کے ساتھ شریک انقلاب ہو گئے - عبور دریائے شور کی سزا ملی - باندہ، الہ آباد، کلکتہ جیلوں میں رہے- ایک جگہ سے دوسری جگہ ہتھکڑی اور بیڑی پہنا کر پا پیادہ لے جایا گیا تھا- ان پر صعوبت سفروں کو دیوان میں مختلف جگہ نظم کیا ہے- جب علامہ انڈیمان پہنچ گئے تو یہ انکے شریک مجلس رہے اور مستفید ہوتے

---

[1] اکمل التاریخ، ص: ۸۹/۱

[2] تاج الفحول نمبر، ص: ۳۳۳، ۳۳۴

رہے- اپنے ایک خط میں جو انڈیمان سے محمد وزیر خان مقیم شہر باندہ کو ۲۳/ مارچ ۱۸۶۴ء کو بھیجا تھا- اس میں علامہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

بیشتر غزلیات وبعض قصائد لباس نظم پوشیدہ، از انجملہ یک قصیدہ در تتبع بدر چاچی و خاقانی کہ بہ مبالغہ واصرارِ عالم معقول و ادب علامہ لبیب الشتہر فی الھند مولوی فضل حق خیر آبادی موطن، دہلوی مسکن، ایں جزیرہ مدفن، سفتہ ام و بخاتمہ قصیدہ کیفیتِ اصرار جناب مرحوم بہ نظم آوردہ- بالجملہ قصیدہ ایست کہ از قدرت ایزدی خبری دہد-[1]

ترجمہ:

بہت سی غزلیں اور کچھ قصائد منظوم ہوئے ہیں، ان میں سے ایک قصیدہ بدر چاچی اور خاقانی کی پیروی میں معقول و ادب کے عالم، دانشور علامہ اور ہندوستان میں مشہور مولوی فضل حق کے اصرار پر نظم کیا ہے، علامہ کا وطن خیر آباد، مسکن دہلی اور مدفن یہ جزیرہ ہے، میں نے قصیدے کے خاتمہ میں جناب مرحوم کے اصرار کی کیفیت بھی نظم کی ہے- مختصر یہ کہ یہ وہ قصیدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی خبر دیتا ہے-

حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں یہ ڈیڑھ سو اشعار پر مشتمل قصیدہ جو علامہ کے اصرار پر لکھا گیا، ڈیڑھ سال میں مکمل ہوا- علامہ کی حیات میں شروع ہوا اور ۱۲۷۹ھ میں مکمل ہوا- قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

اشک زلیخا ہوئے بحر صفت جوش زن   غرق ہوا نیل میں یوسف گل پیرہن

قصیدے کے آخری اشعار میں منیر شکوہ آبادی تمام روداد نظم کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مخزن فضل وکمال، عالم عالی مقام   ناقد تازی زباں نبض شناس سخن

مولوئ بے نظیر فضل حق اسم شریف   دہلی سے تا لکھنو مشتہر و موتمن

قید میں، میں اور وہ رہتے تھے ایک جگہ   عین سمندر میں تھے غرقۂ بحر محن

---

[1] کلیات منیر، بحوالہ: باغی ہندوستان، ص: ۱۶۰

کہنے لگے ایک دن کچھ سبب اسکا بتا | شاعر اردو زباں اس میں ہوں نو یا کہن
مصطلحات عجم اور کنایاتِ فرس | کس لئے کرتے نہیں زینتِ نظم سخن
یا متحمل نہیں لہجۂ اردو زبان | یا کوئی لائق نہیں تم میں سے بے ریب وظن
گو غزل میں نہ ہو پر ہے قصیدے میں فرض | دقتِ مضمون سے ہے حسن بوجہِ حسن
حضرت سودا بغیر کس نے قصیدے کہے | وہ بھی پر اس راہ میں ہو نہ سکے قطرہ زن
شاعروں میں جز غزل پھر نہ کسی نے کہا | زعم میں گو اپنے ہوں طوطیٔ شکر شکن

میں نے کہا راست ہے آپ جو فرماتے ہیں | آپ سنیں تو کہے کچھ یہ اسیر محن
مصطلحات غریب جو کہ نہ معروف ہوں | نظم کرے کس طرح شاعرِ ہندی سخن
جو متعارف ہوا شاعروں میں پہلے سے | اسکو بھی سنکے آج ہوتے ہیں سب طعنہ زن

کہنے لگے یہ کلام مہمل و بے مغز ہے | ہیں شعرا بے سواد، جہل ہے انکا وطن
گرم ہوئے بڑھ گیا سلسلۂ قہر و خشم | بسکہ تھے نازک مزاج، ماتھے پہ آئی شکن
کہتے تھے وہ بار بار ہندیوں سے ہے محال | رمز و کنایات میں دقت و لطفِ سخن

ہو کے ادب سے خموش پھر یہ قصیدہ کہا | کوچۂ نو میں چلا قاصدِ مشقِ کہن
قید میں قحط کتاب، حافظہ از بس ضعیف | پر مددِ غیب سے خامہ ہوا حرف زن
بعض تراکیب خاص طبع کی ایجاد ہیں | نظم ہوئیں جو تھیں یاد مصطلحات کہن
نصف قصیدہ کیا سامنے انکے رقم | ختم ہوا! جب وہ تھے ہمدم گور و کفن
میری خطائیں کریں صاحب انصاف عفو | قید میں خود میں ہوں پوچ، پوچ ہے میرا سخن

غیب سے تاریخ نو ہاتھ لگی اے منیرؔ
جزوِ دل و جاں ہوئی، شرح حدیث حسن!

۱۲۷۹ھ

۱؎ کلیات منیر، بحوالہ: باغی ہندوستان، ص: ۱۶۱، ۱۶۲۔

4.10.7- مولانا حیدر علی فیض آبادی:

مولانا حیدر علی فیض آبادی (ف ۱۲۹۹ھ) کا شمار بھی علامہ کے احباب میں ہوتا ہے- انہوں نے ردشیعہ میں اپنی مشہور تصنیف "منتھی الکلام" علامہ فضل حق کو بھجوائی - علامہ نے اسکے مطالعے کے بعد مولانا کو بزبان عربی ایک طویل خط لکھا-[1] اس میں کتاب کی تعریف وتوصیف کے علاوہ اس شیعی عالم (سبحان علی خان) کی علمی بے بضاعتی اور اسکے دعوؤں کا ابطال بیان کیا ہے جسکے رسالہ (مصنفہ ۱۲۴۷ھ) کے جواب میں ۱۲۵۰ھ میں مولانا فیض آبادی نے "منتھی الکلام" تصنیف کی تھی-

علامہ فضل حق خیر آبادی ان دنوں ریاست رام پور میں ملازم تھے- علامہ نے یہ جوابی خط ۵/ذی القعدہ ۱۲۶۱ھ کو مولانا فیض آبادی کی طرف سے ایک اور خط ملنے کے بعد بھجوایا، اور لکھا کہ جواب میں تاخیر ملازمت میں کثرتِ مصروفیات کے باعث ہوئی -

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اور مولانا میں قریبی روابط تھے- بایں کہ علامہ نے انہیں اپنے تین قریبی رشتہ داروں کی وفات، دردقولنج میں ابتلاء، بڑے بھائی فضل عظیم کے پاس سہارنپور جانے کے پروگرام اور دو ماہ بعد واپسی کے ارادہ وغیرہ جیسی نجی مصروفیات سے بھی مطلع کیا ہے-

4.10.8- مولوی رشید الدین خان دہلوی:

مولوی رشید الدین ولد امین الدین، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے شاگردِ رشید تھے- دوسرے علوم کے علاوہ ہئیت و ہندسہ میں کمال حاصل تھا، دہلی کالج میں مسند درس کو زینت دی-[2]

سر سید احمد خان نے تذکرہ اہلِ دہلی میں انکا خصوصی ذکر کیا ہے- انکے ساتھ علامہ کے خصوصی تعلقات تھے- علامہ کی قلمی بیاض میں مولوی صاحب کے نام عربی میں

[1] علامہ کی بیاض ملاحظہ کیجیے ،ص:۵۱ تا ۵۸

[2] اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ،ص:۹۶

ایک خط ہے- انہوں نے یہ خط ۱۵/صفر ۱۲۳۷ھ کو دارالحکومت دہلی، سے باہر دریائے جمنا کے قریب اپنی اقامت کے دوران لکھا- اس خط کا کچھ حصہ نظم پر مشتمل ہے اور کچھ نثر پر- اس خط میں علامہ نے ملاقات کی فرصت نہ ملنے پر معذرت کی ہے اور جدائی و فراق کا ذکر کرتے ہوئے انہیں ملاقات میں پہل کرنے کا لکھا ہے-

یونہی ہمعصر وقائع نگار عبدالقادر رامپوریؒ نے لکھا ہے: "۲۶/شوال ۱۲۳۸ھ مطابق ۷/جولائی ۱۸۲۳ء کو مولوی فضل حق اور رشید الدین نے بندہ (مولوی عبدالقادر رامپوری) کو دیکھنے کیلئے قدم رنجہ فرمایا- اگلے دن میں بازدید کیلئے رشید الدین خان کے دولت خانہ پر گیا-"[1]

علامہ فضل حق کی مشہور تصنیف "تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی" پر دستخط کرنے والے علماء میں مولوی رشید الدین خان کا نام بھی شامل ہے- جامع مسجد میں ہونے والے مشہور مناظرہ میں یہی پیش پیش تھے-[2]

4.10.9-نواب امیر خان رئیس ٹونک:

۱۸۲۴ء/۱۷/ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ کو رئیس ٹونک نواب امیر خان نے علامہ فضل حق خیرآبادی کو قاصد بھیج کر اپنے یہاں آنے کی دعوت دی- علامہ تشریف لے گئے- علامہ کی عمر ۲۸/سال تھی اور وہ ان دنوں دہلی میں ملازم تھے- علامہ نے اس دعوت کا کوئی خاص سبب ذکر نہیں کیا ہے، البتہ وہ یہ ذکر کرتے ہیں، کہ انکے اہل و احباب انکو جانے سے روک رہے تھے اور اس روکنے کا سبب بھی ذکر نہیں ہے-

یوں معلوم ہوتا ہے کہ علامہ وہاں پر کچھ دن رہے کیونکہ علامہ نے وہاں رئیس ٹونک امیر خان کی مدح میں فی البدیہہ ۵۴ اشعار پر مشتمل جو قصیدہ کہا، اس میں نواب کی سخاوت وعدل کے ذکر کے علاوہ وہ اپنے اہل وعیال کی دوری سے جدائی و فراق پر آہ و بکا کا ذکر

---

[1] علم و عمل، ص: ۱۸۵/۲

[2] سیف الجبار، ص: ۸۸تا۹۴

بھی کرتے ہیں۔

4.10.10- نوابینِ رام پور:

علامہ ریاست رام پور میں ۱۸۴۰ء سے ۱۸۴۷ء تک آٹھ سال کا عرصہ رہے۔ نواب محمد سعید خان کی دعوت پر وہاں گئے اور انکے دونوں بیٹوں نواب یوسف علیخان اور محمد کاظم علیخان، اور دونوں پوتوں نواب کلبِ علیخان اور صاحبزادہ فدا علی خان کے استاد مقرر رہے، یوں ان سب سے گہرے روابط رہے۔

علامہ کی رام پور آمد سے متعلق مؤلف تذکرہ کاملانِ رامپور لکھتے ہیں:

''مولوی نصیر الدین خان رامپوری کے مرضِ موت میں نواب جنت آرامگاہ محمد سعید خان نے مولوی فضل حق خیر آبادی کو بلایا۔ مولوی نصیر الدین کے ایک دوست مولوی جلال الدین انکے ہمسائے تھے، ان سے کہا، اگر صحت ہوگئی تو میں ان سے گفتگو کروں گا، مگر تم ان سے گفتگو ہرگز نہ کرنا، اسلیئے کہ وہ نہایت زبردست معقولی ہیں۔

مولوی فضل حق صاحب جس وقت رامپور پہنچے تو آپ کا انتقال ہو چکا تھا، مولوی فضل حق صاحب آپکے مکان پر فاتحہ خوانی کو آئے اور بہت افسوس سے کہتے تھے، کہ میرا آنا نواب صاحب کے حکم سے ہوا ہے مگر زیادہ تر شوق یہاں آنے کا مولوی صاحب مرحوم (مولوی نصیر الدین خان) کی ملاقات کیلیئے تھا۔[1]

مؤلف تذکرہ کاملانِ رامپور مزید لکھتے ہیں: ''نواب محمد سعید خان بہادر جنت آرامگاہ نے جناب نواب یوسف علی خان صاحب بہادر فردوس مکاں، کی تعلیم کے واسطے بسفارشِ عبدالرحمٰن خان، مولوی جلال الدین نابینا اور مولوی عبدالعلی خان ریاضی دان اور مولوی محمد رام پوری کو مقرر فرمایا۔ ہر صاحب اپنے اپنے وقت پر حمد اللہ کے متعلق مختلف تقریریں کیا کرتے تھے۔ فردوس مکان نواب یوسف علی خان کی تسکین خاطر ان تینوں علماء

---

[1] بحوالہ پروفیسر ایوب قادری، دیکھئے مجموعہ مقالات از افضل قریشی، ص: ۴۳، ۴۴

کے بیان سے نہ ہوئی تو مولانا فضل حق دہلی سے بلائے گئے اور مولانا نے تعلیم شروع کروائی۔"[1]

حکیم نجم الغنی خان رامپوری لکھتے ہیں: "نواب یوسف علی خان علوم کی طرف بہت رغبت رکھتے تھے۔ کاملوں سے صحبت رہتی تھی۔ علومِ عقلیہ منطق و حکمت میں اعلیٰ دستگاہ تھی، اور ان علوم کو مولانا فضل حق خیر آبادی سے حاصل کیا۔"[2]

حکیم صاحب مزید لکھتے ہیں: "اس زمانہ میں مولوی عبدالحق خلف مولوی فضل حق و مولوی سلطان حسن خان ابن مولوی احمد حسن خان رئیس بریلوی و صدر الصدور، نواب کلب علی خاں کے ہم مکتب تھے۔"[3]

یوں نہ صرف علامہ فضل حق بلکہ انکی اولاد کے بھی نوابینِ رامپور سے قریبی تعلقات رہے۔

تذکرہ کاملانِ رامپور میں ہے کہ مولوی خلیل الرحمٰن سواتی نے نواب یوسف علی خان سے کہا کہ میں ہر چیز قرآن شریف سے نکالتا ہوں، یہ ذکر نواب صاحب نے مولوی فضل حق خیر آبادی سے کیا، انہوں نے فرمایا کہ آپ ان سے فرمادیں کہ معجونِ فلاسفہ کے اجزا تو قرآن سے نکال دیجیے، چنانچہ دوسری ملاقات میں یہی سوال کیا، مولوی خلیل الرحمٰن سواتی سخت پریشان ہوئے، انکو بھی معلوم ہو گیا کہ یہ اشارہ مولوی فضلِ حق کا تھا۔ اسی لیے ایک روز نواب صاحب کے سامنے مولوی فضل حق سے اصول میں گفتگو کرنے لگے۔ مولوی فضل حق کھینچ تان کر ان کو منطق میں پکڑ لائے اور بند کر دیا۔ اسی روز مولوی فضل حق نے کتبِ اصول کو دیکھنا شروع کر دیا۔"[4]

تذکرہ کاملانِ رامپور میں نواب فردوس مکان کے ایک اور استاد صاحب کا علامہ

---

[1] بحوالہ مولانا فضل حق خیر آبادی، دورِ ملازمت، دیکھئے مجموعہ مقالات از قریشی، ص: ۴۴

[2] مرجع سابق، ص: ۴۵

[3] وقائع نصیر خانی، ص: ۳۱

[4] دیکھئے مجموعہ مقالات از قریشی، ص: ۵۱

کے حوالے سے ذکر ملتا ہے، جسکے مطابق ''مولانا جلال الدین معقولی مرحوم استاد نواب خلد مکاں یوسف علی خان نہایت ذکی تھے، مناظرہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی جو علوم معقولہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، ان سے ہمیشہ مناظرۂ علمی نہایت لطف کے ساتھ ہوا کرتا تھا اور بڑے بڑے علماء مجلسِ مناظرہ میں حاضر رہتے۔''[1]

4.10.11- شیخ احمد عرب یمنی شروانی:

علامہ فضل حق خیر آبادی کے احباب میں ایک نام شیخ احمد عرب یمنی شروانی صاحب ''نفحۃ الیمن'' و ''مناقبِ حیدریہ'' وصدر مدرس مدرسۂ عالیہ کلکتہ (ف ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء) کا ہے۔ شیخ احمد عرب اور علامہ کے درمیان گہرے روابط تھے۔ طرفین سے علمی و ادبی تحائف کے تبادلے بھی ہوتے تھے۔

شیخ احمد عرب یمنی شروانی بارہویں صدی کے آخر میں یمن سے بغرضِ سیاحت ہندوستان میں آئے، ہندوستان میں بے مثل ادیب تسلیم کیے گئے اکثر کلکتہ میں اقامت رہتی تھی، لکھنو بھوپال وغیرہ میں ایک عرصہ گزارا۔

شیخ احمد عرب یمنی شروانی نے جب سلطان غازی الدین حیدر (ف ۱۸۲۷ء) کی تعریف وتوصیف میں ایک کتاب ''مناقبِ حیدریہ'' لکھی تو انہوں نے اس کتاب کا ایک نسخہ علامہ فضل حق خیر آبادی کی خدمت میں بھی بھیجا۔ علامہ نے رسید سے مطلع کیا اور شیخ یمنی کی تعریف اور کتاب کی تقریظ میں عربی زبان میں ایک خط اور ایک قصیدہ بعمر چوبیس سال لکھا۔ یہ دونوں تحریریں ۲۰ ربیع الآخر ۱۲۳۶ھ / ۱۸۲۱ء کی ہیں اور علامہ کی بیاض میں محفوظ ہیں۔ اسی بیاض میں محفوظ خطوط کے مطابق علامہ فضل حق کے محبّ و رفیق خاص مولانا محمد فیض اللہ خان، شریک کار سلطنت اودھ ۱۹ / جمادی الاولیٰ ۱۲۳۶ھ کو رئیس الوزراء دستور اعظم معتمد الدولہ کی ملاقات کو گئے۔ واپسی پر رات ہوئی۔ راستے میں انکے حاسدین نے انہیں شہید کر دیا۔ علامہ اس حادثۂ فاجعہ سے سخت متاثر ہوئے۔ انکی یاد

---

[1] مجموعہ مقالات از افضل قریشی، ص: ۵۱

میں تین طویل مرثیے کہے، اپنے والد گرامی کو خط لکھا، یونہی لکھنو میں شیخ احمد یمنی شروانی کو ۱۹ر جمادی الأخری ۱۲۳۶ھ کو ایک طویل خط لکھا۔ جس میں انہیں اعانتِ مظلوم کیلئے کہا۔ یونہی ۱۰ر شعبان ۱۲۳۶ھ کو مولانا خلیل الدین کا کوروی کو اسی حادثۂ فاجعہ پر اپنی قلبی کیفیت لکھی اور اس طویل خط کے آخر میں شیخ احمد یمنی کیلئے سلام لکھا۔ نیز مولانا کا کوروی کے نام اپنے ۵ر ربیع الاول ۱۲۳۶ھ والے پہلے خط میں بھی شیخ احمد یمنی کا ذکر کیا ہے۔

نواب حسام الدین حیدر خان بہادر دہلوی (ف ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء) شیخ احمد یمنی شروانی کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

حسب الحکم رسالہ جناب فضیلت مآب الفائق علی الاماجد بمحاسن افضالہ والسابق من الاقران بکرائم افعالہ الفاروق بین الباطل والحق مولوی محمد فضل حق دامت برکاتہ نویسانیدہ۔ لیکن ہنوز بحلل صحت مزین نگر دیدہ۔ ہر گاہ بزیور تصحیح جناب موصوف کہ باآں مصروف محلی خواہد گشت، بخدمت اقدس ابلاغ خواہد شد۔[1]

ترجمہ:

حسب ارشاد جناب فضیلت مآب، اپنی خوبصورت فضیلتوں کے اعتبار سے بزرگوں پر فوقیت رکھنے والے، اپنے عمدہ افعال کی بدولت معاصرین پر سبقت لے جانے والے، حق و باطل میں فرق کرنے والے، مولوی فضل حق دامت برکاتہ کا رسالہ لکھوایا گیا، لیکن ابھی تک تصحیح کی پوشاک سے مزین نہیں ہوا، جناب موصوف اس کی تصحیح میں مصروف ہیں، جیسے ہی زیورِ تصحیح سے مزین ہوگا خدمت اقدس میں پہنچا دیا جائے گا۔

مذکورہ بالا مختصر شواہد جہاں شیخ احمد یمنی شروانی اور علامہ کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہیں وہاں دہلی کے نواب حسام الدین حیدر خان بہادر کے دل میں علامہ کی قدر و منزلت کا بھی پتہ دیتے ہیں۔ یہ وہی نواب حسام الدین ہیں جو غالبؔ کے خاص احباب میں سے تھے اور جن کا ذکر مرزا غالبؔ نے علامہ فضل حق اور نواب امین الدین کے ساتھ،

[1] مجموعہ مقالات از افضل قریشی، ص: ۵۵، ۵۶ بحوالہ پروفیسر ایوب قادری۔

کلکتہ میں کہی ہوئی اپنی مثنوی چراغ دیر میں کیا تھا۔[1]

چو حرزِ بازوے ایمان نویسم　　حسام الدین حیدر خان نویسم

4.10.12- مولانا مفتی خلیل الدین کاکوروی:

مولانا مفتی خلیل الدین خان (ف ۱۲۷۱ھ/۱۸۴۶ء)، قاضی نجم الدین علی خان بہادر اشرف جنگ کے صاحبزادے، علم و فضل میں مشہور زمانہ اور علمِ ریاضی میں ماہر یگانہ تھے۔ گورنر جنزل کے یہاں شاہ اودھ کی طرف سے سفیر تھے۔

علامہ فضل حق اور مولانا کاکوروی میں گہرے روابط تھے۔ انکے روابط کا آغاز ۱۲۳۶ھ کو ہوا۔ علامہ دہلی میں اور مولانا کاکوروی لکھنو میں تھے، علامہ کی عمر چوبیس سال تھی، دونوں کو ایک دوسرے سے رابطے اور ملاقات کا شوق تھا۔ مولانا منشی غلام علی عمری اور شیخ احمد یمنی شروانی کی وساطت سے روابط کا آغاز ہوا، اور پھر ایک سلسلہ چل نکلا۔ دونوں ایک دوسرے کو اپنا کلام بھجواتے اور اس سلسلہ کو قطع نہ کرنے کا لکھتے۔

علامہ کی قلمی بیاض کے مطابق انہوں نے پہلا خط ۵/ربیع الاول ۱۲۳۶ھ کو بھجوایا۔ مولانا کاکوروی نے ۲۷/ربیع الثانی کو جواب بھیجا۔ پھر ۵/شعبان ۱۲۳۶ھ کو دوبارہ مولوی منشی غلام علی عمری کے ہاتھ علامہ کو خط بھیجا۔ جس پر علامہ نے ۱۰/شعبان ۱۲۳۶ھ کو جواب بھیجا۔ ساتھ چالیس اشعار پر مشتمل قصیدہ ھمزیہ بھیجا۔ اس خط میں مدیح نبوی ﷺ پر مشتمل قصیدہ رائیہ اور شکوی پر مشتمل قصیدہ دالیہ بھیجنے کا بھی ذکر ہے۔

4.10.13- نواب نقی علی خان:

نواب نقی علی خان وزیر سلطنت لکھنو کا نام بھی علامہ کے احباب میں آتا ہے۔ جن دنوں نواب صاحب لکھنو میں وزیر مقرر ہوئے۔ انہیں دنوں علامہ وہاں ''کچہری حضور تحصیل'' کے مہتمم مقرر ہوئے۔

---

[1] تفصیل پچھلے صفحات میں غالب کے ذکر میں ص: ۱۳۶، ۱۳۷ پر ملاحظہ کیجئے۔

علامہ نے نواب صاحب کی مدح میں ایک قصیدہ بھی کہا جو طبع بھی ہوا- اب نایاب ہے- مفتی نجم الحسن کے مطابق اسکا ایک نسخہ ڈاکٹر حکیم انظار حسین خیر آبادی کے پاس محفوظ تھا[1] اور پروفیسر ایوب قادری کے مطابق اسکے خطی نسخے بعض کتب خانوں میں محفوظ ہیں-[2] علامہ نے یہ قصیدہ کب کہا، اسکی وضاحت ذکر نہیں ہے-

علامہ فضل حق خیر آبادی کی جامع کمالات شخصیت اور ذکر کردہ اکابر کے ساتھ انکے روابط اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ انکا حلقۂ احباب اس سے کہیں زیادہ وسیع اور روابط کہیں گہرے تھے، اس لئے بھی کہ چوبیس سال کی عمر ہی میں انکے روابط دیگر علمی مراکز کے اکابرین وممتازین سے بھی پختہ ہو چکے تھے- تو یقیناً بعد میں یہ حلقہ اور بھی وسیع ہو گیا ہو گا- علامہ کے تلامذہ کی طویل فہرست اور انکے فتاوی پر علماء کی ایک بڑی تعداد کے دستخطوں سے بھی یہی ثابت ہے علامہ کے اپنے معاصرین سے روابط کیلئے معاصر تذکرے اور دہلی کے علماء، شعراء اور ادباء کے سوانح مزید حقائق منکشف کر سکتے ہیں-

4.11- علامہ مشاہیر کی نظر میں:

☆ جناب مولانا مخدومنا مولوی فضل حق نور اللہ تعالیٰ مرقدہ- مستجمع کمالاتِ صوری و معنوی، جامع فضائل ظاہری و باطنی، بناء بنائ فضل و افضال، بہار آرائ چمنستان کمال، متکی ارایک اصابت رائی مسند نشین دیوان افکار رسائی، صاحب خلق محمدی، مورد سعادات ازلی و ابدی، حاکم محاکم مناظرات، فرمان روائی کشور محاکمات، عکسِ آئینہ صافی ضمیری، ثالث اثنین بدیعی و حریری، المعی وقت، ولوزعی آوان، فرزدق عہد ولبید دوران، مبطل باطل و محقق حق مولانا محمد فضل حق-----

زبان قلم نے انکے کمالات پر نظر کر کے فخر خاندان لکھا ہے اور فکر دقیق نے جب

---

[1] خیر آباد کی ایک جھلک، ص:۵۹

[2] مجموعہ مقالات از قریشی، ص:۶۳

سرِ کار کو دریافت کیا فخرِ جہاں پایا-- جمیع علوم وفنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق و حکمت کی تو گویا انہیں کی فکرِ عالی نے بنا ڈالی ہے-- علمائے عصر بل فضلائے دھر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگروہِ اہلِ کمال کے حضور میں بساطِ مناظرہ آراستہ کرسکیں---!

سحبان کو انکی فصاحت سے سرمایہ خوش بیانی اور امراء القیس کو انکے افکار بلند سے دستگاہِ عروج معانی، الفاظ پاکیزہ انکے رشکِ گوہر خوش آب، اور معانی رنگین انکے غیرت لعل ناب-----

اِس سرخیل سرکردگان روزگار کے اوصافِ جمیلہ----

(ہمعصر مؤرخ، سرسید احمد خان، تذکرہ اہل دہلی، ص: ۱۳۰، ۱۳۱-)

☆ وہ سرخیل علماءِ عصر تھے- منطق وحکمت، فلسفہ وادب، کلام واصول اور شعروشاعری میں دست گاہ کامل رکھتے تھے- اعلیٰ درجے کے مدرس اور منطقی تھی-- جنکی علمی شہرت کی وجہ سے دورونزدیک کے طلبہ کھنچے چلے آتے تھے-

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص: ۳۷۵/۱۵)

☆ مولوی فضل حق، یہ شخص رہنے والا خیرآباد کا تھا، اور آدمی بڑا نامی گرامی اور علم و فضل میں علامۂ روزگار تھا کہ ہندوستان میں مثل اسکے دوسرا ہم عصر کم ہوگا-

("تاریخِ جھجر"، ص: ۲۱۲، ہمعصر مورخ، منشی غلام نبی خان، بحوالہ مجموعہ مقالات، ص: ۳۰)

☆ مولانا فضل حق خیرآبادی ایک یگانۂ روزگار عالم تھے- عربی زبان کے مانے

اِنکا علامہ کے مشہور مناظرے وہ ہیں جو عقائد پر مولوی اسمٰعیل دہلوی کے ساتھ ہوئے جن پر سرسید کی یہ رائے تھی اور انکو حاکمِ محاکمِ مناظرات قرار دیا جبکہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری اپنے مقالے میں لکھتے ہیں: "----سرسید نے انکے عقائد کی صحت یا شرک وبدعت یا جاہلانہ رسوم کے خلاف، انکے جہاد یا کسی ادنی کوشش کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا" (علامہ فضل حق خیرآبادی اور جہادِ آزادی، ص: ۱۸۳) ڈاکٹر شاہجہانپوری غالباً اس بات سے بھی بے خبر ہیں کہ سرسید نے "آثار الصنادید" جہادِ آزادی سے گیارہ سال قبل ۱۸۴۶ء میں تصنیف کی-

علامہ نے نواب صاحب کی مدح میں ایک قصیدہ بھی کہا جو طبع بھی ہوا۔ اب نایاب ہے۔ مفتی نجم الحسن کے مطابق اسکا ایک نسخہ ڈاکٹر حکیم انظار حسین خیر آبادی کے پاس محفوظ تھا[1] اور پروفیسر ایوب قادری کے مطابق اسکے خطی نسخے بعض کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔[2] علامہ نے یہ قصیدہ کب کہا، اسکی وضاحت ذکر نہیں ہے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی کی جامع کمالات شخصیت اور ذکر کردہ اکابر کے ساتھ انکے روابط اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ انکا حلقۂ احباب اس سے کہیں زیادہ وسیع اور روابط کہیں گہرے تھے، اس لئے بھی کہ چوبیس سال کی عمر ہی میں انکے روابط دیگر علمی مراکز کے اکابرین وممتازین سے بھی پختہ ہو چکے تھے۔ تو یقیناً بعد میں یہ حلقہ اور بھی وسیع ہو گیا ہو گا۔ علامہ کے تلامذہ کی طویل فہرست اور انکے فتاوی پر علماء کی ایک بڑی تعداد کے دستخطوں سے بھی یہی ثابت ہے علامہ کے اپنے معاصرین سے روابط کیلئے معاصر تذکرے اور دہلی کے علماء، شعراء اور ادباء کے سوانح مزید حقائق منکشف کر سکتے ہیں۔

4.11- علامہ مشاہیر کی نظر میں:

☆ جناب مولانا و مخدومنا مولوی فضل حق نور اللہ تعالیٰ مرقدہ۔ مستجمع کمالات صوری و معنوی، جامع فضائل ظاہری و باطنی، بناء بنائی فضل و افضال، بہار آرائی چمنستان کمال، متکی ارائیک اصابت رائی مسند نشین دیوان افکار رسائی، صاحب خلق محمدی، مورد سعادات ازلی وابدی، حاکم محاکم مناظرات، فرمان روائی کشور محاکمات، عکس آئینہ صافی ضمیری، ثالث اثنین بدیعی وحریری، المعی وقت، ولوزعی آوان، فرزدق عہد ولبید دوران، مبطل باطل و محقق حق مولانا محمد فضل حق ------

زبان قلم نے انکے کمالات پر نظر کر کے فخر خاندان لکھا ہے اور فکر دقیق نے جب

---

[1] خیر آباد کی ایک جھلک، ص:۵۹

[2] مجموعہ مقالات از قریشی، ص:۶۳

سرِ کار کو دریافت کیا فخرِ جہاں پایا۔ جمیع علوم وفنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق و حکمت کی تو گویا انہیں کی فکر عالی نے بناڈالی ہے۔ علمائے عصر بل فضلائے دھر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگروہِ اہلِ کمال کے حضور میں بساطِ مناظرہ آراستہ کر سکیں۔۔۔[1]

سحبان کو انکی فصاحت سے سرمایہ خوش بیانی اور امراء القیس کو انکے افکار بلند سے دستگاہِ عروج معانی، الفاظ پاکیزہ انکے رشک گوہر خوش آب، اور معانی رنگین انکے غیرت لعل ناب۔۔۔۔۔

اِس سرخیل سرکردگان روزگار کے اوصافِ جمیلہ۔۔۔۔

(ہمعصر مؤرخ، سرسید احمد خان، تذکرہ اہل دہلی، ص: ۱۳۰، ۱۳۱۔)

☆ وہ سرخیل علماء عصر تھے۔ منطق وحکمت، فلسفہ وادب، کلام واصول اور شعروشاعری میں دست گاہ کامل رکھتے تھے۔ اعلیٰ درجے کے مدرس اور منطقی تھی۔ جنکی علمی شہرت کی وجہ سے دورونزدیک کے طلبہ کھنچے چلے آتے تھے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص: ۳۷۵/۱۵)

☆ مولوی فضل حق، یہ شخص رہنے والا خیر آباد کا تھا، اور آدمی بڑا نامی گرامی اور علم و فضل میں علامۂ روزگار تھا کہ ہندوستان میں مثل اسکے دوسرا ہم عصر کم ہوگا۔

(تاریخِ جھجر''، ص: ۲۱۲، ہمعصر مورخ، منشی غلام نبی خان، بحوالہ مجموعہ مقالات، ص: ۳۰)

☆ مولانا فضل حق خیر آبادی ایک یگانۂ روزگار عالم تھے۔ عربی زبان کے مانے

---

[1] علامہ کے مشہور مناظرے وہ ہیں جو عقائد پر مولوی اسماعیل دہلوی کے ساتھ ہوئے جن پر سرسید کی یہ رائے تھی اور انکو حاکم محاکم مناظرات قرار دیا جبکہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری اپنے مقالے میں لکھتے ہیں: ''۔۔۔۔سرسید نے انکے عقائد کی صحت یا شرک وبدعت یا جاہلانہ رسوم کے خلاف، انکے جہاد یا کسی ادنی کوشش کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا'' (علامہ فضل حق خیر آبادی اور جہادِ آزادی، ص: ۱۸۳) ڈاکٹر شاہجہانپوری غالباً اس بات سے بھی بے خبر ہیں کہ سرسید نے ''آثار الصنادید'' جہادِ آزادی سے گیارہ سال قبل ۱۸۴۶ء میں تصنیف کی۔

ہوئے ادیب اور شاعر تھے۔علوم عقلی کے امام اور مجتھد تھے اور ان سب خصائص سے بالا انکی یہ خصوصیت تھی کہ وہ بہت بڑے سیاستدان، مفکر اور مدبر بھی تھے۔مسند درس پر بیٹھ کر وہ علوم وفنون کی تعلیم دیتے تھے اور ایوانِ حکومت میں پہنچ کر وہ دور رس فیصلے کرتے تھے۔

مولانا کی شخصیت، سیرت کردار اور علم وفضل پر ضرورت تھی کہ ایک مفصل کتاب لکھی جاتی، لیکن وہ ایک زود فراموش قوم کے فرد تھے، فراموش کر دیے گئے، اور کچھ دنوں کے بعد لوگ حیرت سے دریافت کریں گے کہ یہ کون بزرگ تھے؟

(سید رئیس احمد جعفری، بہادر شاہ ظفر اور انکا عہد، ص:۸۵۴)

☆ مولانا فضل حق مجلسِ علماء کے صدر نشین تھے، علم وفضل میں اپنی مثال آپ تھے۔ علوم معقول اور عربی شعر وادب میں انکا کوئی نظیر نہ تھا۔اصحابِ علم وفضل اور اربابِ شعر وادب دور دور سے اپنی تصنیفات ومنظومات انکی خدمت میں ارسال کرتے تھے۔نامور علماء اپنی تصنیفات پر ان سے تقاریظ لکھاتے تھے۔اس دور میں جو فتوے جاری ہوئے ہیں ان پر مولانا فضل حق کے دستخط ثبت ہیں۔

(پروفیسر ایوب قادری، مولانا فضل حق خیر آبادی، دور ملازمت۔بحوالہ مجموعہ مقالات از افضل قرشی، ص:۲۵-۲۶)

☆ مولوی فضل حق خیر آبادی، عمری حنفی ماتریدی چشتی---قرآن مجید در چہار ماہ یاد گرفتہ، وفراغ علمی بعمر سیزدہ سالگی حاصل نمود---در علومِ منطق وحکمت وفلسفہ وادب وکلام واصول وشعر فائق الاقران، واستحضارے فوق البیان داشت۔نظمش زائد بر چہار ہزار اشعار خواہد بود۔از بلاد بعیدہ طلبۂ علوم آمدہ ازو مستفیدی شدند---

ترجمہ:

مولوی فضل حق خیر آبادی، عمری، حنفی، ماتریدی، چشتی---قرآن مجید چار ماہ میں

حفظ کرلیا- تیرہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے---علومِ منطق، حکمت، فلسفہ، ادب، کلام، اصول اور شاعری میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز اور اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے- انکی نظم چار ہزار اشعار سے زیادہ پر مشتمل ہو گی- دور دور کے شہروں سے طلبہ آتے اور ان سے مستفید ہوتے-

(ہمعصر مورخ مولوی رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند- ص: ۱۶۴، ۱۶۵)

☆ بڑے عالم فاضل، فقیہ، محدث خصوصاً علم و ادب و لغت و حکمت و فلسفہ میں گویا امام و شیخ و رئیس تھے---عربی و فارسی میں نظم لائق اور نثر فائق کہتے تھے-

(فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنفیہ، ص: ۴۷۴)

☆ مولانا فضل حق حافظِ قرآن اور عالمِ باعمل بزرگ تھے- مولانا کا خاندان تبحر علماء و فضلاء کا خاندان تھا- انکے اجداد اس برصغیر کے نامی گرامی باوقار بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں- جنکے فضائل و برکات سے ہند کا چپہ چپہ فیض یاب ہوا- مولانا اپنے عہد کے کامل ادیب اور پرگو شاعر تھے- وہ زیادہ تر عربی اور فارسی میں لکھا کرتے تھے- چنانچہ انکے عربی فارسی اشعار کے دفاتر کے علاوہ عربی زبان میں سینکڑوں قصائد موجود ہیں-

(عشرت رحمانی: ۱۸۵۷ء کے مسلمان مجاہد، ص: ۷۵)

☆ مولانا ویسے تو علم و فضل کا دریا تھے- لیکن عربی ادب اور معقول میں انکا درجہ بہت بلند تھا-

(غلام رسول مہر، ۱۸۵۷ء کے مجاہد، ص: ۲۱۲)

☆ سلسلہ خیر آباد کے حلقۂ زریں مولانا فضل حق (۱۷۹۷ء-۱۸۶۱ء) معقولات اور

عربی ادب کے استاد تھے- بلکہ معقولات میں تو آخری دور کے امام مانے جاتے ہیں- حاضر دماغ اور مشاق مدرس تھے-

(افضل حق قرشی: علامہ فضل حق خیرآبادی اور جہادِ آزادی، ص:۱۱)

☆ وہ بڑے روشن دماغ، ذہین، عالی ہمت اور رحمدل تھے-

(خورشید مصطفیٰ رضوی: جنگ آزادی اٹھارہ سوستاون، ص:۴۵۸)

☆ مولوی فضل حق فاضلِ بے عدیل تھے-

(ابوالکلام آزاد، آبِ حیات، ص:۴۶۱)

☆ میں نے ایسا خوش تقریر انسان عمر بھر نہیں دیکھا-

(والدِ ابوالکلام آزاد، بحوالہ رئیس احمد جعفری: بہادر شاہ ظفر اور انکا عہد، ص:۸۶۹)

☆ انکے پیرو کار ہندوستان میں ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے-

(ضامن علی خان، جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین، ص:۲۵۳)

☆ انقلاب سن ستاون سے پہلے دہلی کی ادبی فضا جن عناصر اربعہ سے ترتیب پا رہی تھی- وہ یہی چار ہستیاں تھیں- مولانا فضل حق خیرآبادی، مفتی صدرالدین آزردہ، مرزا غالب اور حکیم مومن-

(نادم سیتاپوری: غالب نام آورم، ص:۸۱)

☆ اگر چہ اردو میں شعر نہیں کہتے تھے لیکن نقاد کی حیثیت سے آپکی رائے سند کا درجہ

رکھتی تھی۔

(الہام شہید آزادی ایڈیشن، ص: ۱۳۲، بحوالہ روزنامہ جنگ، ۱۸ر جنوری ۱۹۸۳ء)

☆ مولانا فضل حق خیر آبادی نابغۂ روزگار تھے، اور مختلف الانواع اور پہلو دار شخصیت کے مالک تھے۔ وہ جہانِ علم و دانش اور فلسفہ و حکمت کے بحرِ بے کنار تھے۔ گلستانِ شعر و ادب کی نسیم و بہار بھی تھے۔ وہ علومِ عقلی و نقلی کے ساتھ ساتھ، علوم طریقت و ولایت کے راز دار بھی تھے۔

(ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم؛ مولانا فضل حق کی پہلو دار شخصیت: الہام، ص: ۱۱۰)

☆ علوم عقلیہ میں ریاضی کے سوا سلف کی یادگار ہیں۔ عربی ادب میں ابوالحسن اخفش جیسے ہیں، انکی نثر مقامات حریری سے اور نظم دیوانِ متنبّی سے ممتاز ہے---- علاوہ علم کے جرأت و تہوری بھی رکھتے ہیں۔

(مولوی عبدالقادر: علم و عمل، ۱/۲۵۵)

☆ فضل و کمال و علمی حیثیت سے علامہ جس قدر و منزلت کے شخص تھے۔ اسکی نظیر ہندوستان میں مشکل سے ملے گی۔ علوم معقول کے تو امام تھے ہی، علمِ ادب جو عربیت کا بڑا جوہر ہے اس میں وہ کمال پایا کہ عرب کے معاصر شعراء سے گویا سبقت لے گئے۔ علامہ کو عربی نظم پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ چار ہزار سے زائد اشعار کہے--- علامہ عربی کے سوا فارسی میں بھی فکر سخن کرتے تھے۔ فرقتی تخلص تھا۔

(مفتی انتظام اللہ شہابی: غدر کے چند علماء، ص: ۳۶)

☆ واضح ہو کہ یہ (مولوی فضل حق صاحب) فاضل اجل، بڑا عالم ہندوستان میں

ہے اس سے صدہا لوگوں کو فیض ہوا ہے اور صدہا فاضل اسکے شاگردوں میں ہیں، علوم عربیہ میں اس شخص کو بڑا رتبہ حاصل ہے، خصوصاً علم منطق اور فلسفہ اسکے خدمتگاروں کو یاد ہے، پھر انکا کیا کہنا، میری زبان میں کہاں طاقت اور قلم میں طاقت کہ اسکی تعریف لکھوں یا کچھ کہوں ---- قصائد انکے زبان عربی اور فارسی کے مشہور و معروف ہیں ۔ نثر عبارت اسطرح کی لکھتے ہیں کہ اچھے عرب کو انکے مقابلہ کی طاقت نہیں۔

(ہمعصر مورخ مولوی کریم الدین پانی پتی: تذکرہ فرائد الدہر، ص:۴۰۶-۴۰۷)

☆ علامہ فضل حق خیر آبادی حاذق ترین مناظر اور اپنے زمانہ کے بڑے اصولی تھے وہ اپنے دور کے اچھے شاعر اور عربی کے بڑے ادیب تھے۔

(تلمیذ علامہ محمد محسن بن یحیٰ زہتی: الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی، ص:۷۵)

☆ جو کچھ چھپا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف برصغیر بلکہ عرب کے معاصرین شعراء سے بازی لے گئے تھے۔

(''خیال'' سن ستاون نمبر، ص:۲۶۲)

☆ مولانا فضل امام کے جانشین، صاحبزادہ اور شاگرد مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی تھے، جنکے دمِ عیسوی نے معقولات میں روح پھونکی کہ ابنِ سینائے وقت مشہور ہوئے ۔ دیارِ اطراف سے طلبہ نے انکی طرف رجوع کیا اور منطق و فلسفہ کو نئے طور سے ملک میں رواج دیا۔

(سلیمان ندوی: حیاتِ شبلی، ص:۲۲، ۲۳)

☆ علامہ فضل حق بن فضل امام خیر آبادی وہ بڑے عالموں میں سے تھے، اعلیٰ علوم

ادب اور لغت میں بلاشبہ شیخ الرئیس (بوعلی سینا) کی مثل تھے۔

(محمد حسین خان شاہجہان پوری: ریاض الفردوس، ص:۱/۱۴۰)

☆ آپکی علمی و ادبی زندگی دیکھ کر بوعلی سینا، غزالی، رازی، ابوحنیفہ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

(علامہ مشتاق احمد نظامی: خون کے آنسو، ص:۶۰)

☆ مولوی فضل حق نے مختلف علوم میں خاص مرتبہ حاصل کیا تھا، یقیناً فنِ منطق میں انکا علمی سرمایہ اجتہاد کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔

(خلیق احمد نظامی: ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ)

☆ علامہ فضل حق خیر آبادی افلاطون و سقراط و بقراط کی غلطیوں کی تصحیح کرنے والے تھے۔

(جعفر تھانیسری، حیات سید احمد شہید، ص:۳۰۴)

☆ قصائد غرا آپکے امراء القیس اور لبید کے قصائد پر فوقیت رکھتے ہیں، نظم و نثر میں آپکو اسقدر مہارت تھی کہ بلامبالغہ شاید سلف و خلف میں چند آدمی آپکے ہم پلہ ہوئے ہوں گے۔

(روضۃ الادباء، ص:۱۴۸)

☆ أحذق الناضرة والأدباء فی زمانه۔ص:۳/۲۴۵

☆ وصار بارعاً فی علم المنطق والحکمة والفلسفة والعربية

والكلام والأصول والشعر --- كان إمام وقته فى العلوم الحكمية والفلسفية بلامدافع — وله نظم رائق وشعر فائق -ص:۳/۲۵۳،۲۵۴

وكم له من قصائد واشعار عارض بها الحريرى والبديع وأتى فيها بكل لفظ لطيف ومعنى بديع ، لولا أنه اكثر فيها من التجنيس والاشتقاق والألفاظ الحوشية بلاخوف -ص:۱/۳۴۷

(صدیق بن حسن قنوجی: ابجد العلوم)

☆ الشيخ الإمام العالم الكبير العلامة فضل حق ----- أحد الأساتذة المشهورين ، لم يكن له نظير فى زمانه فى الفنون الحكمية والعلوم العربية----- وفاق أهل زمانه فى الخلاف والجدل والميزان والحكمة واللغة وقرض الشعر وغيرها، ونظمه يزيد على أربعة آلاف شعر ----- اتته الطلبة للاشتغال عليه من بلاد بعيدة فدرس وأفاد وألف وأجاد — وله شعر فائق ----

(عبدالحیٔ لکھنوی: نزہۃ الخواطر، ص: ۷/۳۷۵)

☆ عالمٌ من العلماء الربانيين المجاهدين فى شبه القارة ورأس ثوارها المناضلين ضدالاحتلال البريطاني؛ وهو الشيخ المجاهد فضل حق الخير آبادى، رحمه الله، والذى كان يتصدر للإقراء فى جامع دهلى وكان يعتبر أستاذاً وشيخاً لأهل شبه القارة جميعهم، وينتهى إليه السند فى المعقولات والمنقولات فى هذه الديار، وقدكان الشيخ من أعدى أعداء الاستعمار البريطانى الغاشم، فقاد الثورة التى قامت فى وجه الإنجليز فى سنة ۱۸۵۷م—فنفاه الإنجليز إلى جزائر اندمان

ومات فى المنفى، وله شعر رصين وكتب حسان لعربية—

الشيخ فضل حق الخير آبادى الزعيم المناضل والعالم الألمعى والشاعر النابغة—

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، مقدمہ دیوانِ فیض، ص: ۳۳، ۳۹

☆ He was really a gifted Allama and Doctor of law and literature;he was also a thinker and a philoopher........p.389.

In fact he was a leading philosopher of the Indian Revolution of 1857;and through his philosophy he gave the movement life and strength. (Mahdi Hussain:Bahadur Shah II& the war of 1857.)

☆ اللہ اللہ، ہمارا معاشرہ بھی کیا منبع علم وتہذیب تھا-اس میں جسے دیکھو آسمانِ فضیلت کا ماہتاب وآفتاب پاؤ گے-یہ وہ لوگ تھے جو جامع کمالات تھے-یک فنے نہ تھے اطرافِ علم پر حاوی تھے-کمال میں دریا کی مانند وسیع مگر قلب میں تواضع کا وہ رنگ کہ خود کو قطرۂ آشنا سمجھتے تھے-ایک شخص قلزمِ علم، اقلیم ہنر-انکی زندگیاں بھرپور تھیں-وہ پورے آدمی ہوتے تھے-مکتب بھی، مدرسہ بھی، خانقاہ بھی، قلم بھی اور سیف بھی مگر ہائے زمانے نے وہ بساط الٹ ڈالی-وہ بزرگ تو کہاں سے آئیں گے، اب انکی منزلت جاننے والے بھی گم ہیں----بہر حال علامہ فضل حق خیر آبادی بھی ان عالی مقام بزرگوں میں سے ایک تھے-

(اقتباس از مولانا فضل حق خیر آبادی، سراپا فضل، سراپا حق، سراپا خیر:

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ سابق پرنسپل اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، لاہور
شہید آزادی ایڈیشن ہفت روزہ ''الہام'' بہاولپور، ص:۲۹)

☆ جب تک فضل حق شامل نہ ہو انسان مولانا فضل حق کے مرتبہ سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔

(پروفیسر یوسف سلیم چشتی، مقدمہ شرح دیوان غالب، ص:۱۶۱، ۱۶۲، بحوالہ: باغی ہندوستان، ص:۴۰۵)۔

☆ فضل انکے کفن میں مکفون اور علم انکے ساتھ مدفون ہو گیا۔

(عبداللہ بلگرامی، مقدمہ ہدیہ سعیدیہ)۔

4.12-علامہ معترضین کی نظر میں:

نواب صدیق حسن خان قنوجی (۱۲۴۸-۱۳۰۷ھ/ ۱۸۳۲ء-۱۸۸۹ء) وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علامہ محمد فضل حق خیرآبادی پر اعتراضات کیے، نواب صاحب نے زمانۂ طالب علمی میں علامہ کو دہلی میں دو مرتبہ دیکھا اسکا ذکر انہوں نے اپنی تصنیفات میں کیا، اپنی مشہور کتاب ابجد العلوم میں لکھتے ہیں:

وقد رأيت الشيخ فضل بدهلي زمان الطلب وهو كَهْلٌ ، في المسجد الجامع وقد أتى هناك لصلاة الجمعة وزيه زى الأمراء دون العلماء---- رده على الشيخ الحافظ الواعظ المحدث الأصولى الحاج الغازي الشهيد محمد اسماعيل الدهلوي----[1]

---

[1] ابجد العلوم، ص:۳/۲۵۴

یعنی میں نے شیخ فضل حق کو اپنی طالب علمی کے زمانہ میں جامع مسجد دہلی میں دیکھا تھا اس وقت انکی عمر پچاس برس سے کم تھی، اور وہاں وہ جمعہ کی نماز کیلئے آئے تھے- انکا لباس علماء کا نہیں بلکہ امرا کا تھا--- انہوں (علامہ) نے حافظ واعظ محدث اصولی الحاج غازی شہید محمد اسماعیل دہلوی کا رد کیا-

خیال رہے کہ اس وقت نواب صاحب کی عمر زیادہ سے زیادہ پندرہ برس تھی اسلئے کہ انہوں نے علامہ کو کَہل لکھا ہے کَہل اس شخص کو کہتے ہیں جسکی عمر تیس سال سے متجاوز اور پچاس سے کم ہو اور یہ کہ نواب صاحب علامہ خیر آبادی سے عمر میں پینتیس برس چھوٹے تھے-[1]

نواب صاحب اپنی دوسری کتاب ''تاریخ قنوج''[2] میں لکھتے ہیں:

فقیر صحبتِ ایشاں را در دہلی بدولت خانۂ حضرت استاد یافتم- باوجود آں علم و کمال و دستگاہِ قوی در علم و حکمت و فلسفہ و ریاضی و عربیت و ادب و لغت از حسن اخلاق و تواضع عالمانہ بسیار دور بودند- مزاجِ ایشاں امیرانہ بود، و توجہ بعیش و عشرت و تفاخر در لباس غیر مشروع و بازی نرد و شطرنج وغیرہ بسیار بود- دیدم کہ زلیش بالا کشیدہ اند و خلعت شاہانہ، ایشان اند کہ با مولانا محمد اسماعیل شہید بعد انتقال شاں مناظرہ کردند و بہ تردید کتب مؤلفہ شاں و تزئیف کلام شاں و تنقیص مرتبت شاں بہ قرار دادن اعتقاد شاں خلاف علمائے وقت بزعم خود پرداختند-

ترجمہ: فقیر (نواب صدیق حسن) کو انکی صحبت دہلی میں حضرت استاد کے مکان پر نصیب ہوئی- اس قدر علم و کمال اور علم و حکمت اور فلسفہ، ریاضی، عربی، ادب اور لغت میں اتنی دستگاہ ہونے کے باوجود حسنِ اخلاق اور عالمانہ تواضع سے بہت دور تھے- انکا مزاج

---

[1] یعنی اس وقت انکی عمر (۵۰-۳۵)=۱۵ سال ہوئی-

[2] نواب صاحب کی اس کتاب کا مسودہ علیگڑھ یونیورسٹی میں ہے ملاحظہ ہو کراچی سے نکلنے والے جون، جولائی ۱۹۷۴ء کے ''معارف'' ص:۳۵، پر ڈاکٹر ایوب قادری کا مقالہ ''تاریخ قنوج تعارف و اقتباسات''-

امیرانہ تھا-انکی توجہ عیش وعشرت کی جانب تھی اور غیر شرعی لباس اور نرد اور شطرنج کی کھیلوں میں بے حد فخر محسوس کرتے تھے- میں نے دیکھا کہ داڑھی چڑھی ہوئی اور لباس شاہانہ ہے-وہ (ایسے) ہیں کہ مولانا محمد اسماعیل شہید سے انکے انتقال کے بعد[1] مناظرہ کیا-انکی تالیف کردہ کتابوں کی تردید، انکے کلام کو کمزور کرنے، اور ان کے مرتبۂ شان کو کم کرنے میں مصروف ہوئے اور اپنے خیال میں یہ بیان کیا کہ ان کے عقائد علمائے وقت کے خلاف تھے-

ان اعتراضات میں ہمارے سامنے ایک جانب نواب صاحب کی علامہ کے اخلاق کے بارے میں رائے ہے اور دوسری جانب علامہ کے معاصرین سے روابط اور انکے گرد علماء فضلاء شعراء ادباء اور تلامذہ کا ہجوم اور اس وقت کی یادگار محافل و مجالس کے تذکرے ہیں، ایک طرف خبر واحد اور دوسری طرف تواتر ہے، دونوں میں مکمل تضاد ہے، اسلئے کہ حسن اخلاق سے عاری و بعید شخص کے احوال تو اسکے برعکس ہونے چاہییں، تو معلوم ہوا کہ نواب صاحب کے پیش نظر اپنی صغرسنی اور زمانہ طالب علمی کی یہ اتفاقی ملاقاتیں ہیں علامہ کی اصل شخصیت اور مکمل سوانح نہیں-

نواب صدیق حسن قنوجی کو علامہ کے لباس پر بھی بڑا اعتراض ہے انکا کہنا ہے کہ علامہ خیر آبادی علماء کا سا لباس نہ پہنتے تھے، غیر شرعی اور شاہانہ لباس پہنتے تھے-نواب صاحب نے بات پوری واضح نہیں کی کہ علماء کا لباس یا شرعی لباس کس کو کہتے ہیں، کیونکہ شریعت نے نہ تو صرف کچھ اصول اور حدود مقرر کرنے کے بعد باقی کو مباح قرار دیا ہے، کسی مخصوص لباس کو شرعی لباس قرار نہیں دیا- البتہ لباسِ تقویٰ (ایمان، حیا، نیک خصلتیں، اعمال صالحہ) اور تواضع وسادگی کو بہتر بتلایا ہے-تو معلوم ہوا کہ نواب صاحب نے شاہانہ لباس کو غیر شرعی اور لباسِ علماء سے برعکس تعبیر کیا ہے-مگر وہ بھول گئے کہ شریعت میں یہ بھی

---

[1] انتقال کے بعد مناظرہ کرنے کی بات بھی عجائب میں سے ہے، خیال رہے یہ سلسلہ تقویت الایمان کی تالیف کے فوراً بعد شروع ہو گیا تھا، تفصیل پچھلے صفحات میں امتناع نظیر النبی میں ص: ۸۴ تا ۹۳ پر ملاحظہ کیجئے-

فرمایا گیا ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ----(الأعراف:۳۲)

تم فرماؤ کس نے حرام کی وہ زینت جواس نے اپنے بندوں کیلئے نکالی-

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ----(الأعراف:۳۱)

اے آدم کی اولاد اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ-

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ----(الأعراف:۲۶)

اے آدم کی اولاد بیشک ہم نے تمہاری طرف ایک لباس وہ اتارا کہ تمہاری شرم کی چیزیں چھپائے اور ایک وہ کہ تمہاری آرائش ہو اور پرہیز گاری کا لباس وہ سب سے بھلا-

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اسکی نعمت کا اثر بندہ پر ظاہر ہو-(ترمذی شریف)

ابوالاحوص روایت کرتے ہیں کہ انکے والد کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے کپڑے گھٹیا تھے-حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس مال نہیں ہے؟ میں نے عرض کی ہاں ہے، فرمایا کس قسم کا مال ہے؟ میں نے عرض کی: خدا کا دیا ہوا ہر قسم کا مال ہے، اونٹ، گائے، بکریاں، گھوڑے، غلام، فرمایا جب خدا نے تمہیں مال دیا ہے تو اسکی نعمت و کرامت کا اثر تم پر دکھائی دینا چاہیے-(مسند امام احمد ونسائی شریف)

علامہ فضل حق خیر آبادی تو صاحب دولتین تھے انہوں نے آنکھ کھلتے ہی اپنے اردگرد علم و فضل اور امارت و ریاست کو جلوہ گر دیکھا اور تاحیات یہی سلسلہ رہا-

حاصل یہ کہ شایانِ شان لباس پہننا شریعت سے ہٹنا نہیں بلکہ تحدیث نعمت ہے-

حکیم سید محمود احمد برکاتی نے ان اعتراضات کا بڑا تفصیلی جائزہ لیا ہے، اسی ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

"ہم نے امام الائمہ ابوحنیفہ، امام ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ وغیرہ متعدد اکابر وائمہ کے متعلق پڑھا ہے کہ وہ نہ صرف صاف ستھرا بلکہ اعلیٰ درجے کا لباس پہنتے تھے۔ خود نواب صدیق حسن خان کے متعلق متعدد ثقہ حضرات سے لباس کے اہتمام اور غیر شرعی اسباب زینت پر توجہ کے متعلق سنا ہے اور انکی جو تصویر[1] نظر سے گزری ہے اس میں وہ زیّ علماء کے بجائے زیّ امرا میں نظر آتے ہیں---- اور شاہ اسماعیل کے لباس کے متعلق تو جعفر تھانیسری[2] نے لکھا ہے کہ وہ ہمہ سپاہیانہ وضع رکھتے تھے۔ گلے میں الخالک اور چست پاجامہ، سر پر پیچیدہ عمامہ اور گلے میں تلوار حمائل کیے رہتے تھے۔"[3]

پروفیسر ایوب قادری نے علامہ کے بارے میں ایک مضمون لکھا، جس کا عنوان تھا: "مولانا فضل حق خیر آبادی کو انگریزی لباس اور طرز سے نفرت تھی۔"[4]

نواب صدیق حسن صاحب کو علامہ خیر آبادی کی جو بات سب سے زیادہ ناگوار گزری اور جس کا انہوں نے پوری طرح احاطہ کیا ہے[5] وہ یہ تھی کہ علامہ نے مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب "تقویت الایمان" کی وہ عبارات جو شانِ مصطفوی کے منافی ہیں ان پر اعتراض میں پہل کی اور انکا بھرپور رد کیا ہے۔ اسی لئے نواب صاحب لکھتے ہیں کہ علامہ نے مولوی اسماعیل صاحب سے مناظرت و منازعت کی، انکی کتابوں کی تردید کی، انکے کلام میں کھوٹ نکالا اور انکے مرتبے کو گھٹایا------

علامہ خیر آبادی پر ہونے والے تمام اعتراضات کا عمیق مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی ان عبارات کا رد، یہ علامہ کا وہ جرم ہے جسکی وجہ سے دیگر تمام

---

[1] خیال رہے کہ علامہ کے زمانہ میں تصویر کے رواج اور انکے معاصر حضرات غالب، بہادر شاہ ظفر اور سر سید احمد خان وغیرہ کی تصاویر اور علامہ کی ممتاز حیثیت کے پیش نظر ہم نے علامہ کی تصویر ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی مگر سعی بسیار کے باوجود انکی تصویر نہیں ملی، قرینِ قیاس ہے علامہ نے تصویر اتروائی ہی نہیں۔

[2] سوانح احمدی، حیات سید احمد شہید، ص: ۳۱۰

[3] فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون، ص: ۱۰۷

[4] دیکھیے روزنامہ حریت، کراچی، ۹ رجولائی ۱۹۷۷ء۔

[5] ابجد العلوم، ص: ۳/۲۵۳ تا ۲۵۵

اعتراضات کی ضرورت پیش آئی - چنانچہ ہر وہ شخص جسکے نزدیک علامہ مولوی صاحب کے اس سلسلہ میں مجرم ہیں اس نے ابجد العلوم وغیرہ کے انہیں الفاظ و معانی کو دہرایا ہے اور مقدور بھر اضافہ بھی کیا ہے-

چنانچہ نواب صاحب کے بعد جب جناب عبدالحئی صاحب (ف ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۷ء) نے، جنکی علامہ خیر آبادی سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی، ان پر نزھۃ الخواطر میں قلم اٹھایا تو انہوں نے ابجد العلوم میں کیئے گئے اعتراضات و تنقیصی کلمات کو من و عن نقل کیا اور پھر کچھ اضافہ بھی کیا اور لکھا: "وہ (علامہ) مزامیر سننے اور مجالسِ رقص میں شرکت اور دوسری ممنوع باتوں سے بھی پرہیز نہیں کرتے تھے-"[1]

جناب عبدالحئی صاحب کا یہ اضافہ دراصل انکے سفرنامے "دہلی اور اسکے اطراف" صفحہ ۳۱ پر موجود اس روایت کی تلخیص ہے جو انہوں نے علامہ کے مخالف مکتبۂ فکر کے ایک بڑے نام میاں سید نذیر حسین سے سنی، جس کا کہیں اور ذکر نہیں ملتا- جو تہجد کے پابند علامہ خیر آبادی پر یقیناً ایک تہمت ہے- حکیم سید محمود احمد برکاتی نے بھی اس داستان کو من گھڑت ثابت کیا ہے-[2]

انکے علاوہ باقی تمام معترضین غیر معاصر ہیں- انکے اعتراضات انہیں مذکورہ بالا حضرات سے نقل کردہ ہیں، یا بلا دلیل و حوالہ ہیں اور سوائے چند من و عن، بلا تحقیق نقل کرنے والوں کے باقی تمام[3] کا تعلق اسی مکتب فکر سے ہے جو شاہ اسماعیل دہلوی کا حامی اور محبّ

---

[1] نزھۃ الخواطر، ص: ۳۷۵/۷

[2] فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون، ص: ۱۲۱ تا ۱۲۴

[3] جیسے مرزا حیرت دہلوی، حیات طیبہ، ص: ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۳۳، منشی محمد جعفر تھانیسری: سیرت سید احمد شہید، ص: ۳۰۴، ۳۰۵، غلام رسول مہر: ۱۸۵۷ء کے مجاہد، ص: ۲۰۳، پیام شاہجہان پوری: ۱۸۵۷ء کے مجاہد، ص: ۱۳۴ تا ۱۳۸، سید محمد میاں: علماء ہند کا شاندار ماضی، ص: ۴/۴۴۲، ڈاکٹر جمیل احمد: حرکۃ التالیف باللغۃ العربیہ، ص: ۱۹۳، افضل حق قرشی، مولانا فضل حق خیر آبادی، ص: ۱۵۲، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۳، اور علامہ فضل حق خیر آبادی اور جہادِ آزادی، ص: ۱۲، ۵۹ تا ۷۰، سعید الرحمن علوی: علامہ فضل حق خیر آبادی اور جہادِ آزادی، ص: ۶ تا ۸- اور شاہ اسماعیل اور انکے ناقد از اخلاق حسین قاسمی، ص: ۱۵، ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری، علامہ فضل حق خیر آبادی اور جہادِ آزادی، ص: ۱۷۴، و دیگر حضرات-

ہے اور جنکے نزدیک شاہ صاحب کی مدح کا حق صرف اسی صورت میں ادا ہوتا ہے کہ سا
علامہ خیرآبادی کی تنقیص کی جائے۔

علامہ فضل حق خیرآبادی کی سیاسی زندگی پر اعتراضات کا سلسلہ پوری ایک صد
کے بعد شروع ہوا، ان اعتراضات کی بہت کچھ حقیقت تو مقدمے ہی میں کھول دی گئی ہے
مزید کیلئے آئندہ صفحات میں علامہ کے سیاسی احوال ملاحظہ کیجئے۔

باب 5

سیاسی احوال

5.1-ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازمت اور استعفیٰ:

علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازمت سے کیا یہیں سے انکی سیاسی سرگرمیوں کی ابتدا ہوئی جو تا حیات جاری رہیں۔ علامہ فضل حق انیس سال کی عمر میں ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء سے کچھ قبل عدالتِ دیوانی میں سررشتہ دار (کچہری پیشکار) مقرر ہوئے۔ مرزا حیرت لکھتے ہیں کہ ''اس سررشتہ داری میں انہیں وہ دبدبہ اور قوت و شوکت حاصل تھی جو اس زمانے میں ڈپٹی کمشنر کو ہے۔ آپکے مکان پر اہلِ مقدمہ کا دربار لگا رہتا تھا اور زندگی نہایت عزت و احترام سے بسر ہوتی تھی۔''[1] تقریباً سولہ سال تک یہ ملازمت جاری رہی اور پینتیس سال کی عمر میں ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۳۱ء کو اس ملازمت سے مستعفی ہو گئے۔

5.2-علامہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور انگریزوں سے متنفر اور انکے مخالف تھے:

علامہ فضل حق خیر آبادی انگریزوں سے متنفر اور انکے شدید مخالف تھے۔ میدانِ سیاست میں انکی آمد کی وجہ یہی انگریز دشمنی اور ناپسندیدگی تھی۔ جسکے ثبوت انکی مختصر سوانح حیات میں بہت ملتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

۱۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت سے استعفیٰ کی وجہ یہی انگریز دشمنی اور نفرت تھی۔ اس ملازمت کے دوران انہیں انگریزی تسلط اور انکی نااہلی، ستم شعاری، مکاری، اور ہندوستان اور ہندوستانیوں کیلئے انکی نفرت و حقارت کے جذبات کے حقیقی تجزیے کا موقع ملا۔ اور وہ ان سے بیزار اور متنفر ہوتے چلے گئے تا آنکہ مستعفی ہو گئے۔

حکیم سید محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ''یہ ملازمت ناپسند ہونے

---

[1] حیات طیبہ از مرزا حیرت دہلوی، ص ۱۰۱

کے باوجود والد ماجد کے حکم اور خواہش کی سعادت مندانہ تعمیل تھی[1]۔۔۔اور والد ماجد کی طرف سے ترک ملازمت کی اجازت نہ ملتی تھی۔ غالباً اسی لیے انکی رحلت ۵رذی القعدہ ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء کے تھوڑے عرصے بعد ۱۲۴۵ھ/۱۸۳۱ء میں مستعفی ہو گئے۔"

۲۔ آغاز ملازمت کے تین چار سال بعد کا تحریر کردہ (یعنی ۱۲۳۴ھ/۱۸۱۸ء کا) علامہ کا اپنے والد صاحب کے نام عربی زبان میں ایک خط دستیاب ہے جس میں اس ملازمت سے بیزاری کا اظہار واضح طور پر ملتا ہے، لکھتے ہیں:

هذا والمملوك بفضل ربه في رفاع حالٍ وفراغ بال، لايشتكي وصباً ولايلتقي نصباً، غير ما في الخدمة من المحنة والمهنة، فانه يظل واقفاً بين يدى الحاكم وينسخ احكامه التي حقّها أن ينسخ في رد النظام، والذي نفسي بيده لولا خشية العار ومظنة الشنار لارتحلتُ من هذه الديار إلى غيرها من الأمصار، ولا تخذت التوكل معاشاً۔[2]

ترجمہ: "میں خدا کے فضل و کرم سے خوشحال اور مطمئن ہوں، مگر ملازمت میں ذلت وخواری بہت ہے۔ حاکم کے سامنے مستقل حاضر رہنا پڑتا ہے اور اسکے وہ احکام املا کرنا ہوتے ہیں جو قابل قبول نہیں ہوتے قسم خدا کی اگر مجھے رسوائی کی شرم نہ ہوتی تو کبھی کا کہیں اور منتقل ہو جاتا اور متوکلانہ زندگی بسر کرتا۔"

۳۔ مفتی انتظام اللہ شہابی درج کرتے ہیں: مولانا نے حکام کا طریقہ خلافِ مرضی پایا مستعفی ہو گئے۔[3]

۴۔ مرزا اسد اللہ خان غالب جنکے ساتھ علامہ کے گہرے علمی و ادبی روابط ہونے کے علاوہ دوستانہ مراسم بھی تھے، انہوں نے ۳۱رجنوری ۱۸۳۲ء کو مدیر "آئینۂ سکندری" کلکتہ کے نام ایک مکتوب روانہ کیا، اور علامہ کے ملازمتِ کمپنی سے استعفی کے واقعہ پر اپنے

---

[1] فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون، ص:۴۱

[2] علامہ کی اصل قلمی بیاض (مملوکہ حکیم سید محمود احمد برکاتی، کراچی)، ص:۱۲

[3] ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، ص:۵۴

تاثرات اور جذبات کا کچھ یوں اظہار کیا:

"بے تمیزی و قدر ناشناسئ حکام رنگ آں ریخت کہ فاضلِ بے نظیر والمعیٔ یگانہ مولوی حافظ فضل حق از سر رشتہ داری عدالتِ دہلی استعفاء کردہ۔ خود را از ننگ و عار وارہاند۔ حقا کہ از پایۂ علم و فضل و دانش و کنش مولوی فضل حق آن مایہ بکاہند۔ کہ از صد یک وامانند باز۔ آں پایہ را بسر رشتہ داری عدالت دیوانی سنجند ایں عہدہ دوں مرتبہ وے خواہد بود[1]!

ترجمہ: حکام فرنگ کی بے تمیزی اور قدر ناشناسی نے یہ رنگ دکھایا کہ فاضلِ بے نظیر والمعیٔ یگانہ مولوی حافظ فضل حق نے عدالتِ دہلی کی سر رشتہ داری سے استعفاء دیکر ننگ و عار سے نجات پائی۔ واقعہ یہ ہے اگر مولانا کے علم و فضل کے ایک فی صدی کا عدالتِ دیوانی کی سر رشتہ داری سے موازنہ کریں تو اس عہدہ کا پلہ ہلکا نکلے گا۔

حکیم سید محمود احمد برکاتی ایک حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: کہ

"غالب نے اس خط میں فرنگی حکومت کے متعلق جس طرح کے الفاظ استعمال کیے ہیں ویسے کہیں اور نہیں کیے، اسلئے اگر ہم مولانا سے مرزا غالب کے مراسمِ اخوت و اتحاد کے پیشِ نظر انہیں مولانا۔ کے جذبات و تاثرات تصور کریں تو بے جا نہ ہوگا۔"[2]

۵۔ علامہ کے اشہر تلامذہ میں ایک نام نور الحسن کاندھلوی کا ہے۔ یہ ۴ر جنوری ۱۸۴۶ء کو دیوبند ضلع سہارنپور کے تحصیلدار مقرر ہوئے۔ دوران ملازمت بعض خلاف طبیعت امور برداشت نہ کر سکے اور مستعفی ہو گئے۔ اس پر علامہ فضل حق نے انہیں ایک خط روانہ کیا، جس میں مولوی نور الحسن کاندھلوی صاحب کی دلجوئی و حوصلہ افزائی کی ہے اور غیرتِ دین کی بنا پر ترکِ ملازمت پر اظہار خوشی کیا ہے:

بدریافت قطع کردن آں اعز سلسلۂ روزگار بحمیتِ دین بغایت مسرور شدم، بفضل رزاق مطلق روزی بسیار است۔ ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب در مظفر نگر وغیرہ اضلاع روزگار

---

[1] پنج آہنگ، ص: ۳۵۵، ۳۵۶

[2] فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون، ص: ۲۲

صورت می بندد، نظر بر شانِ رزاقی باید داشت۔[1]

ترجمہ: دینی غیرت کی بنا پر اس معزز سلسلۂ روزگار کے ختم کرنے کی اطلاع پر میں انتہائی خوش ہوا، رزاق مطلق جلّ شانہ کے فضل سے روزگار بہت ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب مظفر نگر اور دوسرے اضلاع میں روزگار کی صورت بن جائے گی، اللہ تعالیٰ کی شانِ رزاقی پر نظر رکھنی چاہیے۔

۶۔ عشرت رحمانی اپنے دادا نواب احمد یار خاں کے حوالے سے، جو سانحہ ہنومان گڑھی[2] کے وقت لکھنؤ میں کوتوال تھے، لکھتے ہیں:

"حضرت امیر المجاہدین مولانا امیر الدین علی شاہ کی شہادت نے علامہ فضل حق کو بے حد متاثر کیا، اور انکا دل انگریزی ڈپلومیسی اور جبر و ظلم سے سخت متنفر ہو گیا۔"[3]

علامہ کی انگریزوں سے یہ دشمنی و تنفر انکی اولاد میں بھی منتقل ہوا۔ چنانچہ آپکے صاحبزادے مولانا عبد الحق خیر آبادی نے بسترِ مرگ پر اپنے تلامذہ و اخلاف کو یہ وصیت کی کہ "میں تو وطن سے انگریزوں کو جاتے نہ دیکھ سکا، خدا تمہیں یہ روزِ روشن دکھائے تو میری قبر پر آ کر یہ ضرور کہہ دینا کہ انگریز چلا گیا۔"

چنانچہ ۱۵ ر اگست ۱۹۴۷ء کو مولانا مفتی سید نجم الحسن رضوی خیر آبادی نے مولانا کے مدفن (درگاہِ مخدومیہ) پر ایک جمِ غفیر کے ساتھ حاضر ہو کر میلاد شریف کے بعد فاتحہ خوانی کی اور انگریزی سلطنت کے خاتمہ کی خبر سنا کر وصیت پوری کی۔[4]

۷۔ علامہ کی انگریزوں سے نفرت اور انکے احکام و اقدامات پر تنقید، علمِ معاشیات

---

[1] تذکرہ اسلاف، "حالات مشائخ کاندھلہ"، ص: ۱۴۷

[2] سانحہ ہنومان گڑھی کی تفصیل ص: ۳۳۰، ۳۳۱ پر ملاحظہ کیجئے۔

[3] جنگ آزادی کے نامور مجاہدین، ص: ۱۲۳

[4] زبدۃ الحکمہ، ص: ۱۳، باغی ہندوستان، ص: ۳۳۲، فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون، ص: ۳

میں انکی مہارت اور دور اندیشی کا اندازہ ہم علامہ کی اس درخواست[1] سے بخوبی کر سکتے ہیں جو انہوں نے انگریزی تسلط کے زمانے میں کمپنی کی ملازمت کے دوران، ساکنانِ دہلی کی طرف سے، انگریز حاکم کی بجائے معزول بادشاہ اکبر شاہ ثانی کے نام، جنگِ آزادی سے کم از کم ۳۰ رسال پہلے ۱۸۲۷ء سے پہلے کے کسی سن میں لکھی تھی۔ یہ درخواست فارسی میں ہے اور ناقص الآخر ہے اور علامہ کی سیاسی بصیرت پر پہلا تحریری ثبوت ہے جو امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں کچھ محفوظ ہے۔[2]

حکیم سید محمود احمد برکاتی نے اس طویل درخواست کی اردو زبان میں تلخیص کچھ یوں کی ہے:

ملک کی اقتصادی حالت: یہاں کے باشندے ہندو ہوں یا مسلمان، ملازمت تجارت، زراعت، حرفت، زمینداری اور دریوزہ گری پر معاش رکھتے ہیں۔ انگریزوں کی حکومت کے قیام کے بعد سے معاش کے یہ تمام وسائل مسدود و مفقود ہو گئے ہیں۔

۱۔ ملازمت کے دروازے شہریوں پر بند ہیں۔

۲۔ تجارت پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا ہے، کپڑا، سوت، ظروف اور گھوڑے وغیرہ تک انگلستان سے منگوا کر، خود فروخت کر کے نفع کماتے ہیں۔

۳۔ معافی داروں کی معافیاں ضبط کر لی گئی ہیں۔

۴۔ کسانوں کو محاصل کی کثرت نے بدحال کر دیا ہے۔

ان چاروں طبقوں کی زبوں حالی کے نتیجے میں اہل حرفہ اور ان سب کے نتیجے میں دریوزہ گر تنگیٔ معاش کے شکار ہیں۔

---

[1] یہ درخواست جناب نثار احمد فاروقی کو ایک قلمی مجموعہ انتخاب میں ملی تھی۔ اس مجموعہ میں غالب کے بارہ غیر مطبوعہ خطوط کے علاوہ فیضی، بیدل، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، علامہ فضل حق خیر آبادی، مولوی فیض الحسن سہارنپوری اور شیفتہ جیسے ۱۸۵۷ء کے قبل کے ۴۹ فارسی انشاء پردازوں کے خطوط و تعلقات کا انتخاب شامل ہے، تفصیل کیلئے دیکھئے "تلاش غالب" از نثار احمد فاروقی ص: ۲، یہ درخواست پہلی مرتبہ سہ ماہی نوائے ادب ممبئی، جلد ۱۳، شمارہ ۳، میں جولائی ۱۹۶۲ء میں چھپی اور فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون کے ص: ۹۱ تا ۹۴ پر بھی ہے۔

[2] فارسی متن آخر میں ص: ۳۸۵ تا ۳۸۷ پر ملاحظہ کیجئے۔

دہلی کی اقتصادی زبوں حالی: دہلی میں ہوڈل وغیرہ بہت سے پرگنے جاگیر میں شامل تھے، اور جاگیرداروں کے یہاں ہزاروں آدمی فوج، انتظامی امور اور شاگرد پیشہ کی خدمت پر مامور تھے - اب یہ پرگنے اور دیہات و مواضعات انگریزوں نے ضبط کر لیے ہیں اور لاکھوں کسان بے روزگار ہو گئے ہیں۔

بیواؤں کی معاش چرخہ کاتنے، رسیاں بٹنے اور چکی پیسنے پر موقوف تھی، اب رسی کی تجارت حکومت (کمپنی) نے اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور ہاتھ کی چکیوں کی جگہ پن چکیاں لگ گئی ہیں۔ تو یہ ذریعہ معاش بھی جاتا رہا۔

عوام کی اس بے بضاعتی اور بے روزگاری کی وجہ سے اہل حرفہ اور ساہوکار بے روزگار اور رزق سے محروم ہو گئے ہیں۔

ان سب پہ مستزاد اب چارلس مٹکاف[1] نے یہ حکم دیا ہے کہ غریب زر چوکیداری ادا کیا کریں۔ یہ ٹیکس پہلے کبھی نہیں لیا جاتا تھا۔

دوسرا حکم یہ ہوا ہے کہ ہر گلی کے دروازے پر پھاٹک لگایا جائے۔ جس کا کوئی فائدہ معلوم و متصور نہیں ہے۔

تیسرا حکم یہ ہوا ہے کہ ان پھاٹکوں کے کھلنے اور بند ہونے کے اوقات مقرر ہوں جس سے ہمیں مشکلات کا سامنا ہے۔

چوتھا حکم یہ ہوا ہے کہ ہر محلے سے ۵/۵ پنچ مقرر کیے جائیں۔"[2]

اس درخواست پر میاں عبدالرشید اپنے مضمون "علامہ، علم و فضل کے بحر بیکراں" میں یوں تبصرہ کرتے ہیں: علامہ نے برطانوی حکومت کی معاشی پالیسی کو جس طرح بے نقاب کیا ہے اس سے انکی بلند نظری اور دقیقہ رسی ظاہر ہوتی ہے۔[3]

---

[1] سر چارلس مٹکاف پہلے ۱۸۱۱ء سے ۱۸۱۹ء تک اور پھر دوبارہ ۱۸۲۵ء سے ۱۸۲۷ء تک دہلی کا ریذیڈنٹ رہا تھا۔ ڈکشنری آف انڈین بائیوگرافی، ص: ۲۸۷ بحوالہ فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون، ص: ۲۳

[2] ملاحظہ کیجیے "فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون، ص: ۲۴ تا ۲۶۔

[3] دیکھیے ہفت روزہ "الہام"، بہاولپور، "شہید آزادی ایڈیشن، ص: ۲۱۴۔

حکیم سید برکاتی صاحب کا کہنا ہے کہ "اس درخواست کی خاص بات یہ ہے کہ دہلی پر ۱۸۰۳ء سے انگریزوں کا تسلط ہو چکا تھا اور لال قلعے کے مغل بادشاہ، کمپنی کے وظیفہ خوار اور بے اقتدار تھے، مگر درخواست کمپنی کے ریذیڈنٹ کے نام نہیں (جو با اختیار اور دراصل حاکم تھے) بلکہ اکبر شاہ ثانی کے نام ہے، اس میں کئی سیاسی اور نفسیاتی منافع و مصالح تھے۔"[1]

اس درخواست کے ذریعے علامہ نے عوام کو اصل مسلم حکمرانوں کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی، اور مغل بادشاہ اکبر شاہ ثانی کو حالات کی سنگینی سے آگاہ کرتے ہوئے انہیں انکی ذمہ داری کا احساس دلایا۔ اس درخواست میں انگریزوں کیلئے مسلم حکمرانوں اور رعایا کے ساتھ اپنے رویے کی اصلاح اور جاری کردہ احکامات و اقدامات پر نظر ثانی کا بھی پیام تھا۔

۸۔ نادم سیتاپوری رقمطراز ہیں: مولانا کی دوررس نگاہوں اور حساس دل نے غالباً اس قومی توہین و تحقیر کا جلد ہی جائزہ لے لیا، ان کا دل انگریزوں کی ملازمت سے بیزار ہو گیا، اور انہوں نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔[2]

۹۔ جناب مہدی حسین لکھتے ہیں: "انہوں نے چند ہی سال بعد استعفیٰ دے دیا کیونکہ وہ کمپنی کی نوکری کو پسند نہیں کرتے تھے۔"[3]

۱۰۔ علامہ کی انگریز دشمنی کا انمٹ اور ناقابلِ تردید ثبوت جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں انکا حصہ اور سب سے اہم کردار ادا کرنا ہے۔ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے دوران علامہ کی سیاسی سرگرمیاں عروج پر پہنچ گئیں ان سرگرمیوں کی نوعیت و افادیت کے تعین اور محاذِ دہلی کے دیگر کرداروں کے مقابل علامہ کے کردار کی اہمیت کے جائزے کیلئے ہم جنگِ آزادی اور اسکے کرداروں کا درج ذیل اصل تاریخی ماخذ و مراجع سے تجزیہ پیش کرتے ہیں۔

---

[1] سفر اور تلاش، ص: ۷۱

[2] غالب نام آورم، ص: ۱۰۶

[3] Bahadur Shah II and the War of 1857-P:389

☆ ''غدر کے فرمان'': یہ کتاب خواجہ حسن نظامی کی مرتب کردہ ہے اور یہ محاصرۂ دہلی کے دوران شاہی محل سے جاری ہونے والے ان فرامین پر مشتمل ہے جنکو سقوطِ دہلی پر قبضے میں لے لیا گیا تھا۔

☆ ''Kedarnath's Diary'': یہ دہلی گزٹ پریس کے سابق کلرک کدارناتھ کی مختصر ڈائری ہے جو کہ ۱۱ر مئی ۱۸۵۷ء سے ۱۱ر ستمبر ۱۸۵۷ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے اسکی سب سے بڑی خوبی دن اور تاریخ کی وضاحت کے ساتھ اسکی ترتیب ہے۔

☆ ''Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan'': یہ بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے سب سے معتمد وزیر، محل میں محاصرۂ دہلی کے دوران رونما ہونے والے تمام واقعات کے چشم دید گواہ، حکیم احسن اللہ خان کی یادداشت پر مشتمل کتابچے کا انگریزی ترجمہ ہے۔ اصل مسودہ تو دستیاب نہیں البتہ اسکا انگلش ترجمہ ''سر جون کیز'' کے اوراق کے ساتھ انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے۔ بقول مترجم کے حکیم صاحب نے یہ یادداشت انکی فرمائش پر تحریر کی۔ یہ ۱۱ر مئی ۱۸۵۷ء سے ۱۹ر ستمبر ۱۸۵۷ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ حکیم صاحب نے اس مختصر یادداشت میں واقعات کے رونما ہونے کا وقت تک تحریر کیا ہے۔ مگر تاریخ اور دن کی پوری وضاحت نہیں کی بلکہ صرف ''اگلے دن'' اور ''کچھ دنوں بعد'' کے الفاظ سے واقعات کا تسلسل برقرار رکھا ہے۔

☆ ''خدنگِ غدر'': غدار معین الدین حسن خان کا روزنامچہ ہے۔ معین الدین جنگِ آزادی سے قبل پولیس افسر تھا۔ آغازِ جہاد پر انگریزوں اور انکے وفاداروں کی جانیں بچانے میں سرگرداں رہا۔ جب مجاہدین کو اس پر شبہ ہوا تو وہ نہایت چالاکی سے انکے ساتھ مل گیا۔ بادشاہ سے کرنل کا عہدہ حاصل کر لیا اور اپنی مرتب کردہ فوج پر شہزادہ مرزا مغل کو کمانڈر بنا لیا۔ اسکا کام صرف بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہنا تھا۔ پھر بیماری کا بہانہ کر کے گھر پر پڑا رہا۔ شہزادوں کی سفارش سے کوتوال بھی مقرر ہوا۔ اس نے شہر کو خوب لوٹا۔ اس دوران پیش آنے والے واقعات کو وہ لکھتا رہا۔ جنگِ آزادی کے تقریباً بیس برس بعد ان

مسودات کی مدد سے سر چارلس مٹکاف کی فرمائش پر یہ روزنامچہ لکھا اور ان سے اپنی وفات کے بعد چھاپنے کا وعدہ لیا- یہ روزنامچہ "غدر کی صبح وشام" کے ص:۳۹ تا ۹۰ پر ہے- اس روزنامچہ میں بھی دن اور تاریخ کے تعین کا اہتمام نہیں ہے-

☆ "غدر کی صبح وشام": یہ روزنامچہ غدار رائے جیون لال بہادر کا ہے- یہ تعلیم یافتہ اور انگریزوں کا مخلص و وفادار ملازم تھا- اسسٹنٹ ریزیڈنٹ اپنی اور ریزیڈنٹ کی اطلاع کیلئے قلعہ کے تمام معاملات کے متعلق ڈائری اسی سے لیتے تھے- جنگِ آزادی شروع ہوئی تو اس (جیون لال) نے اپنے آپ سے کہا: اب تیرے لئے اپنے آقاؤں کی خدمت کرنے کا موقع آگیا ہے- میں چونکہ خطرہ کے باعث گھر میں قلعہ بند تھا اس لئے خبریں حاصل کرنے کے ارادہ سے میں نے دو برہمنوں گردھاری مصر اور ہیرا سنگھ اور دو جاٹوں کی خدمات حاصل کیں- انکا کام یہ تھا کہ وہ شہر کی اور قلعہ کی تمام خبریں مجھے لا کر دیا کریں تا کہ میں سلطنت کے اعلیٰ افسروں کی اطلاع دہی کیلئے سچے واقعات قلمبند کر لیا کروں- چنانچہ جیون لال کا یہ روزنامچہ بہت مفصل اور مفید ہے- اس میں ترتیب کے ساتھ ہر دن کی رپورٹ تاریخ کی وضاحت کے ساتھ ذکر کی گئی ہے- اسکو پڑھنے کے بعد یہ سوال ابھرتا ہے کہ کیا کوئی بات جاسوسوں اور غداروں سے چھپی ہوئی بھی تھی؟

☆ "غداروں کے خطوط": یہ کتاب سلیم قریشی صاحب کی گراں قدر کاوش ہے اور تقریباً سینتالیس (۴۷) جاسوسوں کی محاصرۂ دہلی کے دوران انگریزوں کو بھیجی جانے والی رپورٹوں پر مشتمل ہے- ان میں سے رجب علی[1] (ایک آنکھ والا)، تراب علی، گوری شنکر،

---

[1] یہ مولوی رجب علی جاسوس گروہ کا سردار تھا- انگریزوں نے اسکی خدمات کا واضح اعتراف کیا ہے- کیو براؤن (Cave Brown) نے اپنی کتاب "Punjab & Dehli in 1857" کی جلد نمبر 1 ص:۳۳۹، ۳۴۰ پر لکھا ہے: "دہلی کا محاصرہ شروع ہوتے ہی میجر ہوڈسن کی سرکردگی میں مخبروں اور جاسوسوں کی تنظیم کا سلسلہ شروع کیا گیا- میجر ہوڈسن نے اپنے ایک پرانے واقف کار مولوی رجب علی سے جو اس سے پہلے ہنری لارنس کے میر منشی رہ چکے تھے، رابطہ کیا- مولوی صاحب یہ خدمت انجام دینے کیلئے بخوشی تیار ہو گئے، انہوں نے یہ خدمت ایسی وفاداری اور جوش وخروش سے انجام دی کہ اسکا اندازہ لگانا دشوار ہے- وہ دہلی کے عین وسط میں رہتے ہوئے شہر میں موجود باغیوں کے متعلق ہر وہ اطلاع جسکا جاننا ہمارے لئے ضروری تھا، کاغذ کی پرچیوں پر لکھ کر، چپاتیوں کے پرتوں میں، جوتوں کے تلووں میں، پگڑیوں کی تہوں میں سکھوں کے بالوں کے جوڑوں میں چھپا چھپا کر ہم تک بھیجتے رہے- (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے کے حاشیے میں)

فتح محمد خان، جواہر سنگھ اور ایک نامعلوم جاسوس[1] نے جاسوسی کی خاص تاریخ رقم کی۔ ان کی رپورٹوں میں حریت پسندوں کی تعداد، جائے وقوع، نقل و حرکت، انکے حوصلے، تدابیر، فیصلے، اسلحہ کی چیدہ چیدہ تفصیل، محل میں آنے جانے والے لوگوں، وفود، خطوط، پیغامات، شاہی فرامین، اور بادشاہ، ملکہ، وزراء، روساء، افسرانِ فوج اور شہزادوں کی گفتگو تک کا ریکارڈ ہے۔ یہ اہم اور نایاب خطوط انڈیا آفس لائبریری اینڈ ریکارڈز کی تحویل میں ہیں، ان میں سے کچھ خطوط کا متن ''پریس لسٹ آف میوٹنی پیپرز'' میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

☆ ''الثورۃ الھندیہ اور قصائد فتنۃ الھند'': الثورۃ الھندیہ[2] جنگِ آزادی کے بعد، اس موضوع پر سب سے پہلی باقاعدہ کتاب ہے۔ جو اس جنگ کے عینی شاہد و شریک علامہ فضل حق خیر آبادی کی خودنوشت ہے۔ انہوں نے جزیرہ انڈیمان میں انگریزوں کی قید میں، جنگِ آزادی کا آنکھوں دیکھا حال، ذاتی تجزیہ اور غیر جانبدارانہ تنقید، عربی میں ایک رسالہ اور تین قصائد کی شکل میں قلمبند کی۔ اسکا اور دو قصائد کا اردو ترجمہ ''باغی ہندوستان'' کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ تیسرا قصیدہ نونیہ[3] ۲۳۵ اشعار پر مشتمل ہے نامکمل قصیدہ ہے اس میں سقوطِ دہلی تک کے حالات ہیں علامہ اِسے رہائی کے بعد مکمل کرنا چاہتے تھے مگر جزیرہ انڈیمان میں ہی انکا انتقال ہو گیا۔ الثورۃ الھندیہ کے نام سے مشہور علامہ کی یہ تصنیف جنگِ آزادی پر مستند ترین اور پہلی کتاب ہونے کے علاوہ علامہ کا بڑا کارنامہ بھی ہے۔ اسلئے کہ جنگِ آزادی کے بعد جنگ کے حقائق کا تذکرہ اور جنگِ آزادی لڑنے

(سابقہ بقیہ حاشیہ) اس طرح باغیوں کے مورچوں اور منصوبوں کی اطلاع ہمارے کمانڈروں تک بروقت پہنچاتے رہے۔'' ان خدمات کے اعتراف میں رجب علی کو سقوطِ دہلی کے بعد خلعت، پانچ ہزار روپیہ، جاگیر (جگراؤں) اور ارسطو جاہ، خان بہادر کے خطاب ملے۔ دیباچہ غداروں کے خطوط، ص: ۷۷، ۷۸۔

[1] جو کہ بہت اثر و رسوخ والا اور متحرک قسم کا شخص تھا۔ جاسوسوں کے گروہ سے اسکا مکمل رابطہ تھا، تمام فوجی معلومات اور درباری رازوں سے آگاہ تھا۔ شاہی خاندان حتیٰ کہ ملکہ زینت محل تک اسکی رسائی تھی۔ وہ شاہی خاندان سے نہ تھا۔ جبکہ ''غداروں کے خطوط'' ص: ۲۰۷ پر شہزادہ مرزا مغل پر شبہ کیا گیا ہے۔

[2] اس تصنیف کا مکمل تعارف علمی احوال میں تصانیف کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

[3] آخر میں ص: ۳۹۸ تا ۴۳۳ پر ملاحظہ کیجئے۔

والوں کے ذکر کی جرأت صرف علامہ نے ہی کی[1]- اس میں انہوں نے مصلحت و مجبوری کے سبب اشخاص اور جگہوں کے نام ذکر کرنے سے گریز کیا ہے اور ہر بات کا ذکر انتہائی اختصار سے کیا ہے-

5.3- جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء تمام اہل ہندوستان کی ہندوستان کو انگریزوں کے تسلط سے آزاد کروانے کی مشترکہ کوشش تھی، نہ کہ محض فوجی بغاوت اور یہ کہ مسلم علماء اور عوام کی طرف سے اسکی تیاری ایک عرصے سے جاری تھی، یہ کوئی اتفاقی جنگ نہ تھی-

اسباب:

علامہ فضل حق خیر آبادی نے جنگ آزادی کے مندرجہ ذیل اسباب ذکر کیے ہیں- جنکی تصدیق دیگر کتب تاریخ سے بھی ہوتی ہے-

۱- انگریز اپنے اقتدار کے استحکام اور دوام کیلئے تمام اہل ہندوستان کو نصرانی بنانے کے عزائم رکھتے تھے- ان عزائم کی تکمیل کیلئے انہوں نے تمام ہندوستان میں عیسائی مبلغین کو پھیلا دیا اور اور جدید نظام تعلیم رائج کیا-

۲- وہ عوام کو مجبور اور اپنا دست نگر بنانے کیلئے ہندوستان کی تمام اجناس و غلہ خرید لیتے اور یوں معاش کے تمام ذرائع مفقود ہو جاتے-

۳- انگریزوں نے مسلمانوں کو ختنہ کرانے سے اور شریف و پردہ نشین عورتوں کو پردے سے روکا-

۴- تمام رعایا کو ملت کفر و الحاد پر متفق کرنے کیلئے مسلمانوں کو سور کی چربی والے اور ہندوؤں کو گائے کی چربی والے کارتوس دیے-[2]

---

[1] دیگر مورخین نے تو ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط کے خاتمہ تک اسکو غدر اور بغاوت ہی لکھا- بعض نے ڈر سے اور بعض نے رضا جوئی کیلئے-

[2] باغی ہندوستان، ص: ۳۱، ۳۲، اور آخر میں قصیدہ فونیہ کا شعر نمبر ۴۶ تا ۷۱- ملاحظہ کریں-

مگر افسوس مذکورہ بالا اسباب کے باعث شروع ہونے والی جنگ تادیر مشترکہ جنگ نہ رہی اور انگریز سکھوں کو خریدنے میں کامیاب ہو گئے اور ہندوؤں کی اکثریت بھی بدلتے ہوئے حالات دیکھ کر انگریزوں کی جان و مال سے مدد کرنے لگ گئی اور رہے مسلمان تو وہ قیادت کی نا اہلی اپنوں کی غداری اور غیروں کی سازش کا شکار ہو کر جنگ ہار گئے

نتائج:

اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ چار شہزادوں کو دھوکے سے گرفتار کر کے گولی ماردی گئی انکے سر تن سے جدا کر کے خوان میں لگا کر بطور تحفہ بیاسی سالہ بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو پیش کیے گئے اور بادشاہ کو جان بخشی اور اہانت نہ کرنے کا وعدہ کر کے غداروں کے ذریعے پہلے گرفتار کیا اور پھر تمام عالمی قوانین کو بالائے طاق رکھ کر، خود ہی قاتل، خود ہی شاہد، خود ہی منصف کا مقدمہ چلا کر، اس پیرانہ سالی میں تاحیات جزیرہ رنگون میں جلاوطن کر دیا اور ہزاروں مسلمانوں کو گولیوں سے اڑا دیا گیا، ہزاروں کو پھانسی دے دی گئی، دہلی کی فتحپوری مسجد سے قلعے کے دروازے تک درختوں کی شاخوں پر مسلمانوں کی لاشیں لٹکتی نظر آئیں۔ مسلمانوں کو توپوں کے دھانوں پر باندھ کر اڑایا گیا۔ زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سلوا کر کڑھاؤ میں ڈلوایا گیا۔ دہلی شہر کا غلہ پانی بند کر دیا گیا، جس سے ایک بڑی تعداد ہجرت پر مجبور ہو گئی۔ مساجد ڈھا دی گئیں اور ان میں نماز و اذان پر پابندی لگا دی گئی۔ جامع مسجد دہلی کے حجروں میں گھوڑوں کو باندھا گیا۔ حوض میں وضو کے پانی کی جگہ لید ڈلوا دی گئی۔ پردہ نشین عورتوں کو قیدی ولونڈی بنایا گیا، بیچا گیا، بعض نے ڈوب کر اور خودکشی کر کے جان دے دی، لوٹ مار کی انتہا کی گئی، جاگیریں، مال، مویشی، زیورات حتیٰ کہ پہنے ہوئے کپڑے بھی اتروائے گئے۔[1]

جبکہ ہندوؤں میں سے صرف اسکو سزا دی گئی جس کا جرم یقینی طور پر ثابت ہوا اور جن سکھوں نے جنگ آزادی میں شرکت جاری رکھی تھی انکے ساتھ کیا سلوک کیا گیا تاریخ

---

[1] تفصیل کیلئے "الثورۃ الھندیہ" (باغی ہندوستان)، قصائد فتنۃ الھند اور کتب تاریخ ملاحظہ کیجئے۔

اس پر خاموش ہے۔

5.4- فتح دہلی سے سقوطِ دہلی، آخر کیوں؟

۱۰ ر مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ کی فوج نے کارتوس استعمال کرنے سے انکار کر دیا اور یوں عملی طور پر انگریزوں کی اطاعت سے اعلانیہ انحراف کا آغاز کیا، اور پھر ۱۱ ر مئی کو دارالحکومت دہلی فتح کر لیا، اسکی اطلاع ملتے ہی ہندوستان کے بہت سے حصوں میں فوج اور عوام نے انگریزوں کی غلامی کے جوئے کو اتار پھینکا، اور مقامی علاقوں میں کامیابی کے بعد دارالحکومت دہلی کا رخ کرنے لگے۔ چنانچہ

☆ میرٹھ سے فوج ۱۱ ر مئی کو دہلی آئی۔
☆ نصیر آباد ڈویژن ۱۸ ر جون کو دہلی پہنچا۔
☆ روہیل کھنڈ کے پانچ پلٹن جنرل بخت خان کی قیادت میں ۲ ر جولائی کو آئے۔
☆ جھانسی کی فوج ۱۵ ر جولائی کو آئی۔
☆ نیمچہ فوج ۲۷ ر جولائی کو دہلی آئی۔

چار ماہ سے زائد عرصہ تک مجاہدین دہلی پر قابض رہے، اور پھر سقوطِ دہلی کا دلخراش سانحہ رونما ہوا اور ۱۹ ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو انگریز دہلی پر دوبارہ قابض ہو گئے۔ یہ جنگ کیوں نہ جیتی جا سکی؟ اسکا جواب ذیل میں قائدینِ جنگِ آزادی کے کرداروں سے بخوبی ملتا ہے۔

5.5- قائدینِ جنگِ آزادی

5.5.1- بہادر شاہ ظفر:

بہادر شاہ ظفر آخری مغل تاجدار ۱۷۷۵ء میں پیدا ہوئے اور ۸۷ سال کی عمر میں ۱۸۶۲ء میں جزیرہ رنگون میں جلاوطنی کی حالت میں انتقال کر گئے- انکے دورِ حکومت کے آخری ایام میں انگریز شاہی خاندان کو حق جانشینی سے محروم کر کے، مغلیہ دورِ حکومت کے خاتمہ کے خواہاں تھے اور بہادر شاہ ظفر اس پر راضی نہ ہونے کے باوجود کچھ کرنے سے قاصر تھے-

اِس دوران جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کا آغاز ہو گیا- بادشاہ بہادر شاہ ظفر اپنی حکومت کی بحالی پر خوش ہوئے- چنانچہ انہوں نے مجاہدین کے ساتھ تعاون کیا اور حتی الامکان انکی مدد کی- شہر کا گشت کر کے انکی خوراک کے انتظام کیلئے خائف دکانداروں سے دکانیں کھلوانے کی کوشش کی- دیگر ریاستوں کو خط لکھ کر افواج کی تنخواہ کے انتظام وغیرہ میں مدد مانگی- فتح حاصل ہونے پر مجاہدین سے انعامات کا وعدہ کیا- انکی حوصلہ افزائی کیلئے بارہا مورچوں پر گئے- انکی کامیابیوں پر اظہارِ خوشی کیا اور ناکامیوں پر انہیں ملامت کی- شہزادوں کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہ برتی- جنرل بخت خان پر پورا اعتماد کیا اور اسے ہر طرح سے راضی رکھا اور نوازا- فتح کے حصول کی خاطر ہندو مسلم اتحاد برقرار رکھنے کیلئے ذبیحۂ گاؤ پر پابندی عائد کی اور سب سے مایوس ہو کر انتظام ملکی و فوجی کیلئے ایک کونسل (معروف بہ کورٹ) بنائی- اسکے باوجود وہ اپنا تخت و تاج بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے-

بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو ناکامی اسلئے ہوئی کہ وہ ایک بوڑھے کمزور حکمران اور نااہل قائد تھے، اوصافِ حکمرانی اور لوازماتِ قیادت سے تہی داماں تھے، وہ اپنی بیگم ملکہ زینت محل اور وزیر حکیم احسن اللہ کے مطیع اور ان پر حد درجہ اعتماد کرتے تھے- انکی اپنی کوئی رائے یا فیصلہ نہ ہوتا تھا- وہ بصیرت و فراست سے عاری تھے- چنانچہ نااہلوں، غداروں اور جاسوسوں کا

انکے گرد گھیرا تنگ سے تنگ تر ہوتا گیا مگر وہ انکو پہچان نہ سکے بلکہ آخر وقت تک ان پر اعتماد کرتے رہے اور انکے کہنے پر انگریزوں کو گرفتاری دے دی، حکیم احسن اللہ خان کیلئے تو وہ جان تک دینے کیلئے تیار تھے- بادشاہ بزدل، کوتاہ ہمت اور انگریزوں سے متاثر و خائف بھی تھے، چنانچہ انہوں نے کئی بار ہمت ہاری اور سبکدوش ہو کر قطب صاحب (خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار) یا حجاز چلے جانے کا ارادہ کیا اور دیگر والیانِ ریاست کو اس سلسلے میں مدد کیلئے خط لکھے- فوجی افسروں کو طعنہ دیا کہ انکی ہی وجہ سے انگریز اسکے دشمن ہو گئے ہیں اور اسکا وظیفہ بند ہو گیا ہے- بادشاہ بہادر شاہ ظفر میدانِ جنگ میں لڑنے سے نا آشنا اور انتظامی امور میں ناتجربہ کار تھے اسی لئے نہ تو وہ چار ماہ سے دہلی میں قیام پذیر ہزارہا افواج کی مدد سے انگریزوں کے خلاف کوئی کامیابی حاصل کر سکے اور نہ ہی اس دوران انکے لیے رسد و تنخواہ کا انتظام کر سکے بلکہ تنخواہ کے مطالبے پر بیشتر دفعہ انکو شہر چھوڑ کر چلے جانے کیلئے کہا اور جہاد کیلئے دہلی کی طرف عازمِ سفر افواج کو آنے سے منع کیا- انجام کار بادشاہ شکست سے دوچار ہوئے- معاصر مصادر و مآخذ انکے کردار کے بارے میں درج ذیل شہادتیں پیش کرتے ہیں-

O ۱۱ رمئی، ۱۸۵۷ء، Memoirs of Hakim Ahsan ullah Khan,P-2,3: سپاہیوں نے بادشاہ سے کہا کہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ اپنے دین کیلئے لڑیں اور اپنی خدمات حضور والا کو پیش کریں- بادشاہ نے کہا: "میرے پاس کوئی فوج، اسلحہ خانہ یا خزانہ نہیں ہے میں کسی کا ساتھ دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں-" سپاہیوں نے کہا: "صرف ہمارے سروں پر ہاتھ رکھ دیجئے ہم ہر چیز مہیا کریں گے----- ملکہ بھی بادشاہ کے ساتھ تھی- میں نے کہا کہ "ضروری ہے کہ ان واقعات کی تفصیل لیفٹننٹ گورنر آگرہ کو لکھی جائے کہ یہاں کوئی حکومت نہیں ہے-"[1] بادشاہ نے منشی کو جلدی سے لکھنے کو کہا---- میں اور ملکہ دوبارہ بادشاہ کے پاس گئے اور کہا کہ شہزادوں کو افواج کی کمانڈ پر

---

[1] "غدر کی صبح شام"، ص: ۱۰۰ پر ۱۱ رمئی کی جیون لال کی رپورٹ بھی یہی ہے-

مقرر کرنا قرینِ مصلحت نہیں ----- اور یہ کہ افسرانِ فوج کو یہ عذر پیش کر دیا جائے کہ شہزادے نوجوان ہیں اور جنگی فنون میں ناتجربہ کار ہیں ----

○ ۱۱ر مئی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۹۹: دو صوبیداروں نے باضابطہ طور پر بادشاہ کے حضور میں افواج کی خدمات پیش کیں انہیں ہدایت کی گئی کہ وہ اپنے متعلق حکیم احسن اللہ خان سے احکام حاصل کریں ----

○ ۱۱ر مئی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۶۲ تا ۶۴، رپورٹ از معین الدین (غدار):

اسکے بعد میں قلعۂ معلیٰ گیا تاکہ بادشاہ سلامت سے ملاقات کروں اور ان کی خدمت میں عرض کروں کہ یورپیوں کو قتل سے بچانے اور اپنے گھر بار کی حفاظت کا تیقن کرنے کے مقصد سے وہ مجھے اختیارات عطا فرمادیں ---- میں نے ظلِ سبحانی سے عرض کی کہ خدارا خونریزی کو روکیے اور شہر میں امن وامان قائم کر دیجئے - بادشاہ نے جواب دیا کہ ''میں بالکل عاجز ہوں - میرے تمام ملازمین کا دماغ الٹ گیا ہے یا وہ بھاگ گئے ہیں - میں تن تنہا رہ گیا ہوں - میرے پاس فوج نہیں ہے جو میرا حکم مانے - ایسی حالت میں میں کیا کرسکتا ہوں؟'' ----- پھر میں نے اپنے طریقۂ کار کو پیش کیا - ظل سبحانی نے فرمایا کہ ''میرے بیٹے! میں تم سے یہی توقع رکھتا تھا، تم میرے پاس بڑی مصیبت اور خطرہ کے وقت آئے ہو - جو کام اچھا سمجھو اسے کر ڈالو - میں تمہیں اس کا اختیار دیتا ہوں -'' اسکے بعد میں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ''اگر کبھی کوئی شخص حضور کے روبرو میری برائی کرے اور شورش دبانے کا مجھ پر الزام رکھے تو حضور یہ فرمادیں کہ وہ میرے احکام کے مطابق عمل کر رہا ہے ---- بادشاہ سلامت نے میری تجاویز کو پسند فرمایا -

○ ۱۲ر مئی، ''غدر کی صبح شام، ص:۱۰۱، جیون لال کی رپورٹ: حکیم احسن اللہ خان نے نج کے (نجی) طور پر بادشاہ کو متنبہ کر دیا کہ ان (باغیوں) پر کسی قسم کا اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ جونہی وہ کافی تعداد میں جمع ہو جائیں گے تو شہر کی عام لوٹ مار شروع ہو جائے گی ---- آج نواب حامد علی خان پر یہ الزام لگایا گیا کہ انہوں نے

یورپینوں کو چھپا رکھا ہے---صرف بادشاہ کے وزیر کا حکم ملنے پر انہیں رہائی نصیب ہوئی---سپاہیوں نے بادشاہ سے مطالبہ کیا کہ آپ فوج لے کر شہر کے بازاروں میں گشت لگائیں اور اہل شہر کے خدشات کو زائل کر کے ان سے دکانیں کھولنے کیلئے کہیں-بادشاہ نے اسے تسلیم کر لیا اور ہاتھی پر سوار ہو کر جلوس کے ساتھ بازاروں میں گشت لگایا-انہوں نے بہ نفس نفیس حکم دے کر چند دکانیں کھلوائیں-لیکن عام طور پر دکانداروں نے انکی ایک نہ سنی---بادشاہ نے مختلف قسم کے مشوروں سے پریشان ہو کر شاہزادوں کو جو مختلف پلٹنوں کے کمانڈر مقرر کر دیئے گئے تھے، حکم دیا کہ وہ ہر باغی کو شہر کے باہر نکال دیں-----

بادشاہ نے فارسی روبکاری کے ذریعہ جسکی زبان نہایت فصیح و بلیغ تھی، صوبہ داروں کو بتایا کہ موجودہ صورت حال نہایت ناخوشگوار ہے بالخصوص ایک مسلمان بادشاہ کے عہد حکومت کے کسی طرح شایانِ شان نہیں ہو سکتا----حکم کی کچھ پروانہ کی گئی بلکہ انہوں نے گستاخانہ اور بے ادبانہ الفاظ سے بادشاہ کو خطاب کیا-کسی نے کہا "او بادشاہ، میری سن!" دوسرے نے کہا "ارے بڈھے! ارے بادشاہ" تیسرے نے ہاتھ پکڑ کر کہا کہ "میری سن"-بادشاہ نے ان کے طرزِ عمل سے کبیدہ خاطر ہو کر اور ساتھ ہی یہ سمجھ کر کہ مجھ میں انکی گستاخی کو روکنے کی کوئی قوت موجود نہیں ہے، انہوں نے اپنے ملازمین کے روبرو اپنی قسمت کا شکوہ کرنا شروع کر دیا----آج سارے دن بادشاہ پریشان خاطر رہے اور یہ دیکھ کر کہ وہ مجمع کے ہاتھ میں محض کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں، بہت ہی رنجیدہ تھے-----

○ ۱۳ مئی، "غدر کی صبح شام، ص: ۱۰۵، ۱۰۶، رپورٹ از جیون لال: غلام عباس نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ نے ان کی جانیں بچالیں تو انگریزوں کے سامنے سرخرو ہونے کا موقع رہے گا-بادشاہ نے سنتے ہی ان سے دلچسپی شروع کر دی اور پوچھا کہ وہ کہاں ہیں-اس کے بعد احکام نافذ کر دیئے گئے کہ ان کی جانوں پر کسی طرح کی آنچ نہ آنے پائے----مرزا معین حسن خان (غدار مصنف "خدنگِ غدر") آج کے دن کوتوال

شہر مقرر کیے گئے۔اور انہیں حکم دیا گیا کہ سپاہیوں کے راشن کیلئے فوری انتظامات عمل میں لائے جائیں۔مرزا معین الدین، مرزا خضر سلطان اور مرزا عبداللہ پیدل پلٹنوں کے کرنیل مقرر ہوئے-----

○ مئی، Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P:7: میں (حکیم احسن اللہ خان) نے بادشاہ سے کہا کہ اگر بادشاہ ان قیدی انگریزوں کی حفاظت کرے گا تو انگریزوں کو جب فتح ہوگی تو یہ لوگ انکے اچھے سلوک کے گواہ ہونگے

○ ۱۴رمئی، ''غدر کے صبح شام''،ص:۱۰۸: بادشاہ نے حکم دیا کہ مسٹر سائمن فریزر (کمشنر) اور کپتان ڈگلس کی لاشوں کی تلاش کی جائے، تاکہ اگر وہ مل جائیں تو انہیں عیسائیوں کے قبرستان میں دفن کرادیا جائے۔مگر باقی لاشوں کو دریا برد کر دیا جائے۔

○ مئی، ''غدر کی صبح شام''،ص:۱۷، رپورٹ از معین الدین: قاصد بھیجنے کے بعد مجھے سب سے زیادہ سر تھیوفلس کی فکر ہوئی، اس لئے کہ بادشاہ نے ان کی گرفتاری کیلئے دس ہزار روپے کا انعام مقرر کیا تھا۔

○ ۱۵رمئی،،''غدر کی صبح شام''،ص:۱۰۸،۱۰۹، رپورٹ از جیون لال: یہ حکم نافذ ہوا کہ جب تک بادشاہ حکم نافذ نہ کریں، کسی حکم پر عمل نہ کیا جائے----نواب جھجر کے نام تہدید آمیز چھٹی لکھی گئی اور یہ جتلا دیا گیا کہ اگر آپ فوراً بادشاہ سے آکر نہ مل جائیں گے تو آپ پر حملہ کر دیا جائے گا۔

○ ۱۶رمئی،،''غدر کی صبح شام''،ص:۱۰۹تا۱۱۱، رپورٹ از جیون لال: سپاہی محل کے سامنے علی الصبح جمع ہو گئے اور بادشاہ اور انکے افسروں کو دھمکی دی اور یہ الزام عائد کیا آپ نے یورپین مردوں اور عورتوں کو قلعہ میں پناہ دے رکھی ہے----سپاہیوں نے حکیم احسن اللہ خان اور نواب محبوب علی خان کو قتل کر دینے کی دھمکی دی اور کہا کہ زینت

Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P:4 پر ہے کہ شہزادوں نے معین الدین کو کوتوال مقرر کیے جانے کی سفارش کی۔اسی کے ص:۱۲ پر ہے کہ بادشاہ کو خبر دی گئی کہ معین الدین حسین خان کوتوال اہل شہر کو بری طرح لوٹ رہا ہے۔

محل بیگم کو بادشاہ کی وفاداری کی ضمانت کے طور پر لئے جاتے ہیں--محل میں بے انتہا غل مچ رہا تھا---- بادشاہ اور انکے مشیر سب کے سب دم بخود کھڑے رہے- بادشاہ نے سپاہیوں کی دو ٹولیاں کر دیں ہندو اور مسلمان، اور ہر ایک سے کہا کہ اپنے مذہبی آدمیوں سے پوچھو کہ بے کس مردوں، عورتوں اور بچوں کا قتل کس طرح جائز ہو سکتا ہے لیکن ''خونی جنونی کس کی سنتے ہیں؟''

مولوی عبدالقادر نے اطلاع دی کہ میں ایسے انتظامات مکمل کر رہا ہوں جن کی وجہ سے باغی خود بخود شہر چھوڑ کر چلے جائیں گے- بادشاہ نے انہیں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ شاہی ہودہ میں بٹھا کر ان کے گھر روانہ کیا---- آج کے دن بادشاہ نے سرجان مٹکاف کے بارے میں خاص تحقیقات کرنے کا حکم دیا---وہ کچھ معلوم نہ کر سکے-

○ ۱۷ مئی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۱۲: بادشاہ کو خبر ملی کہ سرجان مٹکاف ابھی تک جھجر ہی میں مقیم ہیں اور نواب کی زیر حفاظت ہیں---- آج باغیوں نے ابوبکر کو بوڑھے بادشاہ کی جگہ اپنا بادشاہ مقرر کر لیا کیونکہ انکا خیال تھا کہ بہادر شاہ ظفر بہت معمر اور کمزور ہو گئے- حکیم احسن اللہ خان کو باریابی حاصل ہوئی اور انہوں نے عرض کیا کہ باغی پُر فریب اور خونی لوگ ہیں اور ان پر کسی قسم کا اعتماد نہیں کیا جا سکتا- بادشاہ نے بہتیرے سپاہیوں کو بلا کر خوب دھمکایا-

○ مئی، ''غدر کی صبح شام، ص:۲۷، رپورٹ از معین الدین (غدار): اس دن میں نے اپنا نام بیماروں کی فہرست میں لکھوا لیا اور تمام دن گھر میں رہنے لگا- فوجی فرائض میں سے صرف یہ خدمت میرے ذمہ تھی کہ میں بادشاہ سلامت کی خدمت میں حاضر رہا کروں- اس روش سے سپاہیوں کو اطمینان ہو گیا کیونکہ صوبہ دار اب بلا دخل غیرے فوج کے کمانڈر تھے اور چونکہ میرا عہدہ کرنیل کا تھا اس لئے میرے دشمن مجھے کسی قسم کا گزند نہ پہنچا سکتے تھے---- بادشاہ سے روزانہ برطانوی ہندوستانی فوج کی مختلف پلٹنوں کے نام پروانے زبردستی لکھوائے جاتے تھے اور ان سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ انہیں زیادہ تنخواہ دی

جائیگی بشرطیکہ وہ بادشاہ کی فوج سے آملیں ------ ۱۲ رمئی سے باغیوں نے بادشاہ کے پرائیویٹ دفتر پر قبضہ جمالیا تھا اور دیوان خاص میں اپنا پہرہ بٹھادیا تھا۔

○ ۱۹ رمئی، "غدر کی صبح شام" ص: ۱۱۳، ۱۱۴: بادشاہ نے دربار منعقد کیا۔ مولوی علی تھانہ دار بھی حاضر تھے اور انہوں نے نذر کے طور پر چند اشرفیاں پیش کیں۔ سکوں پر یہ الفاظ کندہ تھے۔ "سکہ زد بر سیم و زر در ہند۔ شاہ و دین پناہ ظلِّ سبحانی سراج الدین بہادر شاہ۔" دوسری جانب حسب ذیل عبارت درج تھی: "سکہ صاحبِ قرانی زد بہ تائید الہ۔ سایۂ یزداں سراج الدین بہادر بادشاہ۔" بادشاہ نے مرزا جواں بخت کو خلعت عنایت فرمایا اور انہیں اپنا وزیر مقرر کیا ------ گڑگاؤں کے خزانے کے متعلق خبر ملی کہ اسکا بہت سا حصہ میواتیوں سے چھین لیا گیا ہے اور دہلی آرہا ہے۔ بادشاہ اس خبر سے بہت محظوظ ہوئے اور حکم دیا کہ روپیہ شاہی خزانہ میں داخل کر دیا جائے ------ آج جمعہ کے دن جامع مسجد میں مسلمانوں نے جہاد کا علم بلند کیا۔ یہ کارروائی دھرمپور کے باشندوں اور شہر کے بدمعاش آدمیوں کی تھی بادشاہ بہت ناراض تھے اور انہوں نے بہت کچھ زجر و توبیخ بھی کی اس لئے کہ اس قسم کی کارروائی ہندوؤں کی علیحدگی کا باعث ہو جائے گی۔

○ ۲۰ رمئی، "غدر کی صبح شام" ص: ۱۱۵، ۱۱۶: مولوی محمد سعید نے باریابی چاہی اور بادشاہ سے عرض کیا کہ علمِ جہاد اس لئے بلند کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے خیالات کو ہندوؤں کے خلاف مشتعل کیا جائے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ ایسا جہاد بالکل ناممکن ہے! نہایت بڑی حماقت ہے اس لئے کہ زیادہ تر باغی فوج کے آدمی ہندو ہی ہیں مزید برآں اسکا نتیجہ باہمی خونریزی کی شکل میں نکلے گا اور بہت خراب نتائج پیدا کرے گا۔ یہ ظاہر کیا گیا کہ ہندو انگریزوں سے اتحاد کرنے کی جانب مائل ہو رہے ہیں ------ ہندو افسروں کا وفد آج بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے شکایت کی کہ مسلمان ہندوؤں کے خلاف اعلان جنگ کر رہے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ "جہاد تو صرف انگریزوں کے خلاف ہے۔ میں نے منع کر دیا ہے کہ ہندوؤں کے خلاف جہاد نہ کیا جائے۔" --- محبوب علی خان نے

اطلاع دی کہ ایک یورپین خاتون برآمد ہوئی ہے اور باغیوں کے قبضہ میں ہے جو اسے قتل
کرنا چاہتے ہیں مگر اسلامی شرع کی بنیاد پر انہیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا ہے- بادشاہ
نے اس کارروائی کو پسند کیا-

○ ۲۱ رمئی، ''غدر کی صبح شام، ص: ۱۱۶، ۱۱۷: بادشاہ کے بیحد اصرار سے جدید مقرر
شدہ افسروں اور شہر کے مہاجنوں نے افواج کی ادائیگی کیلئے ایک لاکھ روپے کا چندہ اکٹھا کیا
---بادشاہ نے نواب جھجر[1] کے ایجنٹ غلام نبی خاں کو حکم دیا کہ فوراً جاؤ اور اپنے آقا کو دہلی
لے آؤ- آج قلعہ سپاہیوں سے بھر گیا جو اپنی تنخواہ کیلئے چلا رہے تھے- بادشاہ کی خدمت میں
عرض کیا گیا کہ چونکہ کل (۲۲ رمئی) ماہِ رمضان کا آخری دن ہے لہذا ہندوؤں کے خلاف
جہاد کا اعلان ہو جانا چاہیے- بادشاہ اور شاہی کونسل نے نہایت سختی سے مخالفت کی اور کہا کہ
اکثر باغی ہندو ہیں اور پورے طور سے مسلح ہیں اور یہ کہ وہ بآسانی تمام مجاہدین کو تباہ و برباد کر
دینگے-- بادشاہ نے تمام شہر میں منادی کرادی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑنا نہیں
چاہیے---- بادشاہ آج شاہی جلوس کے ساتھ نماز ادا کرنے کی غرض سے جامع مسجد گئے
مرزا مغل بہادر اور مرزا ابوبکر بھی انکی معیت میں تھے-

○ حکیم احسن اللہ خان نے بادشاہ سے کہہ کر ایک حکم نامہ شائع کرادیا جس میں
فوجوں کو اس بناء پر شہر چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ سوائے لوٹ مار اور خونریزی کے کچھ
نہیں کرتیں-

○ ۲۵ رمئی، ''غدر کی صبح شام، ص: ۱۱۹: بادشاہ نے آج جامع مسجد میں عید کی
نماز ادا کی--- راجہ بلب گڑھ کی طرف سے انگریزی فوج کی دہلی کی طرف پیش قدمی کی
خبر سن کر، سپاہی اور بادشاہ کے مشیر ادھر اُدھر پھر رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ کیا کارروائی
اختیار کی جائے اور یہ کہ شہر کو چھوڑ دینا چاہیے یا نہیں-- بعد میں معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی- شہر
کے عمائدین بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جیسا کہ عید کے موقع پر ان کا دستور تھا-

---

[1] نواب جھجر کو جنگِ آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں انگریزوں نے گرفتار کرلیا اور انکی ریاست ضبط کر لی اور ۲۳ ردسمبر ۱۸۵۷ء کو انہیں پھانسی دیدی- مجموعہ مقالات، مرتبہ افضل قریشی، ص: ۲۱-

○ ۲۵ رمئی، ''غدر کی صبح شام، ص:۱۲۰، رپورٹ :معین الدین: بادشاہ بار بار میرٹھ پر حملہ کرنے کا مشورہ دیتے تھے، لیکن باغی کسی نہ کسی بہانے سے اسے ٹالتے ہی رہے

○ ۲۶ رمئی، ''غدر کی صبح شام، ص:۱۲۸: اور اس الزام میں کہ وہ انگریزوں سے ملی بھگت رکھتے ہیں، حکیم احسن اللہ خان اور محبوب علی خان دونوں کو بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔۔۔۔بادشاہ نے ملزموں کی حمایت کی اور سپاہیوں کے غصہ کو فرو کر دیا۔

○ ۲۸ رمئی، ''غدر کی صبح شام، ص:۱۲۳: بادشاہ کو خبر دی گئی کہ مغل پورہ میں بہت سے یورپین چھپے ہوئے ہیں۔ سپاہیوں کے ایک دستے کو متعین کیا گیا کہ وہ انہیں ڈھونڈ نکالیں اور قتل کر دیں۔ بادشاہ نے اپنے چند آدمیوں کو بھیجا کہ اگر یورپین مل جائیں تو انہیں محل میں لے آنا۔ چنانچہ ضروری احکام نافذ ہو گئے۔۔۔۔بادشاہ کی خدمت میں شکایات پیش کی گئیں کہ کوئی نہ کوئی شخص شہر میں ایسا ہے جو انگریزوں سے خط و کتابت رکھتا ہے بادشاہ سے درخواست کی گئی کہ اس شخص کا کھوج لگانا چاہیے۔

○ ۲۹ رمئی، ''غدر کی صبح شام، ص:۱۲۴: محل کے اناج خانہ میں گولے بارود کی کچھ مقدار پائی گئی تھی۔ جسکی نسبت یہ گمان کیا گیا تھا کہ وہ انگریزوں کو بھیجی جانے والی ہے۔ باغی بہت دیر تک غل مچاتے رہے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ بادشاہ کی بیگم زینت محل اور محمد حیدر علی خان دونوں نے مل کر یہ کارروائی کی ہے۔ بعد میں انکے غصہ کو فرو کر دیا گیا۔

○ ۳۰ رمئی، ''غدر کی صبح شام، ص:۱۲۵: مرزا ابو بکر کی کمان میں بھیجے جانے والے دستہ کو شکست ہو گئی تو بادشاہ نے باغیوں کی مدد کیلئے محفوظ فوج بھیجی۔ مرزا ابو بکر نے جو اس کے کمان افسر تھے، آ کر خوب شیخی بھگاری کہ میں نے میدانِ جنگ میں یہ یہ بہادری دکھائی ۔ سننے والوں کو یقین تھا کہ یہ سب بے بنیاد باتیں ہیں، بادشاہ بہت مضطرب تھے۔ تمام رات بیٹھے بیٹھے کاٹ دی۔ انکے مشیر اور درباری خوشامدی بھی حالات کی تبدیلی پر بحث کر رہے تھے اور ایک دوسرے سے مشورے کر رہے تھے۔

○ ۲ رجون، ''غدر کی صبح شام، ص:۱۲۸: بادشاہ نے آج ایک اعلان کے

ذریعے یہ بات مشتہر کرائی کہ آئندہ سے براہِ راست بادشاہ کی خدمت میں عرائض پیش نہیں کی جائیں گی۔ بلکہ انہیں پہلے محبوب علی خان اور نواب حکیم احسن اللہ خان کے پاس بھیجا جائیگا---- بادشاہ نے مرزا مغل بیگ، مرزا ابوبکر اور مرزا عبداللہ کو بلوا بھیجا اور سپاہیوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنے پر انہیں ڈانٹا اور آگاہ کیا کہ جب انگریز شہر میں داخل ہو جائیں گے تو ایک نہ ایک دن تم کو پھانسی پر چڑھا دیں گے۔ رہی میری قسمت تو وہ اس شعر کے مطابق ہے:

کفن پہن کر زندگی کے ایام
کسی باغ میں گذران دوں گا

○ ۳ر جون، ''غدر کی صبح شام، ص:۱۲۹: آج بادشاہ کے دربار میں شہر کے تمام عمائدین شریک تھے---- انگریزوں کی پیشقدمی کا سن کر بادشاہ نے باغیوں کے افسروں سے دریافت کیا کہ کون کون سے موقع پر ان کا مقابلہ کیا جائے گا۔ انہوں نے بتایا کہ پہاڑی دھیرج، کنگھرہ----

○ ۴ر جون، ''غدر کی صبح شام، ص:۱۳۰: بادشاہ کے احکام کے مطابق مہاجنوں کا ایک جلسہ ہوا جس میں ایک لاکھ روپیہ کا چندہ جمع ہوا اور دوسرے ایک لاکھ کے وعدے ہوئے۔ جسکی نسبت یہ کہا گیا کہ چار دن کے اندر یہ رقم بھی جمع کر دی جائیگی۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ نہر کے پل کو توڑ دیا گیا ہے اور وہاں ایک باتری نصب کر دی گئی ہے۔

○ ۵ر جون، ''غدر کی صبح شام، ص:۱۳۱: نواب جھجر کے نام چھٹی لکھی گئی جسکا مضمون یہ تھا کہ جس قدر فوج جمع کر سکتے ہو اسے لے کر آجاؤ اور بادشاہ کو جو فقیر کے بھیس میں ہونگے، قطب صاحب اپنے ساتھ لے جاؤ۔[1]

[1] ''غدر کے فرمان''، ص:۴۸، ۴۹ پر نا معلوم تاریخ کا تحریر کردہ بادشاہ کا ایک طویل خط ہے جو انہوں نے قطب جا کر سبکدوشی کے سلسلہ میں نواب جھجر عبدالرحمن خان کے نام لکھا ہے۔ نواب پر پورا اعتماد کرتے ہوئے اپنی یہ خواہش تفصیلاً ذکر کی ہے اور اسے کہا ہے کہ وہ شاہی خاندان کیلئے پانچ چھ سو اونٹوں کا فوری بندوبست کرے تا کہ وہ سبکدوشی کے بعد حجاز کوچ کر جائیں۔

○ ۶ر جون، ''غدر کی صبح شام'' ص: ۱۳۱، ۱۳۲: بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ نوکروں کی تنخواہیں ادا کر دی گئی ہیں- بادشاہ اس خبر سے بہت مسرور ہوئے---- باغیوں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ شہر میں یہ خبر گشت کر رہی ہے کہ انگریز آج رات کو شہر میں داخل ہو جائیں گے اور اس لئے ضروری ہے کہ سپاہیوں کو فصیلوں پر متعین کر دیا جائے- بادشاہ نے ضروری احکام نافذ کر دیئے-

○ ۹ر جون، ''غدر کی صبح شام'' ص: ۸۷، رپورٹ از معین الدین: علی پور میں انگریزوں کی آمد سے چار دن قبل احمد خان جو چار نمبر کی سواروں کی فوج میں رسالدار تھے، شہر میں آ پہنچے- انہوں نے ظل سبحانی سے ملاقات کی، اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور کہا کہ میری پلٹن بھی باغیوں کے ساتھ شامل ہو جانے کو تیار ہے- انہوں نے بیان کیا کہ جس دن فوجوں کا مقابلہ ہوگا- میں اپنی فوج کو دائیں جانب سے آؤں گا اور باغیوں سے مل جاؤں گا- احمد خان کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا گیا- تیسرے دن وہ رخصت ہو کر چلے گئے اور انگریزی فوج سے مل گئے- اس شخص نے بالکل بغاوت نہ کی بلکہ انگریزوں کا پکا وفادار رہا- اور ۹ر جون کو پیر کے دن ان لوگوں نے باغیوں کی فوج میں سخت تباہی پھیلا دی-----

○ ۱۰ر جون، ''غدر کی صبح شام'' ص: ۱۳۵، ۱۳۶، جیون لال کی رپورٹ:
بادشاہ نے حکم نافذ کیا کہ شہر کی تمام دکانوں کو زبردستی کھلوا دیا جائے- جنرل صمد خان بادشاہ کی طلبی پر حاضر ہوئے- انہوں نے کہا کہ اگر شاہی افواج میری کمان میں دیدی جائیں تو میں انگریزوں پر حملہ کرنے کو تیار ہوں- بادشاہ نے انہیں کمانڈر انچیف مقرر کر دیا اور حسب معمول خلعت بھی عطا کی---- انگریزوں کو دھوکہ میں رکھ کر حملہ کرنے کی کوشش کی مگر ان کا یہ حیلہ کارگر ثابت نہ ہوا---- تقریباً پچاس سپاہی (انگریزوں کے حلیف راجہ پٹیالہ کے بھائی) راجہ اجیت سنگھ کے مکان پر گئے اور اسے گرفتار کر کے بادشاہ کے حضور میں پیش کر دیا احسن اللہ نے سفارش کی کہ راجہ اپنے بھائی کے طرزِ عمل کا ذمہ دار نہیں ہے---- راجہ نے خود کو بادشاہ کے قدموں میں ڈال دیا اور رحم کی درخواست کی، جس پر بادشاہ نے فوری رہائی

کا حکم دیدیا۔

○ ۱۱/ جون، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۳۷: بادشاہ، کالے خان توپچی کی جرأت و ہمت سے بیحد مسرور ہوئے اور سو من بارود کی تیاری کا حکم دیا---- بادشاہ کو خفیہ اطلاع ملی کہ ملکۂ معظمہ نے بغاوت ہند کی خبر پاتے ہی ۲۴/ ہزار افواج روانہ کر دی ہیں۔

○ ۱۲/ جون، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۳۸: بادشاہ باغیوں کی بے اعتنائی سے سخت ناخوش تھے کیونکہ انکی جانب سے انگریزوں کو نکال دینے کی کوئی سنجیدہ کوشش عمل میں نہیں آئی۔ بادشاہ نے کمانڈر انچیف کو سرزنش کی اور کہا کہ ابھی تک تم نے ایک فتح بھی حاصل نہیں کی۔

○ ۱۵/ جون، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۳۹: آج صبح محل میں ۱۵/ گولے گرے۔ بادشاہ نے دھمکی دی کہ اگر فوجیں شہر نہ چھوڑیں گی تو میں قطب صاحب چلا جاؤں گا۔ اصرار کے بعد دس ہزار باغی آدھی رات کے وقت انگریزوں پر حملہ کرنے کی نیت سے شہر سے نکلے۔

○ ۱۷/ جون، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۴۰، ۱۴۱: چند کھتریوں نے بادشاہ کی خدمت میں عریضہ پیش کیا، جس میں سپاہیوں کے مظالم کا ذکر درج تھا---- اس پر بادشاہ نے باغیوں کے سردار کو بلایا اور دھمکی دی کہ اگر فوجوں کے طرزِ عمل میں بہتری نہ ہوئی اور مظالم کا سدِّ باب نہ ہوا تو میں زہر کھالوں گا--[1]-- چند آدمی جو شہر سے باہر چٹھیاں بھیجنا چاہتے تھے۔ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چٹھیاں بھیجنے کی اجازت چاہی مگر انہیں اجازت نہیں دی گئی۔

○ ۱۸/ جون، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۹۹: انگریزی فوجوں کی آمد کی اطلاع سن کر بادشاہ بہت خوفزدہ ہے، بادشاہ گولہ باری کے ڈر سے تہہ خانے میں چھپا ہوا ہے۔

○ ۱۹/ جون، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۴۱: نصیر آباد کی فوجوں کے افسروں کو

---

[1] ''غداروں کے خطوط''، ص: ۹۸ پر ۱۷/ جون کی رپورٹ میں بھی یہی حکم ہے۔

بادشاہ نے باریابی عطا کی، افسروں نے وعدہ کیا ہے کہ کل انگریزوں پر حملہ کیا جائے گا- (اگلے روز حملہ بھی کیا)

○ ۲۲ر جون، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۴۲، ۱۴۳: جالندھر کی تین پلٹنوں کے افسروں نے بڑے فخر سے بیان کیا کہ ہم نے کلکٹر نصیر آباد کو قتل کر ڈالا اور اس کے ہاتھی کو بھی اپنے ساتھ پکڑ کر لے آئے ہیں- بادشاہ نے انکی تعریف کی اور کہا کہ آپ جیسے بہادر کہیں نہیں ملیں گے-

○ ۲۴ر جون، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۴۴: سپاہیوں کے سردار بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے ---- انہوں نے شکایت کی کہ جب ہم شہر کو لوٹ رہے تھے تو کالے خان کا ایک گولہ ہمارے سپاہیوں پر آ کر گرا جس کی وجہ سے تین سپاہی سخت زخمی ہوئے- کالے خان کو گرفتار کر لیا گیا اور بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا- اس پر انگریزوں سے سازش کرنے کا الزام عائد کیا گیا-

○ ۲۵ر جون، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۴۴، ۱۴۵: علی خان اور قادر بخش نے حکیم احسن اللہ خان پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے ایسے بدمعاشوں کو جو لوٹ مار کرتے ہوئے گرفتار ہوئے تھے، رشوت لے لے کر رہا کر دیا ہے---- بادشاہ نے حکم دیا کہ علی خان اور قادر بخش کو شہر بدر کر دیا جائے کیونکہ ان دونوں نے حکیم احسن اللہ خان کو ناحق متہم کیا ہے ---محلۂ چوڑی گراں کے تاجروں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارے مکان کے قریب شمرو بیگم کے یہاں بارود بنائی جا رہی ہے۔ اور ہر لحہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہم بھک سے نہ اڑ جائیں- بادشاہ نے انہیں تشفی دی اور وعدہ کیا کہ وہاں بارود سازی بند کر دی جائیگی---- بادشاہ نے فوجی افسروں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اس سلطنت کا خاتمہ کر رہے ہو جو ۵۰۰ سال سے قائم ہے اور طعنہ دیا کہ جب تم انگریزوں سے لڑ کر واپس آتے ہو تو نہایت پریشان اور خستہ حال نظر آتے ہو- انہوں نے دعا مانگی اور آخر میں کہا کہ ''افسوس ہے اور خدا کی مرضی یہی ہے کہ میں اور میری سلطنت تباہ و برباد ہو جائیں میں تم سب سے

درخواست کرتا ہوں کہ شہر کو چھوڑ کر کہیں چلے جاؤ۔

○ ۲۶ر جون، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۴۶: بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ جو فوجیں انگریزوں سے لڑنے کیلئے گئی تھیں وہ واپس لوٹ آئی ہیں اسلئے کہ ہوا کا رخ ان کے موافق نہ تھا۔ بادشاہ نے حکم جاری کیا کہ چونکہ فوجیں انگریزوں کو نکالنے میں ناکام رہی ہیں اس لئے انہیں شہر چھوڑ کر کہیں چلا جانا چاہیے۔

○ ۲۸ر جون، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۴۷: بادشاہ نے حکم دیا کہ واجب الادا رقم بھیج دی جائے ---- فوج کے افسروں نے شکایت کی کہ ایام بارش میں شہر کے باہر قیام کرنے سے ہمیں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ بادشاہ نے دوران برسات میں انہیں شہر میں رہنے کی اجازت دیدی ---

○ ۲۸ر جون، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۰۳: باغی فوج اور بادشاہ سلامت جنید کے راجہ کے فرار اور باغپت کے پل کی تباہی کی خبر سن کر بے حد خوش ہیں۔

○ ۲۹ر جون، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۴۸: بادشاہ نے دربار منعقد کیا۔ جس میں بے شمار آدمی موجود تھے۔ کئی گھنٹے تک جنگ کی صورتِ حال کے متعلق بات چیت ہوتی رہی --- بریلی کے چند افسر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ فوج ۳ دن کے اندر اندر پہنچ جائے گی ----

○ ۳۰ر جون، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۴۹: سبزی منڈی پر انگریزوں سے مقابلہ ہوا۔ جو افسر لڑائی میں شریک تھے وہ بادشاہ کے دربار میں بھی موجود تھے۔ انہوں نے اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور کہا کہ ہم حتی الامکان انگریزوں کا مقابلہ کیے جائیں گے۔

○ ۱ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۵۱: بادشاہ نے تمام لیڈروں کو بلایا اور دروازہ کے باہر انگریزوں سے مقابلہ کرنے کی غرض سے فوج بھیجنے کے لئے حکم دیا، چنانچہ چند ہزار سپاہی شہر سے باہر نکلے اور عیدگاہ پر جم گئے۔

○ ۲ر جولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۰۷: بادشاہ سلامت گذشتہ

جنگ کے نتائج کی وجہ سے کافی دل شکستہ ہیں۔شاہی خزانہ ختم ہو چکا ہے۔بادشاہ سلامت قطب صاحب جا کر سبکدوش ہونا چاہتے ہیں، یا پھر دریا عبور کر کے کسی دوسری طرف نکل جانا چاہتے ہیں۔

○ ۲رجولائی، ''غدر کی صبح شام''،ص:۱۵۱،۱۵۴: بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر کے باشندوں کو نہ لوٹا جائے۔بادشاہ نے فرمایا کہ میرے احکام دینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔اس لئے کہ ان کی کبھی تعمیل نہیں کی جاتی، اور نہ کوئی آدمی میرے پاس ایسا ہے جو ان پر عمل درآمد کرائے۔لیکن میرا حکم یہ ہے کہ کوئی انگریز زندہ نہ رہنے پائے۔

محمد بخت خاں نے کمانڈر انچیف کے طور پر اپنی خدمات پیش کیں تاکہ فوج میں ڈسپلن قائم کیا جا سکے۔بادشاہ نے ان سے اظہار مودت و دوستی کیلئے مصافحہ کیا۔۔۔۔دربار کے بعد بادشاہ نے جنرل کو نجی میں باریابی دی جنرل نے کہا کہ میں بھی آپ ہی کے خانوادہ سے ہوں اور بادشاہ سے کہا کہ اپنا اطمینان کرنے کی غرض سے آپ تحقیقات فرما سکتے ہیں۔بادشاہ نے جواب دیا کہ تحقیقات کی ضرورت نہیں ہے۔اس لئے کہ اس وقت جنرل سے اور کوئی بڑا آدمی موجود نہیں ہے۔۔۔۔محمد بخت خان نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ اگر کسی شاہزادہ نے شہر کو لوٹنے کی کوشش کی تو میں اس کی ناک اور کان کٹوا دوں گا۔بادشاہ نے جواب دیا کہ تمہیں پورے اختیارات حاصل ہیں جو بہتر سمجھو کرو''۔۔۔۔بادشاہ نے بریلی کی فوج کی ضیافت کیلئے چار ہزار روپے دیئے۔۔۔۔رات کے آٹھ بجے جنرل بخت خان نے بادشاہ سے ملاقات کی اور انکے ساتھ اور زینت محل، حکیم احسن اللہ خان اور احمد قلی خان کے ساتھ بہت دیر تک مشورہ کرتے رہے۔۔

○ ۳رجولائی، ''غدر کی صبح شام''،ص:۱۵۵: آج کے دن بادشاہ نے بخت خان کے نام احکام جاری کئے کہ میرے ملازمین کو تنخواہ دینے کا انتظام کیا جائے۔جنرل کو اختیار دیا گیا کہ لوٹنے والے اشخاص پر جرمانہ کر دو اور مظلوم اشخاص کو تاوان دلاؤ۔۔۔۔جنرل نے بادشاہ سے خیموں کی مرمت کیلئے منظوری مانگی۔

○ ۳ر جولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۰۹: فتح حاصل کرنے پر ہر سپاہی کو سونے کا ایک کنگن دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

○ ۵ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۵۷: بادشاہ نے حکیم احسن اللہ خان کو باریابی دی۔ بہادر شاہ کے بیٹے مرزا ابلاقی کی بیوی ایمان بیگم بھی موجود تھیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ گزشتہ رات کو ابوبکر نشہ کی حالت میں چند سوار لیکر میرے مکان پر آئے اور مجھے پکڑنا چاہا۔ انہوں نے بندوقوں اور پستولوں سے چند فائر بھی کیے اور محلّہ کے کئی ایک آدمیوں کو خوب زدوکوب کیا۔ پولیس پہنچ گئی مگر ابوبکر نے کوتوال پر تلوار سے حملہ کیا اور اسے گرفتار کر کے تحویل میں رکھا۔ پھر اس کی بے عزتی کی اور بالآخر میرے مکان کو لوٹ لیا۔ بادشاہ اس واقعہ سے بہت ناخوش ہوئے اور شاہزادہ کو تمام فوجی اعزاز سے محروم کر دیا۔[1] بادشاہ نے یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شاہزادہ دربار میں شریک نہ ہونے پائے۔ انہوں نے تمام سرداروں کے نام احکام بھیج دیے کہ تمام شاہزادگان [illegible]ب میں ہیں اور اگر وہ لوٹتے ہوئے دیکھے جائیں تو ان سے معمولی آدمیوں کا سا سلوک کیا جائے۔

○ ۵ر جولائی ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۱۱: ہندوؤں اور مسلمانوں میں کچھ نا اتفاقی پیدا ہو گئی تھی لیکن یہ اب دور کر دی گئی ہے۔ بادشاہ باغیوں کو ان کی شکست پر لعن طعن کرتے رہتے ہیں۔

○ ۶ر جولائی، ''غدر کی صبح و شام''، ص:۱۵۸، ۱۵۹: [illegible] بات کی بھی شکایات کی گئیں کہ جنرل نے اپنی فوج کیلئے تو رسد کا انتظام کر لیا ہے مگر باقی فوج کیلئے کچھ نہیں کیا۔ بادشاہ نے شکایت کرنے والے اشخاص کو [illegible]ل کے پاس بھیج دیا۔ بادشاہ نے مرزا عبداللہ اور دوسرے شاہزادوں کو ان کی خراب روش پر سب کے سامنے سخت سرزنش کی اور انہیں حکم دیا کہ جتنا روپیہ تم نے مہاجنوں سے زبردستی وصول کیا ہے وہ واپس کر دو، ورنہ تمہارے وظیفے بند کر دیے جائیں گے۔۔۔۔ حکم ہوا کہ تمام مسلّح آدمیوں کو دیوانِ خاص سے نکال دیا

---

[1] Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P:19 پر بھی ایسا ہی واقعہ درج ہے۔

جائے - جو اشخاص پگڑی پہنے ہوئے نہ تھے انہیں بھی نکال دیا گیا ہے اس لئے کہ ان کی موجودگی اچھی معلوم نہ ہوتی تھی - دوسرے بادشاہ کے احترام میں فرق آتا تھا ---- بادشاہ نے جنرل بخت خان کو بلوایا مگر کام کی غیر معمولی مصروفیت کے باعث وہ حاضر ہونے سے معذور رہے - بادشاہ نے احمد قلی خان کے پاس ایک تعویذ بھیجا اور کہلوایا کہ اس پر لوہے کا خول منڈھوالو اور اپنے ہاتھ پر باندھ لو انشاء اللہ خدا فتح دے گا ---- بادشاہ نے آسوڑ کی باتری کا معائنہ کیا اور انتظامات کا مشاہدہ کیا -

○ ۷ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۶۰، ۱۶۱: رئیس بلب گڑھ ولی داد خان کی طرف سے ایک چٹھی موصول ہوئی - چٹھی میں یہ بات بھی درج تھی کہ اگر بادشاہ کی طرف سے مجھے کچھ امداد مل گئی تو میں کلکٹر صاحب کا بالکل خاتمہ کر دوں گا - بادشاہ نے حکم دیا کہ ایک پلٹن اور ایک توپ بغرض امداد بلب گڑھ روانہ کر دی جائے ---- اعلیٰ ذات کے چند سپاہیوں نے بادشاہ سے شکایت کی کہ جنرل ہماری ضروریات پوری نہیں کرتے - انہوں نے درخواست دی کہ ہمیں مرزا مغل کی فوج میں داخل کر دیا جائے - اور جو روپیہ ہم اپنے ساتھ لائے تھے وہ ہمیں واپس کر دیا جائے - بادشاہ نے وعدہ کیا کہ آئندہ سے تمہارا پورا پورا خیال رکھا جائے گا ---- بادشاہ کی طرف سے ہر پلٹن کے نام خاص پیغام بھیجا گیا اور وہ یہ تھا کہ جو شخص میدانِ جنگ میں جائے گا اور کارہائے نمایاں کریگا اسے پانچ بیگہ زمین دی جائیگی اور اعزازی عہدہ بھی عطا ہوگا ---- حکیم احسن اللہ خان نے شکایت کی کہ احمد قلی خان کا درجہ مجھ سے بڑھا دیا گیا ہے - بادشاہ نے انہیں اطمینان دلایا اور حکم میں اتنی ترمیم کر دی کہ آئندہ سے پولیس کی رپورٹ حکیم احسن اللہ خان کے پاس آنی چاہیے -

○ ۸ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۶۱، ۱۶۲: حافظ نعمت اللہ خان رئیس بریلی کے صاحبزادے خان بہادر خان کا مراسلہ موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ میں بریلی اور شاہجہانپور پر تمام و کمال قابض ہو گیا ہوں - بادشاہ نے انہیں مبارکباد کے خطوط بھیجے -- سعادت خان کو گرفتار کر کے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا - اس نے -/6200 روپے کی

نذر دے کر رہائی حاصل کی۔

○ ۸ رجولائی، ''غدر کے فرمان''، ص: ۶۴، ۶۸: بادشاہ بہادر شاہ ظفر، شہزادہ مرزا مغل کے نام طویل خط لکھتے ہیں اور خزانے کے ختم ہونے پر فکرمندی کے اظہار کے علاوہ شہزادے کو حکیم دیتے ہیں کہ وہ فوری اور ترجیحی بنیادوں پر تمام رجمنٹوں کے افسروں کو جمع کر کے ان سے آراء اور تجاویز لیں کہ فوج کے مصارف کس طرح پورے کیے جائیں اور کل ہی مجھے تمام تجاویز سے آگاہ کریں۔۔۔بادشاہ کے اس حکم پر عمل کیا گیا۔

○ ۹ رجولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۶۳، ۱۶۴: شہر کے قصابوں نے شکایت کی کہ ہماری قوم کے پانچ آدمیوں کو قتل کر دیا گیا ہے اور یہ کہ ہمیں حکم ملا ہے کہ اپنی دکانیں مت کھولو۔ مرزا مغل کو معاملے کی تحقیقات کا کام سپرد کیا گیا، منادی کر دی گئی کہ جو شخص گائے ذبح کرے گا اسے توپ کے منہ سے اڑا دیا جائیگا اور یہ کہ اگر کسی نے بکری ذبح کرنے پر اعتراض کیا تو اسے بھی سزا دی جائے گی۔۔۔خبر مشہور تھی کہ جنرل بخت خان نے دس ہزار فوج کے ساتھ انگریزوں پر حملہ کیا ہے۔۔۔چند یورپین جو محبوب علی خان کی سرائے میں چھپے ہوئے تھے قتل کیے گئے اور ان کے سروں کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اور ان کی تشہیر کرائی گئی تا کہ لوگوں کو فتح کا ثبوت مل جائے۔ بادشاہ نے سروں کو دیکھ کر اظہار اطمینان کیا اور جن لوگوں نے ان یورپینوں کو قتل کیا تھا انہیں -/100 روپے بطور انعام عطا کیے۔

○ ۱۰ رجولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۶۴: بادشاہ نے سلیم گڑھ کی باتری کا معائنہ کیا۔ نواب احمد ولی داد خان نے درخواست پیش کی، جس میں محاصل جمع کرنے کی غرض سے امداد طلب کی گئی تھی۔ محمد بخت خان کو حکم دیا گیا کہ فی الفور فوجوں کو روانہ کر دیا جائے تا کہ جن آسامیوں نے لگان ادا نہیں کیا انہیں سزا دیجائے۔ لکھنو سے آنے والی چٹھیوں میں کامیابی کا ذکر پڑھ کر بادشاہ نے حکم دیا کہ مبارکباد کا خط روانہ کیا جائے۔

○ ۱۱ رجولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۶۵: بادشاہ نے دربار منعقد کیا اور شہر کے عمائدین سے ملاقات کی اس کے بعد وہ مرزا مغل کے پاس گئے اور ایک گھنٹہ تک نج کی

گفتگو کرتے رہے، واپسی پر وہ محل میں تشریف لائے جہاں انہوں نے جنرل بخت خان اور پچاس دیگر افسروں سے ملاقات کی جنرل نے اظہار افسوس کیا کہ حضور کی جانب سے مجھے عتاب کا خط موصول ہوا ہے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ میں نے اس قسم کا کوئی خط نہیں بھیجا۔ جنرل نے درخواست کی کہ آئندہ حضور کی طرف سے جس قدر چٹھیاں بھیجی جائیں ان پر شاہی مہر ثبت ہوئی چاہیے۔ بادشاہ نے تجویز کو منظور کر لیا، ساتھ ہی اس درخواست کو درجہ منظوری عطا فرمایا کہ زخمی سپاہیوں کو پنشن دی جائے اور کچھ زمین بھی عطا ہو۔ (جنرل بخت خان نے اپنے حسب نسب کا بتا کر کہا) آپ تصدیق فرما سکتے ہیں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ تصدیق کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ مجھے آپکی شرافت ونجابت پر پورا یقین ہے۔

○ ۱۲ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۶۶، ۱۶۷: بادشاہ مہتاب باغ تشریف لے گئے ---- مختلف درخواستیں نبٹائیں، ضروری احکام دیے ---- جنرل بخت خان نے بادشاہ کی خدمت میں عریضہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ فوج کی تنخواہ ادا کرنے کی غرض سے نواب جھجر سے چار لاکھ روپے حاصل کئے جائیں درخواست پر نمبر لگایا گیا اور نواب کے نام احکام جاری کر دیئے گئے۔

○ ۱۳ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۶۹: بادشاہ دیوانِ خاص میں داخل ہوئے شہر کے تمام شرفا اور افسران فوج بھی موجود تھے، بہت دیر تک فتح آگرہ کے متعلق بات چیت ہوتی رہی۔ فوجی بینڈ نے فتح کے مژدہ جانفزا کی خوشی میں بادشاہ کے سامنے باجہ بجایا بادشاہ نے بینڈ کو دو اشرفیاں عنایت کیں۔ بادشاہ نے عبدالحق پر یہ الزام عائد کیا کہ انہوں نے انگریزوں کے پاس ایک بگھی، ایک چٹھی اور دس سوار بھیجے۔ حکیم احسن اللہ خان جو دربار میں حکیم عبدالحق کی طرف سے الزام کا جواب دینے کیلئے موجود تھے ---- کہا کہ مجھے یقین نہیں آتا کہ عبدالحق کا اس سازش سے کچھ تعلق ہو۔ مرزا نوشہ (مرزا اسد اللہ خان غالبؔ) اور مکرم علی خان نے انگریزوں پر فتح پانے کی خوشی میں قصائد پڑھ کر سنائے۔

○ ۱۳ر جولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۱۲: بادشاہ نے فرمان جاری کیا

ہے کہ آگرہ پر باغیوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور وہاں بادشاہ کی حکومت قائم کر دی گئی ہے۔ اسکی خوشی میں آج اکیس توپوں کی سلامی دی گئی ---- بادشاہ نہیں چاہتا کہ آگرہ کی فوج (مجاہدین) یہاں پہنچے۔ اسلیئے کہ اسکا خزانہ بالکل خالی ہو چکا ہے۔

○ ۱۵ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۷۱: بادشاہ نے ایک شکایت سننے کے بعد یہ کہہ کر اسے رد کر دیا کہ سراسر دروغ بیانی سے کام لیا گیا ہے ---- جنرل بخت خان نے عرض کیا کہ شکر اور نمک کی محصول چونگی کو ہٹا لیا جائے ---- بادشاہ نے جواب دیا کہ میرا خود یہ خیال ہے کہ محصول چونگی لگانے میں دانشمندی سے کام نہیں لیا گیا، اور اس لئے اسے ہٹا لینا چاہیے۔ بادشاہ نے جنرل محمد بخت خان کو مطلع کیا کہ فوج کے افسروں نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ ڈویژن کے تین جنرل مقرر کیئے جائیں ---- مرزا مغل نے آج بادشاہ کی خدمت میں نہایت اعلیٰ درجہ کی دوربین نذر کی۔ بادشاہ کی سب سے اعلیٰ بیوی (بیگم زینت محل) آج کسی مقصد سے اپنے گھر گئیں۔ مرزا مغل اور بعض افسران بادشاہ کی خدمت میں طلب کیئے گئے اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ ڈویژن کیلیئے جنرل منتخب کریں ---- بادشاہ کو خبر دی گئی کہ جنرل بخت خان نے مہاجن سالگرام کو بلوایا تھا اور اس سے روپیہ طلب کیا تھا ----

○ ۱۵ر جولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۱۴: شہر کے بنیوں اور جھجر کے نواب کو چندہ دینے کیلیئے کہا گیا۔

○ ۱۸ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۷۲، ۱۷۳: بادشاہ دیوانِ عام میں تشریف لائے اور جو شرفا وہاں موجود تھے ان کے احترامات اور آداب کو قبول کیا۔

○ ۱۹ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۷۳، ۱۷۴: بادشاہ سلیم گڑھ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے لوگوں کو باریابی دی۔ باغی گارد نے حسب معمول شاہی سلام سے ان کا استقبال کیا ---- بادشاہ نے الہامی لہجہ میں فرمایا کہ ''اگر مجھے کامل فتح حاصل ہوئی تو میں فتح کے بعد آگرہ جاؤں گا اور اجمیر کے دربار میں حاضری دونگا، اور شاہ سلیم چشتی کے مزار کی

زیارت کرونگا بشرطیکہ خدا کو منظور ہوا اور اس نے میری تمام خواہشات کو پورا کرا دیا۔" احمد قلی خان کو حکم دیا گیا کہ وہ ہر روز دربار میں شرکت کیا کریں۔ بادشاہ بہت دیر تک دہلی اور میرٹھ کی باغی فوجوں کے نامعقول طرز عمل پر گفتگو کرتے رہے۔۔۔۔ بادشاہ کو خبر دی گئی کہ فوج لڑنے کیلئے نکلی تھی مگر انگریزوں نے لڑنے کی پرواہ نہ کی۔ صرف توپوں کی جنگ ہوتی رہی۔

○ ۱۹ر جولائی، "غداروں کے خطوط" ص: ۱۱۹ تا ۱۲۱: گاؤکشی منع تھی، سات آدمی مارے گئے بادشاہ نے حکم دیا ہے جو گاؤکشی کریگا توپ سے اڑا دیا جائیگا۔۔۔۔ حکم تلنگوں کا ہے، بادشاہ کی کوئی نہیں سنتا۔۔۔۔ اگر جنگ پر روزانہ کی تدبیر سے فتح نہ ہوئی تو بادشاہ لڑنے کو نکلیں گے۔۔۔۔ بادشاہ کا حکم ہے کہ فوج سے بھاگنے والوں کو گرفتار کیا جائے۔

○ ۲۰ر جولائی، "غدر کی صبح شام" ص: ۱۷۵: جنرل محمد بخت خان کو حکم دیا گیا کہ انگریزوں کے خلاف جو کارروائی کرنا چاہیں، کریں۔۔ چند سواروں نے ملازمت کی خواہش ظاہر کی مگر بادشاہ نے کہا کہ میرے پاس تمہیں تنخواہ دینے کیلئے روپیہ نہیں ہے۔ چند غیر مسلح سپاہیوں نے بندوقیں مانگیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میرے پاس اسلحہ محفوظ نہیں ہے۔۔۔۔ نجیب آباد کے نواب کے بیٹے محمد خان نے نواب کی طرف سے عریضہ پیش کیا جس میں بادشاہ سے درخواست کی گئی تھی کہ حضور نجیب آباد، رامپور، بجنور، دینبریا اور نگینہ انگریزوں سے چھین لینے پر اظہار مسرت کریں، بادشاہ نے بغرض جواب چٹھی جنرل محمد بخت خان کے پاس بھیج دی اور کہا کہ میں جواب کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لینا چاہتا۔۔۔۔ چند یورپینوں کا مال و اسباب بادشاہ کو بھیجا گیا۔ بادشاہ نے سامان کا معائنہ کرنے کے بعد حکم دیا کہ اسے بیگم صاحبہ کے حوالے کر دیا جائے۔

○ ۲۱ر جولائی، "غدر کی صبح شام" ص: ۱۷۸، ۱۷۹: بادشاہ نے سلیم گڑھ کے قلعہ کا معائنہ کیا اور جدید قائم شدہ پیدل فوج نمبری ۴۶ کا بھی معائنہ کیا۔ اسکے بعد انہوں نے لوگوں کو باریابی عطا فرمائی۔۔۔۔ جھانسی کی فوج کا ایک رسالدار بھی بادشاہ کی خدمت

میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ مجھے اپنی خدمات کے معاوضہ میں نہ تو تنخواہ ملی اور نہ انعام۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ جھانسی کی فوج نے تین لاکھ روپیہ غصب کر لیا ہے اور اس میں سے ایک پائی بھی شاہی خزانہ کو موصول نہیں ہوئی۔ بادشاہ نے پھر کہا کہ میں تنخواہ اور انعام کہاں سے دے سکتا ہوں۔ رسالدار کو حکم ہوا کہ اپنے تئیں مرزا مغل کے سامنے پیش کرے۔ میر سعید علی خان نے بادشاہ کی خدمت میں کمر کا پٹکہ پیش کیا۔ بادشاہ نے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور نصف حصہ جنرل بخت خان کے پاس بھیج دیا---ٹونک سے آنے والے مجاہدوں کو بادشاہ نے جواب دیا: میرے پاس تم لوگوں کو دینے کیلئے روپیہ نہیں ہے----بادشاہ نے جنرل محمد بخت خان کے پاس شاہی مطبخ سے ۱۷ خوان بھیجے----جس شخص کو بادشاہ نے محاصل جمع کرنے کے کام پر مقرر کیا تھا اس نے -/3900 روپے لا کر پیش کیے۔

○ ۲۲ / جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۸۰ تا ۱۸۲: جنرل محمد بخت خان بھی موجود تھے انہوں نے شکایت کی کہ چند بدخواہ اشخاص یہ خبر پھیلا رہے ہیں کہ میں انگریزوں سے ساز باز رکھتا ہوں----بادشاہ نے جواب دیا کہ مجھے تمہاری وفاداری پر کامل بھروسہ ہے اور افسوس ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ تکلیف پہنچی، مجھے انگریزوں سے کوئی پرخاش نہیں ہے بلکہ میرا خیال یہ تھا کہ جو فوج میری حفاظت کیلئے دوڑ کر آئی ہے اسکی وجہ سے میرا درجہ بلند ہو جائیگا----جنرل نے تجویز پیش کی کہ بادشاہ کو فوج کے نام احکام جاری کر دینے چاہئیں کہ روزانہ انگریزوں پر حملے کر کے انہیں دق کرتی رہے----جنرل بخت خان دو مولویوں کی معیت میں اندر گئے اور بادشاہ کے روبرو ایک درخواست رکھ دی جس پر انہوں نے دستخط ثبت کر دیئے----انگریزوں نے نواب جھجر وغیرہ کو متنبہ کر دیا کہ آئندہ سے بادشاہ کو مالی امداد نہ دی جائے۔

○ ۲۲ / جولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۲۳: متھرا سے ایک کروڑ روپیہ وصول کر کے لانے کا حکم۔

○ ۲۳ / جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۸۳: بادشاہ سلیم گڑھ کے قلعہ میں گئے اور حکم دیا کہ بنارس سے جو ۶۰۰ سوار آ رہے ہیں ان کا شاندار استقبال کیا جائے اور

ان کی پریڈ کرائی جائے ---- نواب سعید علی خان والی فرخ نگر کے معاملات بھی بادشاہ کے گوش گزار کیے گئے۔

○ ۲۴ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۸۳، ۱۸۴: مرزا ابوبکر نے بادشاہ سے عرض کیا کہ اگر مجھے اختیارات دیدیے جائیں اور دو ہزار سپاہی میرے ساتھ کر دیئے جائیں تو میں گوڑگاؤں کے قرب و جوار کے تمام دیہات سے لگان وصول کر کے لے آؤں گا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میں غور کرنے کے بعد جواب دونگا ---- مرزا الٰہی بخش نے بادشاہ سے ملاقات کی اور نج کے طور پر انہیں مشورہ دیا کہ انگریزوں سے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میں بالکل بے بس ہوں اور یہ کام کرنے سے سراسر قاصر ہوں۔ انہیں آگاہ کر دیا گیا کہ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نتائج آپ کے خلاف نکلیں گے۔ معاملہ یہیں پر ختم ہو گیا ---- بادشاہ بہت دیر تک رات کو دارالمشورہ میں بیٹھے رہے اور حکیم احسن اللہ سے بات چیت کرتے رہے۔ بادشاہ نے اپنے استاد مولوی حسن عسکری کے پاس چند خوان اور ململ کا تھان بھیجا۔

○ ۲۵ر جولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۲۷، ۱۲۸: بادشاہ بخت خان سے سخت ناراض ہیں اور اس سے کہتے ہیں یا تو شہر سے باہر جا کر لڑو یا مجھے اپنی مرضی کے مطابق شہر چھوڑ کر جانے دو ---- بادشاہ نے بخت خان کو سونے کا ایک بہت ہی قیمتی نیام بند تحفے میں دیا ہے ---- ایک فرمان جاری ہوا ہے کہ جنگ میں مارے جانے والے سپاہیوں کے لواحقین کو وظیفہ اور جاگیریں دی جائیں گی۔

○ ۲۶ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۸۷: جنرل محمد بخت خاں کی درخواست پر انہیں گورنر کے درجہ پر فائز کیا گیا۔ بادشاہ نے جنرل کے طرزِ عمل پر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا

○ ۲۸ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۸۹: بادشاہ نے قلعہ سلیم گڑھ کا معائنہ کیا اور وہاں سے دربار عام میں تشریف لے گئے، امراء اور افسر بھی موجود تھے ---- بادشاہ نے حکم دیا کہ جنرل اور فوج کے افسران کے نام اس مضمون کی چٹھیاں بھیج دی جائیں کہ عید کے موقع پر شہر میں کوئی گائے ذبح نہ کی جائے اور تنبیہ کر دی گئی کہ اگر کسی مسلمان نے ایسا کیا

تو اسے توپ کے منہ سے اڑا دیا جائے گا----حکیم احسن اللہ خان نے اظہار ناراضگی کیا، بادشاہ اس مخالفت سے سخت ناراض ہوئے، دربار برخاست کر دیا-

○ ۲۹ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۹۰، ۱۹۱: عمائدین شہر نے ایک دربار منعقد کیا جس میں صوبہ دار قادر بخش نے جنرل بخت خان پر یہ الزام عائد کیا کہ وہ انگریزوں پر حملہ کرنے سے عمداً پہلو تہی کرتے ہیں- بہت دن ہو چکے ہیں اور جنرل نے ابھی تک انگریزوں پر فوج کشی نہیں کی- اسکا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ انگریزوں نے شہر پر کامیابی کے ساتھ حملہ کرنے کی غرض سے تمام ضروریات جمع کر لی ہیں- جنرل اس تقریر پر بہت کچھ جھلائے مگر بادشاہ نے یہ کہہ کر انکے غصہ کو دھیما کر دیا کہ صوبہ دار نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ صداقت پر مبنی ہے---- بادشاہ نے اپنے مطبخ سے جنرل بخت خان کو گوشت کے مختلف کھانوں کے چار خوان بھیجے-

○ ۲۹ر جولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۳۳: جاسوس رجب علی انگریزوں کو اس دن کی رپورٹ میں لکھتا ہے، ''میں نے بادشاہ سلامت کو مشورہ دیا تھا کہ انکو چاہیے کہ خفیہ طور پر شہر کا دروازہ کھلوا کر انگریزی فوج کے شہر میں داخل ہونے کا بندوبست کریں، اس طرح انکی جان تو شاید نہ بچ سکے، لیکن اس احسان کے بدلے میں انگریز انکے ورثاء سے اچھا سلوک کریں گے، بادشاہ سلامت تو راضی ہو جاتے لیکن حکیم احسن اللہ خان نے دخل اندازی کر کے معاملہ خراب کر دیا-

○ ۳۰ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۹۱ تا ۱۹۳: آج بادشاہ مہتاب باغ میں ایک فقیر سے ملنے کے لئے گئے اور کچھ دیر تک اس سے لڑائی کے متعلق بات چیت کرتے رہے---- چند جہادیوں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے اور ہم بھوکے مر رہے ہیں- بادشاہ نے جواب دیا کہ خزانہ خالی ہے---- بادشاہ نے جنرل بخت خان کے نام حکم نافذ کر دیا کہ عرض کنندہ کو نہ ستایا جائے---- عرضی میں سپاہیوں نے بادشاہ سے یہ درخواست کی تھی کہ ہمارے طرز عمل پر اظہار خوشنودی فرما دیں، جواب میں بادشاہ نے یہ تحریر لکھوا دی کہ جو کوئی شخص بادشاہ کا وفادار رہے گا اسے انعام د

اکرام سے مالا مال کیا جائے گا---- سہ پہر کو رام جی مل مہاجن اور پٹیا مل سوداگر دربار میں حاضر ہوئے- رام جی نے پگڑی بادشاہ کے پاؤں پر رکھ دی اور عرض کیا کہ میں بالکل مفلس اور قلاش ہو گیا ہوں---- بادشاہ نے جواب میں فرمایا کہ ''میں تم سے روپیہ قرض مانگتا ہوں- میں ٹیکس کے طور پر نہیں لینا چاہتا- دیکھو میرے دوست جوتی پرشاد نے انگریزوں کو تیس ہزار روپے قرض دیئے ہیں- اب تم کس بنا پر روپیہ قرض دینے میں پس و پیش کرتے ہو؟'' بادشاہ نے پٹیا مل سے کہا کہ تمہیں بالضرور ۵۰ ہزار روپے قرض دینے چاہئیں-

○ ۳۱ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۹۴، ۱۹۵: بادشاہ نے خواہش ظاہر فرمائی کہ نواب فرخ نگر اور راؤ تلارام کو روپیہ بھیجنے کی غرض سے چٹھیاں لکھی جائیں---- میر فیاض علی نے معروضہ پیش کیا کہ جہادی بھوکے مر رہے ہیں- بادشاہ نے جواب دیا کہ انہیں کھلانے کیلئے میرے پاس روپیہ نہیں رہا- فیاض نے کہا کہ شہر والوں کو حکم دیجئے کہ وہ ان کے کھانے کا بندوبست کریں- بادشاہ نے اس تجویز کو پسند کیا---- (نیمچہ فوج کی کامیابی پر) بادشاہ نے بلند آواز سے شاباش دی اور افسروں کی بیحد تعریف و توصیف کی-

○ ار اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۹۶: بادشاہ نے دربار منعقد کیا حکیم احسن اللہ خان اور دوسرے امراء بھی شریک تھے- بادشاہ اعیان سلطنت کی معیت میں عید کی نماز ادا کرنے کی غرض سے مسجد میں تشریف لے گئے---- بادشاہ کے فرستادہ افسر منشی سلطان سنگھ کے پاس گئے اور ان سے ۵۰ ہزار روپے طلب کئے---- بادشاہ نے جواب دیا کہ معاملہ جنرل محمد بخت خان کے ہاتھ میں ہے اور میں مداخلت کرنے سے معذور ہوں لیکن رہائی حاصل کرنے کی غرض سے ضروری ہے کہ کچھ روپیہ ادا کیا جائے-

○ ۲ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۹۷، ۱۹۸: آج بادشاہ دربار عام میں نہایت شان و شوکت کے ساتھ جلوہ فرما تھے---- بالعموم جنگی حالت پر گفتگو ہوتی رہی- اس کے بعد بادشاہ نے چند اشعار سنائے- جنہیں انہوں نے موزوں کیا تھا- یہ اشعار جنرل بخت خان کے پاس بھیج دیے گئے تھے- ان کا مفہوم یہ تھا:

"خدا کرے کہ دین کے دشمن تباہ و برباد ہو جائیں!
خدا کرے کہ فرنگی نیست و نابود ہو جائیں!
قربانیاں کر کے عید کے قربان کے تہوار کو مناؤ!
اور دشمنوں کو تہ تیغ کردو اور کوئی نہ بچنے پائے!"

جنرل بخت خان بھی شریک دربار ہوئے اور اطلاع دی کہ موسلا دھار بارش کی وجہ سے تمام علاقہ جل تھل ہو گیا ہے اور اس لئے میں واپس آ گیا ہوں۔ بادشاہ یہ سن کر بہت برافروختہ ہوئے اور کہا کہ تم باوٹہ کو کبھی بھی فتح نہیں کر سکو گے۔" آج شام کو بادشاہ نے تمام افسروں کو دربار عام میں مدعو کیا اور ان کے سامنے حسب ذیل تقریر کی:

"جو خزانہ تم میرے پاس لائے تھے وہ سب ختم ہو گیا۔ شاہی خزانہ اب خالی پڑا ہوا ہے، اور اس میں ایک پیسہ بھی باقی نہیں رہا۔ میں سنتا ہوں کہ دن بدن سپاہی اپنے گھروں کو جا رہے ہیں۔ مجھے اب فتح کی کوئی امید دکھائی نہیں دیتی، میری خواہش یہ ہے کہ تم لوگ سب کے سب شہر چھوڑ کے کسی مرکزی مقام میں چلے جاؤ۔ اگر تم نہ جاؤ گے تو جو کارروائیاں مناسب ہونگی انہیں میں عمل میں لاؤں گا۔" اس تقریر کے بعد افسروں نے بادشاہ کو ڈھارس دی اور کہا کہ "ہم اب بھی باوٹہ کو فتح کر سکتے ہیں۔ انشاء اللہ۔

○ ۲۳ راگست، "غدر کی صبح شام"، ص: ۱۹۸، ۱۹۹: غوث محمد خان جو نیچ کی فوج کے سرداروں میں سے تھے، بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر بادشاہ نے یہ کہہ کر ملاقات کرنے سے انکار کر دیا کہ میرے پاس وقت نہیں ہے۔----نصیر آباد سے چند جہادیوں کا معروضہ موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ اگر چہ چھ ہزار سپاہی ایک دل ایک جان ہو رہے ہیں لیکن انگریزوں نے شہر پر قبضہ کر لیا ہے۔ بادشاہ نے حسب ذیل جواب لکھا:

"دہلی میں ۶۰ ہزار سپاہی موجود ہیں اور وہ بھی ابھی تک انگریزوں کو باوٹہ سے نہیں ہٹا سکے۔ تمہارے ۶ ہزار سپاہی کیا کر لیں گے؟----ایک سوار نے بادشاہ کی خدمت میں خنجر پیش کیا اور کہا کہ "یہ خنجر حضور نبی کریم ﷺ زیب تن فرماتے تھے۔"

○ ۴؍ اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۰۰، ۲۰۲: بادشاہ ابھی حرم ہی میں تھے کہ افسروں کا وفد حاضر ہوا، انہوں نے شکایت کی کہ حکیم احسن اللہ خان انگریزوں سے ساز باز رکھتے ہیں--- بادشاہ نے جواب دیا کہ مجھے یقین ہے کہ حکیم احسن اللہ خان اس قسم کی کسی سازش میں شریک نہیں ہیں--- بادشاہ نے افسروں اور مرزا مغل کو بلا بھیجا اور موخر الذکر کی تعریف کر کے یہ بات کہی--- کہ میں نے مرزا مغل اور جنرل محمد بخت خان کو حکم دیدیا ہے کہ تمہیں اپنی کمان میں لے لیں- اب تم پسند کر لو کہ کس کی کمان میں رہنا پسند کرتے ہو- یہ امر باعث تکلیف ہے کہ شہر والوں کو ستایا جائے اور سپاہیوں کی جانب سے انہیں دھمکی دی جائے- حالانکہ وہ شہر میں صرف اسی مقصد سے آتے ہیں کہ انگریزوں کا تہس نہس کر دیں نہ کہ اپنے ہم ملکیوں کا- یہ سپاہی شیخی بگھارا کرتے تھے کہ ہم انگریزوں کو تباہ کرنے کی غرض سے اپنے استحکامات میں سے باہر نکلیں گے- لیکن وہ ہر بار لوٹ آتے ہیں--[1] بادشاہ نے فرمایا کہ ''مجھے صاف دکھائی دے رہا ہے کہ انگریز دوبارہ اس شہر پر قابض ہو جائیں گے اور مجھے قتل کر ڈالیں گے- بظاہر افسر بادشاہ کی تقریر سے متاثر ہوئے- انہوں نے تسلی دی اور درخواست کی کہ آپ اپنا ہاتھ ہمارے سروں پر رکھیں اور ہم بلاشبہ فاتح ہونگے- تقریباً ۱۵۰؍ افسر موجود تھے اور گزرتے وقت بادشاہ نے ہر ایک کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا- اسکے بعد بادشاہ نے دعا مانگی اور فرمایا'' جلدی جاؤ اور باؤٹہ پر قبضہ کر لو-''

بادشاہ کھڑے ہوئے اور جب سب چلے گئے تو اس کے بعد وہ سلیم گڑھ گئے اور حکم دیا کہ باتریوں سے گولہ باری کی جائے- بعد ازاں وہ حرم میں آ گئے وہاں سے انہوں نے مرزا مغل کے نام ایک خط بھیجا جس میں یہ تاکید کی گئی تھی کہ وہ حکیم احسن اللہ خان کی نگرانی رکھیں اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے دیں- بادشاہ نے فوج میں تنخواہ تقسیم کرنے کا حکم دیا- انہوں نے مزید برآں یہ حکم دیا کہ فوج کا ہر افسر انکی خدمت میں حاضر ہو- جنرل بخت خان بھی اس حکم کے مطابق دربار میں حاضر ہوئے ---- گوالیار سے بادشاہ کی

---

[1] ''غدر کی صبح شام''، ص: ۸۰ پر معین الدین کی فوجوں کے بارے میں رپورٹ بھی یہی ہے-

خدمت میں یہ پیغام وصول ہوا کہ ہم سب آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے تیار بیٹھے ہیں- بادشاہ نے نہایت بے صبری کے ساتھ جواب دیا کہ انہیں لکھ دو کہ ان کی امداد کیلئے میرے پاس روپیہ موجود نہیں ہے- میرے پاس یہاں ۶۰ ہزار سپاہی ہیں اور ابھی تک انہوں نے مٹی کا ڈھیلا بھی انگریزوں سے واپس نہیں لیا-'' ----فوج کو تین بریگیڈوں میں مرزا مغل، جنرل محمد بخت خان اور غوث محمد خان کی سرداری میں منقسم کر دیا گیا-

○ ۴ راگست، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۴۲-۱۴۳: نیچہ فوج کے افسروں نے بادشاہ سے محاذ جنگ پر بروقت مدد و رسد نہ ملنے کی شکایت کی تو بادشاہ نے بڑے غصے سے جواب دیا کہ وہ اگر بغاوت پر اتنے ہی مصر تھے تو انہیں چاہیے تھا کہ وہ کہیں اور چلے جاتے، نہ کہ دہلی آتے، جہاں آ کر انہوں نے اسے تباہ کر دیا ہے----پشاور سے خط آیا، جس میں شرکت جہاد کی خواہش پہنچائی گئی تھی- اسکا جواب بادشاہ نے یہ دیا کہ انہیں چاہیے کہ جو کرنا ہو کریں لیکن دہلی کا رخ نہ کریں کیونکہ یہاں پیسہ ختم ہو چکا ہے اور فوج خودسر ہو گئی ہے-

○ ۵ راگست ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۰۴: بادشاہ نے مختلف شکایتیں نبٹائیں- جنرل بخت خان نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ فوجیں کل انگریزوں پر حملہ کریں گی----ایک فرانسیسی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پھٹنے والی گولیاں بنانے کیلئے اپنی خدمات پیش کیں- بادشاہ نے دمدموں کی باتریاں ملاحظہ کیں اور حکم دیا کہ وہاں سے انگریزوں پر مسلسل گولہ باری رکھی جائے اور نیز باتریوں پر بھی پے درپے گولے برسائے جائیں جو شہر پر گولے پھینکتی ہیں-

○ ۷ راگست، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۰۶ تا ۲۰۸: آج سہ پہر کو بارودسازی کا کارخانہ بھک سے اڑ گیا اور چار سو چورانوے آدمی ضائع ہوئے صرف تیرہ اشخاص اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوئے- اس وقت بادشاہ سلیم گڑھ کے قلعہ میں تھے---- اطلاع دی گئی کہ تقریباً ۱۰۰ اسوار حکیم احسن اللہ کی تلاش میں مصروف ہیں- بادشاہ نے انہیں تخت کے نیچے چھپ جانے کا حکم دیا- اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ دروازے بند کر

دیے جائیں اور حکیم احسن اللہ خان کو عبادت خانہ میں چھپا دیا جائے- سمند خاں رسالدار نے سپاہیوں کو سمجھا دیا کہ حکیم قلعہ میں نہیں ہیں- بادشاہ نے پھر مرزا مغل کو حکم دیا کہ حکیم احسن اللہ خان کی حفاظت کی جائے اور ان کے مکان کو لوٹ مار سے بچایا جائے---- بادشاہ نے حکم دیا کہ حکیم کے ذاتی سامان کو محفوظ مقام میں بہ حفاظت تمام رکھ دیا جائے--- رات کو باغیوں نے قلعہ کو گھیر لیا اور مطالبہ کیا کہ حکیم احسن اللہ کو ہمارے حوالے کر دیا جائے- گھنٹوں بادشاہ نے ان کے مطالبہ کی مخالفت کی آخر کار وہ اس شرط پر راضی ہو گئے کہ انہیں حوالے کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ انکی جاں بخشی کی جائے--- جب یہ شرط طے ہو گئی تو بادشاہ نے حکیم کو سپاہیوں کے حوالے کر دیا جنہوں نے انہیں جواہرات والے کمرے میں قید کر دیا- اسکے بعد بادشاہ نے اپنے تمام شہزادگان کو بلایا اور ان سے کہا کہ ہر وقت میرے پاس رہو اور میری حفاظت کرتے رہو---- مسلمانوں کو ہر لمحہ یہ اندیشہ تھا کہ سپاہی بادشاہ کو قتل کر ڈالیں گے اور شہر میں قتل عام کر دیں گے-

○ ۷/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۴۷: بادشاہ نے بھرے دربار میں اعلان کیا ہے کہ انگریزوں کا نام و نشان عنقریب ہندوستان کے نقشے سے مٹا دیا جائیگا- وہ لوگ جو اس بھروسے پر بیٹھے ہیں کہ انگریز واپس آئیں گے غلطی پر ہیں- بنگال، مدراس اور بمبئی تمام علاقوں نے کھلم کھلا بغاوت کر دی ہے- انگلستان کے انگریزوں نے اگر اپنے ہم وطنوں کی مدد کیلئے انگلستان چھوڑ کر آنے کا ارادہ کیا تو وہ خود اپنا ملک بھی کھو دیں گے- اس ملک میں انگریزوں کا کوئی دوست باقی نہیں ہے، جبکہ بادشاہ کی مدد کیلئے ہر حصے سے پیغامات آ رہے ہیں-[1]

○ ۸/اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۱۱: آج صبح تمام امراء بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن انہوں نے فرمایا کہ میں آج دربار منعقد نہ کرونگا کیونکہ جو سلوک مجھ سے روا رکھا جا رہا ہے وہ میرے لئے سخت تکلیف کا باعث ہے- بعض درباریوں سے

---

[1] اسکے بعد اس روز واقع ہونے والے حکیم احسن اللہ خان کے قصے کا ذکر ہے-

بادشاہ نے فرمایا: ''ہر بادشاہ پر انقلابات گزرے ہیں اور اب میری باری آرہی ہے۔'' اپنے لڑکوں کو انہوں نے حکم دیا کہ احسن اللہ کی جان بچانے اور رہائی دلانے کی ہر ممکن تدبیر عمل میں لائیں۔ بیگم نے بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ مجھ پر بھی انگریزوں کے ساتھ ساز باز رکھنے کا شبہ کیا جارہا ہے اور مجھے بھی متنبہ کر دیا گیا ہے کہ سپاہی محل کو لوٹنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ بادشاہ نے بیگم اور احسن اللہ کے مکان کی حفاظت کیلئے ۲۰۰ سوار بھیجے۔ بادشاہ نے سپاہیوں کو حکیم کا سامان جلانے سے باز رکھنے کی انتہائی کوشش کی لیکن کسی نے ان کے احکام کی پرواہ نہیں کی۔ بادشاہ نے محرروں کو بلا بھیجا لیکن موت کے ڈر سے کوئی بھی اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا۔ بادشاہ نے مرزا عبداللہ کو حکیم احسن اللہ کے پاس بھیجا تا کہ وہ کہہ سن کر انہیں کھانا کھانے پر مجبور کریں۔

○ ۸راگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۵۰، ۱۵۱: داؤد خان کے پوتے نے بادشاہ کو پیغام پہنچایا کہ راجہ داؤد خان بادشاہ کا مطیع ہے اور وہ لگان بھی ادا کریگا۔ بادشاہ نے یہ سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور کہا: ''یہ سب کچھ خدا کے فضل و کرم سے ہو رہا ہے۔---- بادشاہ سارا دن شعر و شاعری میں مگن رہتے ہیں۔

○ ۹راگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۱۱، ۲۱۲: بادشاہ عبادت خانے میں داخل ہوئے۔ بادشاہ کے پیرزادہ میاں کالے صاحب کے صاحبزادے نظام الدین دربار میں آئے اور محمد علی اکبر خان سے کہا کہ پاؤدی میں ۵۰ سوار اس غرض سے پہنچے ہیں کہ تین لاکھ روپیہ وصول کر کے بادشاہ کو دیں اور یہ کہ ان سواروں نے روپیہ وصول کرنے کی غرض سے نواب کے لڑکے کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ ''میں نے انہیں روپیہ وصول کرنے کی غرض سے نہیں بھیجا۔ انہیں سخت سزا ملنی چاہیئے۔''

○ ۱۰راگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۱۲، ۲۱۳: بادشاہ عبادت خانہ میں گئے۔ حافظ داؤد صاحب اور ناظر حسن مرزا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دوران ملاقات میں بادشاہ نے سپاہیوں کی زیادتیوں اور مظالم پر اظہار ناراضگی کیا۔ بادشاہ نے مرزا

مغل سے آج پھر احسن اللہ خاں کی رہائی کیلئے کہا---- حکیم احسن اللہ آج رہا ہو گئے۔[1] شریک دربار ہوئے اور ایک اشرفی پیش کی اور بادشاہ کا شکریہ ادا کیا کیونکہ انکی امداد کے بغیر جاں بخشی ممکن نہ تھی۔ انہوں نے عرض کی کہ میرا جو مال و اسباب سپاہیوں نے لوٹ لیا ہے اسے واپس دلا دیا جائے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ پانچ ہزار روپیہ لے کر جاؤ اور منتشر مال کو یکجا کر دو۔

○ ۱۱ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۱۴: بادشاہ نے حکیم احسن اللہ کی عزت افزائی کرنے کے خیال سے شاہزادگان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ حکیم کو اپنی حفاظت میں ان کے گھر پہنچا دیں، اس پر عمل ہوا۔

○ ۱۲ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۱۴: بادشاہ نے مولوی صدرالدین خان سے کہا کہ جب تک حکیم کا مال جسے سپاہیوں نے لوٹ لیا تھا، واپس نہ کر دیا جائیگا اس وقت تک تمہیں دربار میں شرکت کی اجازت نہ دی جائیگی---- افسروں نے بادشاہ کو کچھ خفیہ خبریں دیں جسکی وجہ سے بادشاہ نے قلعہ سلیم گڑھ کا معائنہ کیا۔

○ ۱۳ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۱۵: بادشاہ نے حکم دیا کہ لوگ میرے سامنے پستول لگا کے نہ آیا کریں اور آئندہ کیلئے اس رسم کو بند کر دیا مگر تلواریں لگانے کی اجازت تھی---- محمد علی اکبر خان کے پاس سے عریضہ موصول ہوا جس میں یہ شکایت درج تھی کہ سپاہی مجھے بہت دق کر رہے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ ''تم نے اپنے سپاہیوں کو قتل کرنے میں غلطی کی۔ تمہیں اپنے علاقے پر حکومت کرنے کا اختیار حاصل ہے تم حکومت کئے جاؤ----''

○ ۱۳ر اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۵۵: بادشاہ کافی افسردہ ہیں۔

○ ۱۴ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۱۶: جنرل محمد غوث نے بادشاہ سے نجی میں

---

[1] غداروں کے خطوط، ص:۱۵۶ پر ۱۴ر اگست کی رپورٹ ہے کہ بادشاہ نے جرنیلوں کو طویل خط لکھ کر خودکشی کی دھمکی دی تو انہوں نے حکیم کو رہا کر دیا۔

کچھ کہا جسکا جواب بادشاہ نے یہ دیا کہ ''جب تک انگریز باؤنڈ سے نہ نکال دیے جائیں گے، تم کبھی فتح مند نہیں ہو سکتے۔ اندور کی فوجیں آ رہی ہیں۔ تمہارے پاس نیچ کی فوجیں ہیں۔ تمہیں بالضرور علی پور کے مقام پر انگریزوں کے خلاف حملہ آور ہونا چاہیے۔'' آج شاہی دستر خوان سے جنرل بخت خان کے پاس کھانا بھیجا گیا۔

○ ۱۴راگست، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۵۸: آج دربار کے بعد بادشاہ نے سپہ سالاروں سے فرمایا کہ چونکہ وہ انگریزوں کی ایک چھوٹی سی فوج کو فتح کرنے میں ناکام رہے ہیں، اسلئے بہتر یہ ہے کہ وہ ان سے رحم کی درخواست کریں اور شہر اور محل کو مزید برباد کرنے کی کوشش نہ کریں۔ سپہ سالار نے جواب دیا کہ اسکے بھاگنے کیلئے کوئی راستہ نہیں ہے، اس پر بادشاہ نے اپنے ہاتھی بان کو ایک ہاتھی تیار کرنے کو کہا تاکہ وہ انگریزی کیمپ میں جا کر گفت و شنید کر سکے۔ فوج کے افسروں نے انہیں اس ارادہ سے باز رکھنے کیلئے وعدہ کیا، یا تو وہ کیمپ پر فتح حاصل کریں گے یا پھر ہمیشہ کیلئے اپنا منہ نہ دکھائیں گے۔

○ ۱۵راگست، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۱۷: بادشاہ عظیم خان کی نقل و حرکت پر سخت غضبناک ہوئے اور روپیہ بھیجنے کے متعلق اسکے نام تاکیدی خطوط بھیجے اور حکم دیا کہ آئندہ کسی کو مت ستاؤ۔ بادشاہ نے مہاراجہ گوالیار کے نام بھی خط بھیجا اور لکھا کہ اپنی فوج اور خزانہ سمیت میرے ساتھ شامل ہو جاؤ۔

○ ۱۵راگست، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۵۸، ۱۵۹: بادشاہ نالے میں پھنسی دو توپوں کو نکلوانے کی فکر میں ہیں، سپاہیوں کو ترغیب دیتے رہتے ہیں بالآخر وہ نکل آئیں۔۔۔ بادشاہ ہر روز اپنا دربار لگاتے ہیں مگر کسی سے زیادہ بات نہیں کرتے۔۔۔

○ ۱۵راگست، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۶۱: دہلی کی جانب گامزن، اندور کی فوج کے راستے میں کسی راجہ نے رکاوٹ ڈالی، بادشاہ نے اسے حکم دیا کہ وہ اس فوج کے راستے میں رکاوٹ نہ ڈالے اور فوج کو کہا گیا ہے کہ وہ دہلی کی طرف اپنا سفر جاری رکھے۔

مغل سے آج پھر احسن اللہ خاں کی رہائی کیلئے کہا۔۔۔۔حکیم احسن اللہ آج رہا ہو گئے۔[1]
شریک دربار ہوئے اور ایک اشرفی پیش کی اور بادشاہ کا شکریہ ادا کیا کیونکہ انکی امداد کے بغیر جاں بخشی ممکن نہ تھی۔ انہوں نے عرض کی کہ میرا جو مال واسباب سپاہیوں نے لوٹ لیا ہے اسے واپس دلا دیا جائے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ پانچ ہزار روپیہ لے کر جاؤ اور منتشر مال کو یکجا کردو۔

○ ۱۱/اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۱۴: بادشاہ نے حکیم احسن اللہ کی عزت افزائی کرنے کے خیال سے شاہزادگان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ حکیم کو اپنی حفاظت میں ان کے گھر پہنچادیں، اس پر عمل ہوا۔

○ ۱۲/اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۱۴: بادشاہ نے مولوی صدرالدین خان سے کہا کہ جب تک حکیم کا مال جسے سپاہیوں نے لوٹ لیا تھا، واپس نہ کر دیا جائیگا اس وقت تک تمہیں دربار میں شرکت کی اجازت نہ دی جائیگی۔۔۔۔افسروں نے بادشاہ کو کچھ خفیہ خبریں دیں جسکی وجہ سے بادشاہ نے قلعہ سلیم گڑھ کا معائنہ کیا۔

○ ۱۳/اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۱۵: بادشاہ نے حکم دیا کہ لوگ میرے سامنے پستول لگا کے نہ آیا کریں اور آئندہ کیلئے اس رسم کو بند کر دیا مگر تلواریں لگانے کی اجازت تھی۔۔۔۔محمد علی اکبر خان کے پاس سے عریضہ موصول ہوا جس میں یہ شکایت درج تھی کہ سپاہی مجھے بہت دق کر رہے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ ''تم نے اپنے سپاہیوں کو قتل کرنے میں غلطی کی۔ تمہیں اپنے علاقے پر حکومت کرنے کا اختیار حاصل ہے تم حکومت کیے جاؤ۔۔۔۔''

○ ۱۳/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۵۵: بادشاہ کافی افسردہ ہیں۔

○ ۱۴/اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۱۶: جنرل محمد غوث نے بادشاہ سے نجی میں

---

[1] غداروں کے خطوط، ص:۱۵۶ پر ۱۴/اگست کی رپورٹ ہے کہ بادشاہ نے جرنیلوں کو طویل خط لکھ کر خودکشی کی دھمکی دی تو انہوں نے حکیم کو رہا کر دیا۔

کچھ کہا جسکا جواب بادشاہ نے یہ دیا کہ "جب تک انگریز باوڈہ سے نہ نکال دیے جائیں گے، تم کبھی فتح مند نہیں ہو سکتے ۔ اندور کی فوجیں آ رہی ہیں۔تمہارے پاس نیچ کی فوجیں ہیں۔ تمہیں بالضرور علی پور کے مقام پر انگریزوں کے خلاف حملہ آور ہونا چاہیے۔" آج شاہی دسترخوان سے جنرل بخت خان کے پاس کھانا بھیجا گیا۔

○ ۱۴/اگست، "غداروں کے خطوط"، ص:۱۵۸: آج دربار کے بعد بادشاہ نے سپہ سالاروں سے فرمایا کہ چونکہ وہ انگریزوں کی ایک چھوٹی سی فوج کو فتح کرنے میں ناکام رہے ہیں، اسلیئے بہتر یہ ہے کہ وہ ان سے رحم کی درخواست کریں اور شہر اور محل کو مزید برباد کرنے کی کوشش نہ کریں۔ سپہ سالار نے جواب دیا کہ اسکے بھاگنے کیلیئے کوئی راستہ نہیں ہے، اس پر بادشاہ نے اپنے ہاتھی بان کو ایک ہاتھی تیار کرنے کو کہا تا کہ وہ انگریزی کیمپ میں جا کر گفت و شنید کر سکے۔ فوج کے افسروں نے انہیں اس ارادہ سے باز رکھنے کیلیئے وعدہ کیا، یا تو وہ کیمپ پر فتح حاصل کریں گے یا پھر ہمیشہ کیلیئے اپنا منہ نہ دکھائیں گے۔

○ ۱۵/اگست، "غدر کی صبح شام"، ص:۲۱۷: بادشاہ عظیم خان کی نقل و حرکت پر سخت غضبناک ہوئے اور روپیہ بھیجنے کے متعلق اسکے نام تاکیدی خطوط بھیجے اور حکم دیا کہ آئندہ کسی کو مت ستاؤ۔ بادشاہ نے مہاراجہ گوالیار کے نام بھی خط بھیجا اور لکھا کہ اپنی فوج اور خزانہ سمیت میرے ساتھ شامل ہو جاؤ۔

○ ۱۵/اگست، "غداروں کے خطوط"، ص:۱۵۸، ۱۵۹: بادشاہ نالے میں پھنسی دو توپوں کو نکلوانے کی فکر میں ہیں، سپاہیوں کو ترغیب دیتے رہتے ہیں بالآخر وہ نکل آئیں---بادشاہ ہر روز اپنا دربار لگاتے ہیں مگر کسی سے زیادہ بات نہیں کرتے---

○ ۱۵/اگست، "غداروں کے خطوط"، ص:۱۶۱: دہلی کی جانب گامزن، اندور کی فوج کے راستے میں کسی راجہ نے رکاوٹ ڈالی، بادشاہ نے اسے حکم دیا کہ وہ اس فوج کے راستے میں رکاوٹ نہ ڈالے اور فوج کو کہا گیا ہے کہ وہ دہلی کی طرف اپنا سفر جاری رکھے۔

○ ۱۶ر اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۲۱۷: مولوی فضل حق شریک دربار ہوئے۔ انہوں نے اشرفی نذر میں پیش کی اور صورتِ حالات کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔

○ ۱۶ر اگست، غداروں کے خطوط''، ص: ۱۶۴، ۱۶۵: کل تقریباً دو سو سپاہیوں نے فقیروں کا بھیس بدل کر بھاگنے کی کوشش کی تھی۔ وہ پکڑ کر واپس لائے گئے۔ بادشاہ سلامت نے بذات خود ان کے بیان لئے، انہوں نے کہا کہ ایک تو ان کے پاس کوئی رقم نہیں دوسرے انکے گھر تباہ ہو رہے تھے، اسلئے انہوں نے گھر جانے کا ارادہ کیا تھا۔ ان سے ان کے ہتھیار لے لئے گئے اور انہیں گھروں کو جانے کی اجازت دے دی گئی۔ بادشاہ نے بھرے دربار میں کہا کہ نہ تو اس نے فوج کو جمع کیا ہے اور نہ ہی اس کے تتر بتر ہونے کو روکے گا۔ اسکا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ ان سے جو ہتھیار لیے گئے وہ انگریزوں کو واپس آنے پر دے دیے جائیں گے۔ اگر سپاہی چاہیں تو اپنے ہتھیار اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔۔۔۔ شہر کے گیارہ رؤسا کو گیارہ لاکھ دینے کا حکم دیا گیا، ان میں سے امین الدین خان اپنے ذمہ کی رقم بادشاہ سے معاف کرانے میں کامیاب ہو گیا۔

○ ۱۷ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۱۹: سپاہیوں نے قیدی سے حاصل کردہ تین سو روپے بادشاہ کے سامنے پیش کر دیے۔ بادشاہ نے ۷ا روپے سپاہیوں میں تقسیم کر دیے اور باقی ماندہ روپے خزانہ میں داخل کر دیے۔ چار سوار روپیہ طلب کرنے کی غرض سے جھجر روانہ کئے گئے۔۔۔، جنرل بخت خان نے بادشاہ سے شکایت کی کہ شاہزادگان نے فوج کی تنخواہ کیلئے مہاجنوں اور دوسرے اشخاص سے بہت سا روپیہ جمع کر لیا ہے لیکن ابھی تک فوج کو ایک پیسہ بھی نہیں ملا۔ یہ سن کر بادشاہ نے مرزا خضر کو حکم دیا کہ جتنا روپیہ تم نے وصول کیا ہے جنرل کے حوالے کر دو۔ اور آئندہ جب روپیہ طلب کیا جائے تو اسے شہر والوں کی موجودگی میں جنرل کی سپردگی میں دیدیا جائے۔

○ ۱۸ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۲۰، ۲۲۱: مولوی فضل حق نے

اطلاع دی کہ انگریزی اخبارات لکھ رہے ہیں کہ شہر پر قبضہ ہو جانے کے بعد باشندوں کا قتل عام کیا جائیگا۔شہر کو مسمار کر دیا جائیگا اور بادشاہ کے گھرانے میں ایک آدمی بھی ایسا نہ چھوڑا جائیگا جو بادشاہ کا نام لے یا اسے پانی کا ایک قطرہ بھی دے سکے----مرزا مغل نے مرزا امین الدین سے روپے کا مطالبہ کیا، تو انہوں نے معذوری کا اظہار کیا، جس پر شہزادہ نے گرفتاری کا حکم دیدیا۔اس پر وہ بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے اور کہا کہ روپیہ دینے کے مقابلے میں مرنے کو ترجیح دیتا ہوں۔بادشاہ نے انہیں بیٹھنے کیلئے کہا اور انہیں یقین دلایا کہ آئندہ سے میں اس قسم کا کوئی مطالبہ نہ ہونے دونگا۔

○ ۱۸ راگست، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶: بادشاہ جرنیلوں کو علی پور پر چڑھائی کیلئے کہتا رہتا ہے، اس نے تنخواہ دینے کا وعدہ کیا ہے----بلب گڑھ کے دربار میں بادشاہ کا جاسوس ہے جو بادشاہ کو وہاں کی خبریں بھیجتا رہتا ہے----بادشاہ کی مہر جو چاہتا ہے استعمال کرتا ہے----بادشاہ، شہزادے اور فوج کے افسر سب کے سب مذاق بن کے رہ گئے ہیں۔

○ ۲۰ راگست، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۸۳، ۱۸۴: میرٹھ رجمنٹ نے کل بادشاہ سے بخت خان اور لال خان کی شکایت کی اور جانے کی دھمکی دی، بادشاہ نے کہا انہیں چاہیے اس معاملے میں جلد بازی نہ کریں بلکہ پہاڑی اور دوسرے مورچوں کو فتح کرنے کی طرف توجہ دیں۔سپاہیوں نے بادشاہ کی بات کو اہمیت نہ دی اور کافی بدتمیزی سے پیش آتے رہے----فوج بادشاہ سے روزانہ تنخواہ کا مطالبہ کرتی ہے۔بادشاہ جواب دیتا ہے کہ اس کے پاس کوئی خزانہ نہیں ہے۔اس نے انہیں دہلی آنے کی دعوت نہیں دی تھی اور نہ ہی وہ چاہتا ہے کہ باغی فوج دہلی میں رہے۔اسکو اپنے اخراجات کیلئے جو وظیفہ ملتا تھا بغاوت کی وجہ سے وہ بھی ختم ہو گیا ہے اور ان کی ہی وجہ سے انگریز بھی اس کے دشمن ہو گئے ہیں۔

○ ۲۰ راگست، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۲۳، ۲۲۴: بادشاہ نے سکھ قیدی کی

گفتگو سن کر کہا کہ یہ شخص جاسوس معلوم ہوتا ہے اور اسلئے بھیجا گیا ہے تاکہ فوج میں بد دلی پیدا کر دے ---- بادشاہ نے اسکی حرکات دیکھ کر فرمایا کہ یہ آدمی بدمعاش معلوم ہوتا ہے ---- افسروں کا وفد حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کیا کہ سپاہی بھوکے مر رہے ہیں- بادشاہ نے جواب دیا کہ اس کا جلد سے جلد تدارک کیا جائیگا ---- جنرل نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ میں کل صبح انگریزوں پر حملہ آور ہوں گا-

○ ۲۱/اگست، ''غدر کی صبح شام'' ص:۲۲۵: جنرل بخت خان نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ حضور کے ملاحظہ کیلئے سات ہاتھی اور ۲۰۰ گھوڑے لایا ہوں- اس پر بادشاہ معاً محل کے دروازہ کی محراب میں گئے اور معائنہ کے بعد ۷ گھوڑوں کو منتخب کیا اور باقیوں کے متعلق حکم دیا کہ انہیں لے جائیں- بادشاہ کے حکم کے مطابق دو باتریاں تیار کی گئیں-

○ ۲۱/اگست، ''غداروں کے خطوط'' ص:۱۸۶، ۱۸۷: بادشاہ سلامت، میجر غلام غوث کی بڑی قدر کرتے ہیں ---- جمعہ کے دن بادشاہ سلامت نے ان گھوڑوں اور ہاتھیوں کا معائنہ کیا جو بخت آور خان بلب گڑھ سے لایا ہے ---- بخت خان نے ان کی دیکھ بھال کیلئے رقم مانگی تھی- بادشاہ سلامت بہت ناراض ہوئے اور بخت خان سے کہا کہ جب تم اپنی فوج یہاں لیکر آئے تھے تو تم نے کہا تھا کہ تم تمام اخراجات کیلئے رقم نہ مانگو گے- اب اپنے آپ کو جھوٹا کیوں کرتے ہو؟ وہ یہ سن کر خاموش ہو گیا-

○ ۲۲/اگست، ''غدر کی صبح شام'' ص:۲۲۵: صبح چند اشخاص کو باریاب کرنے کے بعد بادشاہ سلیم گڑھ تشریف لے گئے اور حکم دیا کہ باتری سے چند گولے پھینکے جائیں- انہوں نے توپچیوں سے فرمایا کہ ''بہت افسوس کی بات ہے کہ بجائے اس کے کہ تم انگریزی توپوں کو خاموش کر دیتے میں دیکھتا ہوں کہ وہ ہر روز قریب ہوتے جاتے ہیں- توپچیوں نے جواب دیا کہ ''جہاں پناہ! ڈرنے کی کچھ بات نہیں اس لئے کہ ہمارا پاسہ زبر پڑ رہا ہے'' ---- احمد علی خان رسالدار نے بادشاہ سے پوچھا کہ نواب جھجر نے جو وعدہ کیا ہے اسکے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہے جواباً اسے حکم دیا گیا کہ جا کر روپیہ وصول کر لاؤ اور اگر روپے کی

ادائیگی عمل میں نہ آئی تو اس صورت میں نواب کے قلعہ پر حملہ کرنے کیلئے افواج روانہ کی جائیں گی---- سپاہیوں کے متعلق شکایت سن کر بادشاہ نے کہا ''اگر سپاہی شہر سے باہر جا کر محض محاصل زمین وصول کرنے میں لگ جائیں تو میں ان کو تنخواہ دینے کے قابل ہو سکوں گا اور ساتھ ہی شہریوں کے جان و مال کی حفاظت بھی کر سکوں گا--- بادشاہ سلیم گڑھ کا معائنہ کرنے کی غرض سے تشریف لے گئے۔

O ۲۳ر اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۹۱: بادشاہ خود بھی بخت خان سے نفرت کرنے لگا ہے۔

O ۲۳ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۲۶ تا ۲۲۸: بادشاہ نے سلیم گڑھ کا قلعہ ملاحظہ فرمایا اور باتریوں کو بلند کرنے کا حکم دیا تا کہ گولے انگریزی لشکر تک پہنچ سکیں اور کچھ دیر تک گولہ باری کا معائنہ کرنے کے بعد محل میں واپس تشریف لے آئے---- بادشاہ اس بات سے ناخوش ہوئے کہ جنرل محمد بخت خان علی پور پر کیوں حملہ آور نہیں ہوئے---- بادشاہ کو سمجھایا گیا کہ اس قسم کا حکم نافذ کر دیں کہ جنرل بخت خان کو محل میں آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ نیمچ کی فوج کے افسروں نے یہ تجویز پیش کی کہ بریلی کی فوج سے ہتھیار وغیرہ لے لئے جائیں اور کہا کہ ہم یہ کام کرنے کیلئے تیار ہیں۔ بادشاہ نے اس تجویز کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ سہ پہر کو تمام افسروں کے نام اس مضمون کا حکم نافذ کر دیا کہ آئندہ سے شاہزادہ مغل یا کسی اور جنرل کا حکم تسلیم نہ کیا جائے اس لئے کہ بادشاہ نے بارہ اشخاص کی ایک کمیٹی محاصرہ کے دوران میں کارروائی کرنے کی غرض سے مرتب کر دی ہے۔ ان اشخاص میں سے چھ کو بادشاہ سلامت مقرر کریں گے اور باقی چھ فوج کی جانب سے مقرر کئے جائیں گے۔ فوج کو حکم تھا کہ کمیٹی جو حکم نافذ کرے اسکی پابندی کی جائے---- چند سپاہیوں نے بازار میں افیون کی قلت کی شکایت کی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ سپاہیوں کے استعمال کیلئے فی الفور افیون بھیجی جائے۔

O ۲۴ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۲۸، ۲۲۹: آج صبح بادشاہ سلیم گڑھ

میں وہ مقام دیکھنے کیلئے گئے جسکی نسبت اطلاع ملی تھی کہ چند نامعلوم اشخاص اسے خزانہ کی طمع میں کھود رہے ہیں-زیادہ کھودنے پر معلوم ہوا کہ چند توپیں وہاں دبادی گئی تھیں- بادشاہ نے انکو نکالنے کا حکم دیا---جنرل بخت خان نے اطلاع دی کہ میں اب انگریزوں پر حملہ کرنے والا ہوں اور بادشاہ سے اجازت چاہتا ہوں- بادشاہ نے جواب دیا" جاؤ خدا تمہاری مدد کرے! انگریزوں پر حملہ کر کے اپنی وفاداری کا ثبوت دو، ان کو تباہ کر دو اور فاتح بن کر لوٹو-"

○ ۲۵/اگست، "غدر کی صبح شام" ص:۲۲۹: بادشاہ سفر مینا کے چند سپاہیوں کی معیت میں کشتی میں بیٹھ کر دریا کی سیر کو نکلے اور قلعہ سے انگریزی لشکر پر جو گولہ باری کی جا رہی تھی-اسکا معائنہ کیا----افسروں کے وفود نے تنخواہ کیلئے مطالبات پیش کئے-بادشاہ حرم میں داخل ہوئے اور کچھ زیورات اور جواہرات لائے اور یہ کہہ کر انہیں افسروں کے حوالے کیا کہ" اسے لے لو اور اپنی بھوک کو بھول جاؤ-" لیکن افسروں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ" ہم شاہی جواہرات کو ہاتھ نہیں لگائیں گے لیکن ہمیں یہ دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ آپ ہمیں قائم و برقرار رکھنے کیلئے اپنی جان و مال دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے-"

○ ۲۶/اگست، "غدر کی صبح شام" ص:۲۳۱: بادشاہ نے علی پور میں انگریزوں کے مقابلے میں نیمچ فوج کی شکست کی خبر سنی تو دارالشوری میں حسب ذیل اشخاص کو طلب کیا، مرزا مغل، مرزا خواص، مرزا خضر سلطان، مرزا ابوبکر، مرزا عبداللہ اور مرزا ابونصر-مشورے کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ کپتان ولی داد خان کی سرکردگی میں فوجیں بھیجی جائیں تا کہ وہ انگریزی افواج کی عدم موجودگی میں انگریزی لشکر کو لوٹ لیں-

○ ۲۷/اگست، "غدر کی صبح شام" ص:۲۳۲: بادشاہ نے جنرل بخت خان کے پاس پیغام بھیجا کہ تم میدانِ جنگ سے منہ موڑ کر چلے آئے ہو اور اس لئے تم نے حق نمک ادا نہیں کیا-

○ ۲۸/اگست، "غدر کی صبح شام" ص:۲۳۳،۲۳۴: ایک شخص نے بادشاہ سے

بیان کیا کہ میں گولی کے زخموں کو اچھا کر سکتا ہوں- بادشاہ نے حکم دیا کہ دوا کی آزمائش مہتاب باغ میں بکریوں پر کی جائے--- چار زمینداروں نے بادشاہ سے بیان کیا کہ نیچ کی فوج نے انگریزوں کو شکست دیدی ہے اور اب بھی وہ حملہ کرنے کو تیار ہے لیکن اسے کمک کی ضرورت ہے بادشاہ نے یقین نہیں کیا اور تحقیق کا حکم دیدیا-

○ ۲۸/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۲۰۱: بادشاہ جنرل بخت خان سے سخت ناراض ہے اور اسے نیمچہ فوج کی بروقت امداد نہ کرنے پر اسکی تباہی کا ذمہ دار قرار دیتا ہے- وہ اسکی شکل نہیں دیکھنا چاہتا، اور اسکو برا بھلا بھی کہتا رہتا ہے-

○ ۲۹/اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۳۴، ۲۳۵: بادشاہ نے مرزا مغل کے نام حکم بھیجا کہ راجی داس سے مزید روپیہ نہ طلب کیا جائے اس لئے کہ وہ اپنا حصہ ادا کر چکے ہیں--- جنرل محمد بخت خان کے پاس سے چٹھی موصول ہوئی جس میں لکھا تھا کہ لوگ بادشاہ کو لڑائی کے بارے میں جو مشورے دے رہے ہیں وہ بالکل بیکار ہیں اور اسی وجہ سے بادشاہ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں- خط کے آخر میں درج تھا کہ آئندہ سے میں صرف بریلی کے دستہ کی کمان سے سروکار رکھوں گا- بادشاہ نے جواب میں لکھا کہ ''تمہارے طرز عمل پر کسی نے اظہار ناراضگی نہیں کیا، اور میں تو تمام فوج کی کمان تمہارے ہی ہاتھ میں رکھنے سے خوش ہوں-''

○ ۳۰/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۲۰۷: نیمچہ فوج (جو علی پور کے محاذ پر بڑا جانی و مالی نقصان اٹھا چکی تھی) کے بریگیڈیر ہیرا سنگھ نے بادشاہ سے ملاقات کی تو بادشاہ نے اسکی بڑی حوصلہ افزائی کی اور اسکو اپنے بریگیڈ کو نئے سرے سے منظم کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ وہ تمام توپیں جو ان سے ضائع ہو گئی ہیں وہ تو انہیں نہیں دلوا سکتا لیکن اس مقصد کیلئے جو کچھ اسکے اختیار میں ہوا کرے گا- بادشاہ نے اسے بھاری توپیں دینے کا بھی وعدہ کیا ہے اور اسے سامان کی خریداری کیلئے دو ہزار روپے بھی دیے ہیں- آج شام نیمچہ فوج کی پریڈ ہوئی-

○ ۳۱ر اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۲۱۴: بادشاہ اپنے حواس کھو بیٹھا ہے اور جو کچھ اسے کہا جاتا ہے اس پر رضامند ہو جاتا ہے۔

○ ۳۱ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۳۷: بادشاہ نے ان آثار مقدس (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ اور نعلین مبارکہ) کا بہت ادب کے ساتھ استقبال کیا اور ایک اشرفی اور پانچ روپے کی نذر دی---ایک جاسوس نے خبر دی کہ انگریز باؤٹہ پر نئے مورچے قائم کر رہے ہیں جنگی مدد سے وہ تمام شہر کو تباہ و برباد کر سکتے ہیں۔ یہ سنتے ہی بادشاہ نے جنگی کونسل کا جلسہ منعقد کیا اور غور کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے---گندھک کے حصول کے معاملے پر بادشاہ نے جواب دیا کہ ''نہیں یہ معاملہ جنگی کمیٹی کے حوالے کر دینا چاہیے وہی ذمہ دار ہے۔''

○ ار ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۳۸، ۲۳۹: پانچ سو افسر اور امرا شریک دربار ہوئے۔ حکیم احسن اللہ اور مرزا امین الدین وغیرہ نے شکایات کیں کہ شہزادوں نے شہر کے باشندوں سے کئی لاکھ روپیہ حاصل کر لیا ہے۔ بادشاہ نے شاہزادوں کو بلا کر صورتِ حال سے مطلع کر دیا انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے صرف ۴۰ ہزار روپیہ وصول کیا ہے اور یہ بالکل غلط ہے----افسروں نے بار بار بادشاہ سے تنخواہ کی ادائیگی کا انتظام کرنے کیلئے زور دیا اور دھمکی دی کہ اگر کچھ انتظام نہیں ہوا تو ہم شہر کو لوٹ لیں گے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ ''لوٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے گھوڑوں، ہاتھیوں، چاندی اور سونے کے شاہی زیورات کو فروخت کر دونگا اور فوج کو تنخواہ ادا کرونگا۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو تم سب کے سب شہر چھوڑ کر چلے جاؤ اس لئے کہ میں نے تم کو بلایا نہیں تھا، تم اپنی خوشی سے آئے تھے۔'' بادشاہ اٹھ کر اپنے دربار خاص میں تشریف لے گئے---بادشاہ کی نسبت اطلاع ملی کہ وہ بہت مایوس ہیں---بادشاہ شاہزادگان سے بہت ناراض ہوئے۔ بیگم کو اندیشہ تھا کہ کہیں سپاہی محل کو نہ لوٹ لیں۔ انہوں نے بادشاہ کے پاس تین ہزار روپے کے جواہرات بھیجے اور ان سے کہا کہ انہیں سپاہیوں کو دیدیا جائے مگر بادشاہ نے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک میں

زندہ ہوں مجھ ہی پر سارے مصائب پڑنے چاہئیں۔

○ ۱ر ستمبر، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۲۱۷: بادشاہ نے کل فرمان جاری کیا تھا کہ دہلی کے شہریوں کو چاہیے کہ وہ شہزادوں کو کوئی رقم نہ دیں۔ جنگ کیلئے چندہ جنگی کونسل کے نامزد افراد کو ہی دیا جائے۔

○ ۲ر ستمبر، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۲۱۹ تا ۲۲۳: تقریباً پانچ سو افسروں نے تنخواہ کا مطالبہ کیا---- یہ سن کر بادشاہ اپنے تخت سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے تخت کی گدی ان افسروں کے سامنے پھینک کر حکم دیا کہ شاہی محل کے تمام نوادرات اور شاہی خاندان کی بیگمات کے زیور انکے حوالے کئے جائیں[1]۔ اسکے بعد وہ کعبہ کی طرف رخ کر کے رونے لگا اور کہا کہ اسے اپنے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔ اسے بھی اگر انگریزوں کے ساتھ قتل کر دیا جاتا تو اس کی اتنی بے عزتی نہ ہوتی۔ بادشاہ کو اس طرح زور شور سے روتا دیکھ کر بیگمات اور وہاں پر موجود درباریوں کے بھی آنسو نکل آئے---- بادشاہ سلامت نے فوراً باہر آ کر جواب دیا کہ اس نے انہیں نہ تو وہاں آنے کی دعوت دی تھی اور نہ ہی وہ ان کے یہاں آنے سے خوش ہیں۔

○ ۴ر ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴: محمد بخت خان بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیر تک ان سے نجی میں بات چیت کرتے رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نصیر آباد کی فوج نے رات کو بادشاہ کو تنخواہ کے متعلق سخت رنج پہنچایا۔ جس پر بادشاہ نے اپنے تمام چاندی کے ظروف ان کے حوالے کر دیئے اور کہا کہ ''انہیں بیچ کر جو کچھ قیمت آئے اسے آپس میں تقسیم کر لو'' اس پر بھی افسر غیر مطمئن تھے۔

جے پور، جودھپور، بیکانیر اور الور کے راجگان کے نام بادشاہ کی دستخطی چٹھیاں بھیجی گئیں، جس میں لکھا تھا کہ مجھے فوج کی ضرورت ہے اور یہ کہ میں انگریزوں کو تباہ و برباد کر دینا چاہتا ہوں۔ لیکن چونکہ اس وقت میرے پاس اور سلطنت کا انتظام کرنے کیلئے قابل

---

[1] Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan, P:30 پر بھی اس واقعہ کا ذکر ہے۔

اعتماد آدمی موجود نہیں ہیں اسلئے میں ریاستوں کی ایک مجلس بنا دینا چاہتا ہوں، اور اگر وہ ریاستیں جن کے نام خط بھیجے جا رہے ہیں، اس غرض کیلئے مجلس بنالیں گے تو میں نہایت خوشی سے اپنے شاہی اختیارات انکے ہاتھ میں دیدونگا۔

○ ۵ رستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۴۵: بادشاہ نے آج جنگی کونسل منعقد کی، جس میں صورتِ حالات پر غور کیا گیا ---- بادشاہ نے جنرل بخت خان سے دریافت کیا کہ ''انگریزی گولہ باری کا مقابلہ کرنے کی غرض سے تم کونسی تدابیر اختیار کر رہے ہو؟ اگر تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو بہتر ہے کہ تم فی الفور شہر کے دروازے کھول دو۔'' ---- بادشاہ نے پوچھا کہ بارود کتنی ہے۔

○ ۶ رستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۴۶: بادشاہ دربار میں تشریف فرما ہوئے اور یہ سن کر کہ جو فوجی دستہ غازی آباد جانیوالا تھا اسے مرزا مغل نے جانے نہیں دیا۔ بادشاہ بہت رنجیدہ ہوئے --- جنرل محمد بخت خان نے شکایت پیش کی کہ بریلی کی فوج کو جواب تک لڑائی میں پیش پیش رہی ہے، کچھ بھی نہیں ملا اور اسکی وجہ سے میرے سپاہی دل برداشتہ ہو گئے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ ''میں ایک لاکھ روپیہ تقسیم کرا چکا ہوں۔ خزانہ خالی پڑا ہے۔ خود تمہارے ہاتھوں سے کتنے لاکھ روپے تقسیم ہو چکے ہیں؟ تم نے اپنے آدمیوں میں کچھ روپے کیوں تقسیم نہ کر دیئے؟ ---- آج دربار میں بہت سے افسروں کا اجتماع تھا۔ انہوں نے شکایت کی کہ ہمارا کوئی بڑا افسر نہیں جو کمان کرے یا حکم نافذ کرے۔ اب کیا کرنا چاہیے؟ اس کی وجہ سے سخت ابتری پھیل گئی ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ ''تمہیں اختیار دیا جاتا ہے جو کام تم کر سکتے ہو کرو۔''

○ ۶ رستمبر، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۲۲۹: گوالیار کے سوار اور بریلی کے کچھ افسر آج دربار میں حاضر ہوئے اور گستاخانہ انداز میں اپنی تنخواہ کا مطالبہ کرنے لگے، بادشاہ نے جواب دیا جس دن سے تم لوگ یہاں آئے ہو میں سر پر کفن باندھے بیٹھا ہوں اور ہر لمحہ موت کا انتظار کر رہا ہوں، بہتر ہو گا کہ تم ہی مجھے مار ڈالو۔

○ ۶ رستمبر، Kedarnath's Diary,P:56: مقامی ساہو کاروں کو بادشاہ کی طرف سے دوبارہ حکم ہوا ہے کہ وہ فوج کو رقم ادا کریں۔

○ ۷ رستمبر، ''غدر کی صبح شام'' ص:۲۴۷، ۲۴۸: جنرل بخت خان اپنے دس افسروں کے وفد کے ساتھ حاضر ہوئے تا کہ بادشاہ کو اس امر کی اطلاع کر دی جائے کہ جس دن سے میری فوج دہلی میں داخل ہوئی ہے اسے تنخواہ کا ایک پیسہ بھی نہیں ملا، یہ کہ آدمی اب بہت دل برداشتہ ہو گئے ہیں اور اپنے اپنے گھروں کو واپس جانا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ اگر وہ جانا چاہتے ہیں تو جا سکتے ہیں۔۔۔۔احکام نافذ کرنے کے بعد بادشاہ نے مرزا مغل کو ہدایت کی کہ روپیہ جمع کرنے میں نہایت دانشمندی کام میں لائیں اور یہ کہ منادی کے ذریعے شہر والوں کو شاہی احکام کی اطلاع دیدیں۔ بادشاہ کی اس کارروائی کی وجہ سے فوجی کونسل نے دوسرے دن انگریزوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ جو کوئی شخص خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، حملہ میں امداد کریگا، وہ لوٹ مار میں بھی حصہ دار ہوگا اور جو کوئی شخص گورکھوں، سکھوں اور انگریزوں کو گرفتار کریگا اسے انعام سے سرفراز کیا جائیگا یہ احکام پریڈ کے وقت فوج کو سنائے گئے۔

○ ۷ رستمبر، ''غداروں کے خطوط'' ص:۲۳۱، ۲۳۵: (مذکورہ بالا احکام کی منادی کا ذکر ہے اور اسکے بعد درج ذیل تفصیل ہے) ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اس مقصد کیلئے جان و مال کی بازی لگا دے۔ اس شہر کے لوگوں کی زندگی اور مستقبل کا انحصار اسی جنگ پر ہے۔ ہر وہ شخص جو جان بوجھ کر اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں غفلت کرے گا اسے ملک کا دشمن تصور کیا جائیگا۔ اسکے بعد پریڈ ہوئی اور شاہی فرمان کی ایک ایک نقل ہر شخص کو دے دی گئی۔ یہاں پر ہر معاملے کو راز رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے کوتوالی کا ایک منشی قرآن کریم کو ہاتھ میں لئے ہوئے شہر کا گشت کر رہا ہے اور ہر سپاہی کو اسکی ذمہ داریاں سمجھا رہا ہے۔۔۔ کسی شخص کو بھی انگریزی کیمپ پر حملہ کرنے کے وقت کی اطلاع نہیں دی جاتی تا کہ انگریزوں کو اسکی اطلاع نہ ہو جائے اور وہ اس حملہ کیلئے تیار نہ ہو جائیں۔

○ ۸ر ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۴۸، ۲۴۹: بادشاہ نے فوجی عدالت طلب کی اور اسے حکم دیا کہ جن اشخاص کو اس نے قید کیا ہے انہیں رہا کر دیا جائے جب انہوں نے اس امر کا اقرار کر لیا کہ شہر کے باشندوں سے خود عائد کردہ ٹیکس جمع کر دیں گے تو انہیں رہائی دیدی گئی۔ بادشاہ کے حکم کے مطابق پولیس نے ہر دکاندار اور کرایہ دار سے تین مہینے کا کرایہ وصول کرنا شروع کر دیا تا کہ اس ترکیب سے فوج کی تنخواہ کیلئے روپیہ جمع کر لیا جائے۔

○ ۹ر ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۴۹: بادشاہ نے امداد علی خان کی شجاعت کی تعریف کی ---- بادشاہ نے ان شہزادوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا جنہوں نے سپاہیوں کی تنخواہ کے نام سے روپیہ جمع کر کے خورد برد کر لیا ---- کمسریٹ (Commissariat یعنی شعبۂ رسد) کے محرر منشی جوالا پرشاد کو حکم دیا گیا کہ وہ جدید سکہ کیلئے مہر تیار کریں جس پر حسب ذیل الفاظ کندہ ہوں ''سکہ بہادر شاہ، شاہ ہندوستان بفضل ایزدی زیور جہاں''۔ سفر مینا کے صوبہ دار قادر بخش بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ گورنر جنرل چند ہزار فوج لیکر کلکتہ سے دہلی آ رہے ہیں ---- ولی داد خان والی بلب گڑھ نے فوری چٹھی بھیجی جس میں کمک طلب کی گئی تھی۔ بادشاہ نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ ''لڑائی یہاں نہایت شدومد کے ساتھ شروع ہو گئی ہے اور یہ وقت نہیں ہے کہ کہیں اور فوج بھیجی جائے۔'' ---- بادشاہ نے فوج کے پاس ساٹھ من مٹھائی اور چوبیس روپے بھیجے۔ آج دن میں افسروں نے پھر تنخواہ کا تقاضا کیا۔ سفر مینا کے صوبہ دار قادر بخش نے رپورٹ پیش کی کہ انگریز کل صبح شہر پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

○ ۱۱ر ستمبر، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۲۴۲: بادشاہ نے گڑھ مشرو میں ایک نئی ٹیکسال قائم کی ہے۔

○ ستمبر، Memoirs of Hakim Ahsanullah Kahn, P:28,29:
شہزادہ مرزا مغل نے بادشاہ سے عرض کیا کہ اگر بادشاہ خود سوار ہو کر پہاڑی پر حملہ کیلئے نکلیں گے تو تمام شہر انکے ساتھ ہو گا، اور انہیں مکمل فتح ہو گی۔ بادشاہ نے جواب دیا۔

''مجھ میں ایسا کرنے کی ہمت نہیں، رہے اہل شہر، نہ تو انکے پاس اسلحہ ہے اور نہ وہ اسکا استعمال جانتے ہیں- یہی حالت شاہی فوجوں کی ہے جنکے پاس زنگ آلود پرانی تلواریں ہیں اور کئی برس سے انہوں نے کوئی ہتھیار نہیں تھاما- انکو ساتھ لے جا کر تم کیا کرو گے-''
بخت خان نے کہا: بالکل ٹھیک! لیکن حضور کے اقبال سے فائدہ ہوگا---- اگلے دن مولوی سرفراز علی اور مولوی عبدالغفور اور بہت سے مولویوں نے یہی کچھ کہا---فوجی افسر بھی اوپر آ گئے---لوگ بادشاہ کے بارے میں کہہ رہے تھے آگے بڑھو اور میگزین کی اگلی طرف بندوقیں رکھو- یہ گروہ حرکت کرنے والا تھا کہ میں نے (حکیم احسن اللہ خان) احتجاج کیا اور کہا دعا کریں کہ آگے نہ بڑھیں واپس قلعہ آئیں اسلئے کہ گولے یہاں تک اڑ رہے ہیں--- میں نے کہا: یہ لوگ خواہ مخواہ حضور کو بے عزت کر رہے ہیں- آپکو ہرگز سوار ہو کر آگے نہیں جانا چاہیے-- بادشاہ نے جواب دیا: ان مولویوں نے مجھے بے یارومددگار کر دیا ہے -میں نے کہا: اللہ بچائے یہ سپاہی حضور کو باہر میدان میں آگے لے جائیں گے اور پھر بھاگ جائیں گے اور آپ گرفتار ہو جائیں گے- ہرگز نہیں- آپ خود انکی بات پر زیادہ اچھا غور کر سکتے ہیں-

○ ۱۲ ستمبر ''غداروں کے خطوط'' ص: ۲۴۳، تا ۲۴۵: بادشاہ نے اپنے ہودے اور سونے چاندی کے برتن وغیرہ سکے ڈھالنے کیلئے ٹیکسال کے سپرد کر دیئے ہیں---- بادشاہ نے نواب احمد بخش کے لڑکوں امین الدین اور ضیاء الدین کو شہر چھوڑ کر جانے سے منع کر دیا ہے---- بادشاہ نے شہر کے لوگوں کو فوج کے ساتھ محاذ پر جا کر لڑنے کیلئے کہا ہے-

○ ۱۲ ستمبر ''غدر کی صبح شام'' ص: ۲۵۱، ۲۵۲: مرزا امین الدین بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اطلاع دی کہ میں نے لوہارون سے لگان وصول کرنے کی غرض سے دو سو سپاہی بھرتی کئے ہیں---[1]--- انہوں نے کہا کہ شہر کے دروازوں کے گارڈ کے نام احکام

---

[1] مرزا امین الدین کا جھکاؤ شروع سے انگریزوں کی طرف تھا اور وہ مجاہدین کی کوئی مالی مدد کرنے کے سخت خلاف تھے- اب بدلے ہوئے حالات میں اپنے سپاہیوں کی حفاظت میں لگان وصول کرنے کے بہانے سے غالباً یہ فرار کی کوشش تھی-

نافذ کر دیئے جائیں تاکہ ہمیں جانے کی اجازت مل جائے- بادشاہ نے احکام نافذ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ سپاہی میرا کہنا نہیں مانتے ---- بادشاہ رات بھر نہایت پریشان رہے- انکے ذاتی ملازم بھی تمام رات ان کے ساتھ رہے- منادی کر دی گئی ہے کہ بادشاہ بہ نفس نفیس آج رات کو انگریزوں پر حملے کی کمان کریں گے اور انہیں تباہ کر دینگے اور تمام شہر کو دعوت دی گئی کہ وہ بھی انگریزی لشکر پر حملے میں شریک ہوں اور انگریزوں سے لڑیں- اعلان میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اس کام کے لئے حلف اٹھالیں اس اعلان کی وجہ سے ۱۰ ہزار سے زیادہ مسلمان کشمیری دروازہ کے قریب جمع ہو گئے اور بادشاہ کی آمد کا آدھی رات تک انتظار کرتے رہے- اسکے بعد مجمع بتدریج ٹوٹتا گیا اور بالآخر منتشر ہو گیا-

○ ۱۳ ستمبر، ''غدر کی صبح شام'' ص: ۲۵۲، ۲۵۳: بادشاہ نماز جمعہ کیلئے تشریف لے گئے- نماز کے بعد نذیر حسن مرزا نے مرزا عباس بیگ (ایجنٹ دربار لکھنو) کا تعارف کرایا- انہوں نے دو اشرفیاں نذر میں پیش کیں- بادشاہ نے انہیں سفیر الدولہ کا خطاب عطا کیا ---- شہر میں منادی کرادی گئی کہ کل ہر باشندہ انگریزوں پر حملہ آور ہو گا-

○ ۱۴ ستمبر، ''غدر کی صبح شام'' ص: ۲۵۴: بادشاہ دربار[1] خاص ہی میں رہے- افواہ تھی کہ انگریز شہر پر حملہ کرنے والے ہیں- مرزا مغل نے محل کی تمام فوجوں کو حکم دیدیا کہ مدافعت میں شریک ہوں ---- جامع مسجد میں کئی ہزار مسلمان جمع تھے انہوں نے انگریزوں پر حملہ کیا اور ان میں سے کئی سپاہیوں کو قتل کر ڈالا یہاں تک کہ گورے بھاگ گئے-[2] دوپہر کے قریب مسلمانوں نے انگریزوں کا مقابلہ کرنا بند کر دیا- بالآخر انہوں نے باغی سپاہیوں کی طرح ہندوؤں کے مکانوں میں پناہ لینی شروع کی- جنہیں وہ اس سے

---

[1] مذکر کردہ تواریخ کے علاوہ بھی بادشاہ کے دربار لگانے، ملاقاتیں کرنے اور چھوٹے موٹے معروضات نبٹانے کا ذکر مصادر میں ملتا ہے-

[2] ''غدر کی صبح وشام'' ص: ۸۶ پر ہے ''شہر میں پانچ دن تک جنگ وجدل رہا-- یعنی ۱۸ ستمبر تک اور ۱۹ ستمبر کو انگریزوں کا دلی پر قبضہ ہو گیا-

قبل ساتھ نہ دینے کی وجہ سے جھڑکتے رہتے تھے---بادشاہ نے بیچ بچاؤ کی کوشش کی اور اطمینان دلانے کی غرض سے کہا کہ کل میں شہر کے تمام ہندوؤں اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر متحدہ طاقت سے انگریزوں پر حملہ کرونگا۔

O ۱۷ستمبر، Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P:30: شام کو جنرل بخت خان اور سپر زمائنرز کے صوبہ دار قادر بخش آئے اور کہا بادشاہ کو چوری چھپے قطب صاحب چلے جانا چاہیے اور اپنی خواتین کو بھی بھیج دینا چاہئے اسلئے کہ یہاں رہنے کی صورت میں انکی زندگیوں کو خطرہ ہے۔انہوں نے بادشاہ کو بتا کید کہا کہ وہ کشتی کے ذریعے مقبرۂ ہمایوں اور پھر پالکی کے ذریعے قطب چلے جائیں اور یہ کہ وہ بھی پیچھے آئیں گے اسلئے کہ انکے (جنرل بخت خان اور صوبہ دار قادر بخش کے) پاس بھی ایسا کوئی اور موقع نہ ہوگا۔

پہلے تو حضور والا نے عذر کیا مگر بعد میں مان گئے۔میر فتح علی کو ایک کشتی اور دو پالکیاں اور خدمتگار تیار رکھنے کا حکم دیا گیا۔میں نے سنا کہ وہ آدھی رات کو محراب کے نیچے والے دروازے سے نکل کر کشتی میں سوار ہو گئے۔ملکہ اور شاہی خاندان نے جب بادشاہ کے چلے جانے کا سنا تو وہ بھی بغیر کسی سازو سامان کے نکل گئے -جب سواروں کا یہ گروہ مقبرۂ ہمایوں پہنچا تو انہوں نے کہا کہ قطب صاحب پہنچنا مشکل ہوگا اسلئے کہ سب جی ہار چکے ہیں اور کبھی وہاں نہ پہنچ سکیں گے چنانچہ انہوں نے وہاں پڑاؤ ڈال دیا اور گھریلو فرنیچر وغیرہ لگا کر دروازے بند کر دیئے گئے---محل کے تمام باسی اپنی جائیدادیں پیچھے چھوڑ کر جا چکے تھے۔

O ۱۸ستمبر، Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P:30,31: میں (حکیم احسن اللہ) اس رات اپنے گھر میں تھا اور بازار اور مین گیٹ پر سپاہیوں کے ہجوم کے باعث قلعہ میں نہ جا سکا تھا۔(جب مجھے اس بارے میں پتہ چلا) میں ہکا بکا رہ گیا اور بادشاہ کو ایک عرضی لکھ کر مجھے بتائے بغیر چلے جانے کی وجہ

پوچھی۔۔۔۔بادشاہ نے مجھے طلب کیا۔۔۔۔میں نے سواری کی درخواست کی اور اگلے روز (۱۹ ستمبر بروز ہفتہ) سہ پہر کو دو ہاتھی آئے ان میں سے ایک پر میں نے اپنا سامان رکھا اور دوسرے پر میں اور میرا بھائی حکیم غلام نجف خان بیٹھے۔۔۔۔اور شام کو بادشاہ کے پاس پہنچے۔

O ۱۹ ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص:۸۶، ۸۷، رپورٹ از معین الدین:

شہزادے علی الصبح چار بجے بھاگ کر ہمایوں کے مقبرے میں پناہ گزین ہو گئے اور انکی یہ فراری بجائے خود بری فال تھی۔اسکے بعد باغیوں اور شہر کے باشندوں میں بھاگڑ مچ گئی۔۔۔۔جنرل بخت خان تھوڑی سی فوج لیکر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بہ منت درخواست کی کہ حضور میرے ساتھ لکھنو بھاگ چلیں۔انہوں نے منتشر افواج کو جمع کرنے اور شہر کے باہر انگریزی افواج کا مقابلہ کرنے کی غرض سے اپنی خدمات پیش کیں۔مگر بوڑھے بادشاہ نے ان کی امداد قبول کرنے سے انکار کر دیا۔اس کے بعد بخت خان باقی ماندہ فوجیں لے کر لکھنو روانہ ہو گئے۔۔۔۔

بادشاہ بھاگ کر مقبرۂ ہمایوں میں چلے گئے۔تمام شہر پھر انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا۔جب انگریزوں کو معلوم ہوا کہ بادشاہ بھاگ کر چلے گئے ہیں تو انہوں نے مرزا الٰہی بخش اور حکیم احسن اللہ خان کو حکم دیا کہ بادشاہ شہر کے باہر نہ جانے پائیں اور انہیں ہدایت کی کہ بادشاہ کو لے کر انگریزی کیمپ میں آ جائیں انکے ساتھ سو سواروں کا دستہ بھیجا گیا جس کے ساتھ افسروں کی مناسب تعداد بھی موجود تھی اور اس شان کے ساتھ وہ پرانے قلعہ کی جانب روانہ ہوئے۔

مرزا الٰہی بخش اور حکیم احسن اللہ خان بادشاہ کی خدمت میں گئے جو بہت خوفزدہ ہو رہے تھے لیکن انہوں نے جہاں پناہ کو یقین دلایا کہ حضور کیلئے پلاؤ کی رکابی ہر وقت موجود ہے بادشاہ کے ساتھ چار شہزادے تھے: مرزا مغل، مرزا ابوبکر، مرزا خضر سلطان، مرزا امدو۔ قلعہ سے رخصت ہونے کے بعد انگریزی محافظ دستہ نے ان کو گھیر لیا۔بادشاہ کو پالکی میں

بٹھایا گیا اور شہزادے بیل گاڑی میں بیٹھے اور وہاں سے انہیں قلعہ لے گئے۔ جب شہزادگان دیوان عام کے سامنے پہنچے جہاں انگریزی عورتوں اور بچوں کو قتل کیا گیا تھا تو انہیں نشانہ بندوق بنادیا گیا۔

O "غدر کی صبح شام"، ص:۹۰، رپورٹ از معین الدین: بادشاہ اور انکی بیگمات کو جواں بخت اور انکی بیگم کی معیت میں رنگون جلاوطن کیا گیا اور یورپین گارڈ کی حفاظت میں انہیں منزل مقصود پر بھیج دیا گیا ان کے گزارہ کے لئے ایک مناسب رقم انگریزی گورنمنٹ نے منظور کی اور بادشاہ کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے قدیمی جلوداروں میں سے چار آدمیوں کو ملازمین کی حیثیت سے اپنے ساتھ رکھیں۔

5.5.2- ملکہ زینت محل:

بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی چہیتی اہلیہ ملکہ زینت محل نے اپنے بیٹے جواں بخت کو ولی عہد بنانے اور لالچ مال جیسی خواہشات سے زیر ہو کر، اِس جہادِ آزادی میں شروع ہی سے انگریزوں کی طرفداری کی، اور ان سے ساز باز کی بارہا کوشش کی اور کامیاب بھی ہوئی مگر کوئی بڑی خدمت انجام نہ دے سکی، اس لئے اسکی غداری لاحاصل رہی، سقوطِ دہلی پر انگریزوں نے اُسے اور شہزادے جواں بخت کو گرفتار کر کے بادشاہ کے ساتھ جزیرہ رنگون میں جلاوطن کر دیا۔ جنگِ آزادی کے اصل مآخذ و مصادر، جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں ملکہ زینت محل کے کردار کے متعلق درج ذیل شواہد پیش کرتے ہیں:

O مئی ۱۸۵۷ء، Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan, P:3,4: میں (حکیم احسن اللہ) اور ملکہ نے بادشاہ سے کہا کہ شہزادوں کو افواج کی کمانڈ پر مقرر کرنا قرینِ مصلحت نہیں --- اور یہ کہ افسران کو یہ بتایا جائے کہ شہزادے نوجوان ہیں اور جنگی امور و فنون میں ناتجربہ کار ہیں۔

O مئی ۱۸۵۷ء، Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan, P:6: فوج کے اصرار پر جب بادشاہ نے شہزادوں کو کمانڈرز بنایا اور خلعتوں

سے نوازا تو اس رات ملکہ نے بادشاہ سے نااتفاقی کی شکایت کی۔

- ۱۶ رمئی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۱۰، رپورٹ از جیون لال: سپاہیوں نے کہا کہ زینت محل بیگم کو بادشاہ کی وفاداری کی ضمانت کے طور پر لئے جاتے ہیں۔
- ۱۹ رمئی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۱۳، رپورٹ از جیون لال: بادشاہ نے مرزا جواں بخت کو خلعت عنایت فرمایا اور انہیں اپنا وزیر مقرر فرمایا۔
- ۲۶ رمئی، Kedarnath's Diary,P:39: بتایا گیا ہے کہ باغیوں کو سلیم گڑھ میں بندوقیں بھری ہوئی ملی ہیں اور انہوں نے شک کیا ہے کہ حکیم احسن اللہ خان، محبوب علی خان اور ملکہ زینت محل نے انگریزوں سے ملنے کیلئے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔
- ۲۹ رمئی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۲۴، رپورٹ از جیون لال: باغی بہت دیر تک غل مچاتے رہے انکا کہنا یہ تھا کہ بادشاہ کی بیگم زینت محل اور محمد حیدر علی خان نے ملکر یہ کارروائی (محل کے اناج خانہ میں انگریزوں کو بھیجنے کیلئے گولہ بارود کا جمع کرنا) کی ہے، بعد میں انکے غصے کو فرو کر دیا گیا۔
- ۷ ارجون، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۹۷: ایک جاسوس انگریزوں کو رپورٹ بھیجتا ہے کہ انگریزوں کے دہلی پر حملہ کے دوران سید حامد علی خان، ملکہ زینت محل اور اعظم علی خان اپنی اپنی فوجوں کو لیکر باغی فوجوں کی مدد کے بہانے شہر سے باہر نکل آئیں گے، اور موقع ملتے ہی انگریزی فوجوں سے آملیں گے، اور باغی فوج یہ دیکھ کر فرار ہو جائے گی۔
- ۲ رجولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۵۴: رپورٹ از جیون لال: رات کے آٹھ بجے جنرل بخت خان نے بادشاہ سے ملاقات کی اور انکے ساتھ اور زینت محل، حکیم احسن اللہ خان اور احمد قلی خان کے ساتھ بہت دیر تک مشورہ کرتے رہے۔
- ۱۵ رجولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۷۱، رپورٹ از جیون لال: بادشاہ کی سب سے اعلیٰ بیوی (زینت محل بیگم) آج کسی مقصد سے اپنے گھر گئیں۔
- ۲۴ رجولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۸۴، رپورٹ از جیون لال: مرزا اکبر

سلطان نے شہر کے تمام مالدار مہاجنوں کو طلب کیا اور ان سے آٹھ ہزار روپے وصول کیئے۔

اس معاملے میں بیگم زینت محل، احسن اللہ خان اور محمود لال کا بہت زیادہ ہاتھ تھا۔

○ ۴/اگست، "غداروں کے خطوط"، ص:۱۴۳: جاسوس لکھتا ہے : میں زینت محل، مکھند لال (بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا منشی یعنی سکیرٹری اور بادشاہ کے مقدمہ کا گواہِ استغاثہ)، حکیم جی (احسن اللہ خان، بادشاہ کا معتمد وزیر) اور مرزا الٰہی بخش (بادشاہ کا سمدھی اور دربار کا عقلمند ترین اور سب سے زیادہ اثر و رسوخ والا امیر) سے ساز باز کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں، لیکن اس منصوبے پر عمل کرنے کیلیئے آپکے حکم کا انتظار ہے۔

○ ۷/اگست، "غداروں کے خطوط"، ص:۱۴۷: ملکہ زینت محل پر بھی باغی شک کر رہے ہیں۔۔۔ ملکہ زینت محل کے محل پر پہرہ ہے ورنہ وہ بھی لوٹ لیا جاتا۔

○ ۸/اگست، "غدر کی صبح شام"، ص:۲۱۱، رپورٹ از جیون لال: بیگم نے بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ مجھ پر بھی انگریزوں کے ساتھ ساز باز رکھنے کا شبہ کیا جا رہا ہے اور مجھے بھی متنبہ کر دیا گیا ہے کہ سپاہی محل کو لوٹنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔

○ ۱۸/اگست، "غداروں کے خطوط"، ص:۱۷۶: زینت محل انگریزوں کی طرف مائل ہوتی جا رہی ہے لیکن کچھ نہیں کر سکتی۔

○ ۲۳/اگست، "غداروں کے خطوط"، ص:۱۸۹: اگر آپ مرزا الٰہی بخش یا بیگم صاحبہ (ملکہ زینت محل) کو خط لکھ دیں تو یقیناً ہماری مدد کریں گے۔

○ ۲۴، ۲۵/اگست "غداروں کے خطوط"، ص:۱۹۴: اب بھی کوئی تحریر مرزا الٰہی بخش اور زینت محل صاحبہ کے نام آجاوے تو اہل قلعہ سے بھی مدد ملنا بموجب ایما ممکن ہے۔

○ ۲۴، ۲۵/اگست "غداروں کے خطوط"، ص:۱۹۵: ملکہ زینت محل اور مرزا الٰہی بخش نے جو سوالات کیے ہیں اگر آپ انکا جواب بھیج دیں تو یہ دونوں ہماری مدد کیلیئے تیار ہو جائیں گے۔

○ ۲۵/اگست، "غدر کی صبح شام"، ص:۲۲۹، ۲۳۰: بیگم زینت محل لال کوٹھی

چلی گئیں۔

○ ۳۰/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۲۱۰: حکیم احسن اللہ خان، مفتی صدرالدین، مرزا الٰہی بخش اور بیگم زینت محل سب اپنی اپنی اہلیت کے مطابق انگریزی حکومت کی مدد کرنے کیلئے تیار ہیں یہ سب کشتیوں کے پلوں کو تباہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

○ ا/ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۳۹، رپورٹ از جیون لال: تنخواہ کا مطالبہ کرنے والے افسروں کو بالآخر یہ پیغام دیا گیا کہ انکی تنخواہ کی پہلی قسط کل ادا کر دی جائے گی اور باقی ماندہ حصہ بیگم زینت محل اپنی آمدنی میں سے پندرہ دن کے اندر اندر ادا کر دیں گی!ا (اسلئے کہ انہیں بھی دیگر غداروں کی طرح اندازہ تھا کہ تب تک انگریز دہلی پر قابض ہو چکے ہوں گے) ----بیگم کو اندیشہ تھا کہ کہیں سپاہی محل کو نہ لوٹ لیں، انہوں نے بادشاہ کے پاس تین ہزار روپے کے جواہرات بھیجے اور ان سے کہا کہ انہیں سپاہیوں کو دیدیا جائے۔مگر بادشاہ نے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک میں زندہ ہوں مجھ پر ہی سارے مصائب پڑنے چاہئیں۔

○ ۳/ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۴۱، رپورٹ از جیون لال: اطلاع ملی کہ سپاہی تاج محل بیگم کو زینت محل بیگم کی جگہ مقرر کرنا چاہتے ہیں اور موخر الذکر کو وہ اس وقت تک قید میں رکھنا چاہتے ہیں جب تک انکی تنخواہ نہ مل جائے۔

ا یکم ستمبر، Kedarnath's Diary,P:55: ملکہ کے بارے میں یہی رپورٹ ہے۔

5.5.3- مرزا الٰہی بخش

مرزا الٰہی بخش، بہادر شاہ ظفر کے ولی عہد مرزا فخر الدین کا سسر اور دربار کے عقلمند ترین امراء سے تھا- اسکا بادشاہ اور ملکہ پر بڑا اثر و رسوخ تھا- روزنامہ "صادق الاخبار" مورخہ ۲۶/ جولائی ۱۸۵۷ء میں وجوبِ جہاد کا جو فتوی چھپا تھا، اس پہ مرزا الٰہی بخش کے بھی دستخط ہیں- سید عاشور کاظمی لکھتے ہیں: "ملکہ زینت محل کا انگریزوں کی طرف آخری دنوں والا جھکاؤ، بادشاہ کی گرفتاری، شہزادوں کی رسوائی اور موت کا سارا حساب مرزا الٰہی بخش کے نامہ اعمال میں جاتا ہے"[۱] یعنی بادشاہ کے اقارب اور جنگ آزادی کے تمام راہنماؤں میں سب سے بڑا غدار مرزا الٰہی بخش تھا-

اسی لئے ایک انگریز مورخ ایل- پی- گریفن لکھتا ہے: "مرزا الٰہی بخش جن کی خدمات ۱۸۵۷ء میں برطانوی مقاصد کی تکمیل میں بے حد اہم ثابت ہوئیں، محاصرہ دہلی کے دوران دہلی میں رہے اور باغی فوجوں کی نقل و حرکت کے متعلق اہم اطلاعات ہم کو پہنچاتے رہے- وہ دہلی میں موجود ہمارے جاسوسوں کی مدد اور حفاظت کرتے رہے- انہوں نے دریائے جمنا پر کشتی۔ ان کا پل تباہ کر کے باغی فوجوں اور مشرق سے آنے والی کمک اور امداد کو بند کر دیا، اور اسطرح ہماری فوجوں کی کاروائی میں عملاً مددگار ثابت ہوئے-"[۲]

اسی لئے سقوطِ دہلی پر انکی خدمات کے اعتراف میں انگریزوں نے ماہانہ بارہ سو روپے (اس زمانے میں) پنشن مقرر کی-[۳]

جنگِ آزادی کے معاصر مآخذ میں انکے کردار کی تفصیل درج ذیل ہے:

O ۲۴/ جولائی، ۱۸۵۷ء، "غدر کی صبح شام"، ص: ۱۸۳، رپورٹ از جیون لال:

مرزا الٰہی بخش نے بادشاہ سے ملاقات کی اور نج کے (نجی) طور پر انہیں مشورہ دیا کہ انگریزوں سے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کر دیا جائے بادشاہ نے جواب دیا کہ میں

---

[۱] غداروں کے خطوط، دیباچہ، ص: ۷۷

[۲] "Chief & Families of Note in Punjab" مطبوعہ لاہور ۱۹۱۱ء، بحوالہ غداروں کے خطوط، ص: ۱۸

[۳] دیباچہ مقدمہ بہادر شاہ ظفر، مصنف خواجہ حسن نظامی-

بالکل بے بس ہوں اور یہ کام کرنے سے قاصر ہوں، انہیں آگاہ کر دیا گیا کہ اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو نتائج آپ کے خلاف نکلیں گے۔ معاملہ یہیں پر ختم ہو گیا۔

- ۱/اگست، ۱۸۵۷ء، "غدر کی صبح شام"، ص:۱۸۳، رپورٹ از جیون لال: مرزا الٰہی بخش نے یقین دلایا کہ انکے پاس روپیہ بالکل نہیں رہا اور اس لئے ان سے روپیہ حاصل کرنے کی کوشش بیکار ہے۔

- ۴/اگست، "غداروں کے خطوط"، ص:۱۴۳: میں (جاسوس) زینت محل منکھند لال، حکیم جی اور مرزا الٰہی بخش سے ساز باز کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں لیکن اس منصوبہ پر عمل کرنے کیلئے آپ کے حکم کا انتظار ہے۔

- ۷/اگست ۱۸۵۷ء، "غدر کی صبح شام"، ص:۲۰۸ تا ۲۱۱: "غدر کی صبح شام" کے مصنف جیون لال اور دیگر حضرات کو گرفتار کر کے شہزادہ مرزا مغل کے سامنے پیش کیا گیا اور ان سب سے روپے مانگے گئے، عدم ادائیگی کی بنا پر صبح سے سہ پہر چار بجے تک رہائی نہ ہوئی۔ اسکی تفصیل بیان کرتے ہوئے جیون لال نے لکھا ہے: اسی حالت میں مرزا الٰہی بخش بھی خلاف توقع حضرتِ خضر کی طرح آبراجے۔ بعینہ جس طرح سے کہ سوکھے ہوئے پتوں میں جان ڈالنے کیلئے ابر رحمت یک یک برس جاتا ہے۔ انہوں نے مجھے دلاسا دلایا اور مرزا مغل سے درخواست کی کہ نج کی (نجی) ملاقات کیلئے وقت دیا جائے۔ میرا گمان ہے کہ انہوں نے دوران ملاقات میں ہمارے لئے یہی دلائل استعمال کیے ہوں گے کہ یہ غریب محرر ہیں اور صرف اپنی آمدن پر گذران کرتے ہیں اور یہ کہ انگریزی راج ابھی ختم نہیں ہوا۔ ممکن ہے انگریز شہر پر دوبارہ قبضہ کر لیں اور جب آپ انگریزوں کے ہاتھ میں اسیر ہو جائیں گے تو ممکن ہے کہ یہ غریب کلرک اس وقت آپ کیلئے مفید ثابت ہوں۔ مرزا مغل نے جواب دیا کہ یہ انگریزوں کو خبریں بھیجتا ہے اور انکی کامیابی کیلئے دست بدعا رہتا ہے۔ مرزا الٰہی بخش نے کہا کہ یہ انکے وفادار ہیں جنکا نمک انہوں نے کھایا ہے---- اسکے بعد پستول منگوائے گئے اور ہمیں ڈرانے کیلئے بندوقیں بھی منگوائی گئیں لیکن یہ دیکھ کر کہ میرا

ارادہ مستقل ہے اور مرزا الٰہی بخش میری مدد پر ہیں مجھے بالآخر انکے ساتھ جانے کی اجازت دیدی گئی۔

اچھے مرزا صاحب مجھے کمال تلطف اور مہربانی کے ساتھ سیدھے میرے مکان پر لے گئے اور مجھے مشورہ دیا کہ مکان تبدیل کرلو اور کہیں چھپ جاؤ، ورنہ باغی تمہارا پتہ ڈھونڈ نکالیں گے۔انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں تمہارا ضامن ہوں اور انشاء اللہ باغی تمہارا بال بیکا نہ کرسکیں گے۔اس طرح سے خدائے تعالیٰ نے اپنا فضل کر کے میری جان بچالی۔مرزا الٰہی بخش نے اس آڑے وقت میں جو ہمدردی مجھ سے کی اسکا معاوضہ مجھ سے ادا نہیں ہوسکتا اور نہ مناسب الفاظ میں انکا شکریہ ہی ادا کرسکتا ہوں۔

مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ میرے گرفتار ہوجانے پر لالہ شام لال نے مرزا الٰہی بخش کو لکھا کہ اب امداد کا وقت ہے اسلیئے کہ وہ انگریزی ملازم ہیں اور آپ بھی انگریزوں کے بہی خواہ ہیں۔مرزا کے صاحبزادے کا آج صبح انتقال ہوگیا تھا اور وہ جلدی سے تجہیز و تکفین کر کے میری مدد کرنے کیلیئے آگئے،ان سے بڑھ کر سچا دوست کبھی میسر نہیں آسکتا۔

○ ۷ار اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۷۲: مرزا نے گریٹ ہیڈ (انگریزوں کا سیاسی مشیر) کو خط لکھا ہے، جس میں گریٹ ہیڈ کو یقین دلایا ہے کہ وہ انگریزی حکومت کی بحالی کیلیئے ہر قسم کی مدد کرنے کے لیے تیار ہے۔

○ ۱۷ تا ۲۰ر اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۸۰: مرزا باغی فوج کو ختم کردینا چاہتا ہے۔اس مقصد کیلیئے اس نے آپ کو خط بھیجا، اسے آپکے جواب کا انتظار ہے۔

○ ۲۰ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۲۴، رپورٹ از جیون لال: ایک شخص مسمی میر کاظم الہ آبادی کو صوبہ داری عطا کی گئی۔مرزا الٰہی بخش نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ جب تک کوئی شخص میدانِ جنگ میں اپنی بہادری ثابت نہ کردے اس وقت تک اسے یہ عہدہ نہیں دینا چاہیے۔

○ ۲۳ر اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۸۹: اگر آپ مرزا الٰہی بخش یا

بیگم صاحبہ ملکہ زینت محل کو خط لکھ دیں تو یقیناً ہماری مدد کریں گے۔

○ ۲۴ تا ۲۵ / اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۹۴: اب بھی کوئی تحریر مرزا الٰہی بخش اور زینت محل بیگم کے نام آجائے تو اہل قلعہ سے بھی مدد ملنا بموجب ایما ممکن ہے---- آپکے ایما بموجب میں نے مرزا الٰہی بخش صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب سے عرض کر کے سکھوں کو ہر پلٹن سے نکلوا کر علیحدہ پلٹن سکھوں کی بنوائی تھی۔ چونکہ جواب خط مفتی صاحب اور مرزا الٰہی بخش صاحب کا نہیں آیا، میری عرضی کو محمول بر خود غرضی کیا اور اس کام کے انجام میں کم توجہ کیا، اس واسطے پھر سکھ لوگ متفرق ہو کر اپنی اپنی پلٹنوں میں داخل ہو گئے۔

○ ۲۴، ۲۵ / اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۹۵: ملکہ زینت محل اور مرزا الٰہی بخش نے جو سوالات کیے ہیں اگر آپ انکا جواب بھیج دیں تو یہ دونوں ہماری مدد کرنے کیلئے تیار ہو جائیں گے۔

○ ۲۷ / اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۲۰۷: مرزا الٰہی بخش نے ۲۷ / اگست کو گریٹ ہیڈ کے نام ایک اور خط لکھا اور اس میں اس نے جہاد کے فتویٰ کو غلط قرار دیا اور انگریزوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے کی کوشش کی۔

○ ۳۰ / اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۲۱۰: حکیم احسن اللہ خان، مفتی صدر الدین، مرزا الٰہی بخش اور بیگم زینت محل سب اپنی اپنی اہلیت کے مطابق انگریزی حکومت کی مدد کرنے کیلئے تیار ہیں۔ یہ سب کشتیوں کے پلوں کو تباہ کرنے کی کوشش کریں گے---- مذکورہ بالا افراد میں سے کوئی بھی باغیوں کو پناہ دینے کیلئے تیار نہیں، اسکے برعکس انکی خواہش ہے کہ جن باغیوں نے قتل و غارت کیا ہے انکو سخت سزا ملنی چاہیے۔

○ ۳۰ / اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۲۱۳: ---- اگر آپ مرزا الٰہی بخش کو اسکے خط کا جواب دیں تو اس مقصد کیلئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے گا اور مولوی فضل حق اور دوسرے باغیوں کو شہر سے باہر نکال کر دیگا۔

○ ۱ر ستمبر، ''غدر کی صبح شام'' ص:۲۳۹، رپورٹ از جیون لال: تنخواہ کا مطالبہ کرنے والے افسر چھ بجے شام تک بیٹھے رہے اور نہایت جوش کی حالت میں حکیم عبدالحق، مرزا الٰہی بخش اور سعید علی خان سے بحث و مباحثہ کرتے رہے۔

○ ۳ر ستمبر، ''غدر کی صبح شام'' ص:۲۴۱، رپورٹ از جیون لال: مرزا مغل، مرزا الٰہی بخش، حکیم عبدالحق خان اور میر سعید علی خان نے کانفرنس منعقد کی جس میں بہت دیر تک فوج کو تنخواہ دینے کے مسئلہ پر بحث ہوتی رہی۔ انہوں نے پولیس سے ٹیکس دینے والوں کی فہرست منگائی----

○ ۵ر ستمبر، ''غدر کی صبح شام'' ص:۲۴۵، رپورٹ از جیون لال: میر سعید علی خان، حکیم عبدالحق خان، مرزا الٰہی بخش اور سالگرام خزانچی نے آپس میں مشورہ کیا کہ فوج کو تنخواہ ادا کرنے کا کیا انتظام کیا جائے۔ پولیس کے نام احکام بھیجے گئے----

○ ۶ر ستمبر، ''غداروں کے خطوط'' ص۲۲۶: (جاسوس فتح محمد خان) آج شام چار بجے میں مرزا الٰہی بخش سے ملنے گیا تھا۔

○ ستمبر، ''غدر کی صبح شام'' ص:۸۶، ۸۷، رپورٹ از معین الدین: بادشاہ بھاگ کر مقبرۂ ہمایوں میں چلے گئے۔ تمام شہر پھر انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا۔ جب انگریزوں کو معلوم ہوا کہ بادشاہ بھاگ کر چلے گئے ہیں تو انہوں نے مرزا الٰہی بخش اور حکیم احسن اللہ کو حکم دیا کہ بادشاہ شہر کے باہر نہ جانے پائیں اور انہیں ہدایت کی کہ بادشاہ کو لے کر انگریزی کیمپ میں آ جائیں انکے ساتھ سو سواروں کا دستہ بھیجا گیا، جس کے ساتھ افسروں کی مناسب تعداد بھی موجود تھی اور اس شان کے ساتھ وہ پرانے قلعہ کی جانب روانہ ہوئے۔ مرزا الٰہی بخش اور حکیم احسن اللہ بادشاہ کی خدمت میں گئے جو بہت خوفزدہ ہو رہے تھے لیکن انہوں نے جہاں پناہ! کو یقین دلایا کہ حضور کیلئے پلاؤ کی رکابی ہر وقت موجود ہے-----

5.5.4- حکیم احسن اللہ خان:

حکیم احسن اللہ خان بھی غداری کا مرتکب ہوا، وہ شاہی طبیب ہونے کے علاوہ بہادر شاہ ظفر کا انتہائی معتمد وزیر تھا- بادشاہ اسکی جان کی حفاظت کیلئے اپنی جان تک دینے کو تیار رہتا تھا- وہ بہت دور اندیش اور زمانہ ساز تھا- وہ بغاوت کو وقتی اور چند روزہ سمجھتا تھا- اسی لئے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کم مصروف اور انگریزوں کی رضاجوئی کیلئے زیادہ کوشاں نظر آتا ہے-

مجاہدین کے نزدیک وہ شروع ہی سے مشتبہ تھا- وہ اسے تنخواہیں خرد برد کرنے والا اور انگریزوں سے ملا ہوا کہتے، اور اسکی جان کے اس قدر درپے رہتے کہ بعض اوقات بادشاہ کے احترام کو بھی ملحوظ نہ رکھتے- حقیقت بھی یہی ہے کہ حکیم احسن اللہ خان شروع ہی سے انگریزوں کا حمایتی وطرفدار تھا اور اگست میں تو باقاعدہ رابطہ بھی قائم کر لیا- چنانچہ بادشاہ کو جہادِ آزادی و مجاہدین سے بیزار بنانے، انگریزوں سے خائف کر کے بزدل بنانے اور گرفتاری پر حسنِ سلوک کا امیدوار بنانے میں اہم کردار حکیم احسن اللہ خان نے ہی ادا کیا تھا-[1]- تفصیل ملاحظہ کیجئے:

○ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۶۲ تا ۶۴، رپورٹ از معین الدین غدار:

(اِس غدار نے بادشاہ سے (انگریزوں) کے قتل کو رکوانے اور اپنے گھر بار کی حفاظت کیلئے اختیارات حاصل کرنے کی غرض سے گفتگو کی اور مختلف تجاویز دیں تو بقول اسکے) بادشاہ سلامت نے میری تجاویز کو پسند فرمایا اور حکیم احسن اللہ خان کو طلب فرمایا، جب وہ آ گئے تو انہیں میری تجاویز سننے کا حکم دیا گیا- انہوں نے کہا کہ ''چوبداروں کو تمہاری معیت میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ ''باغی لوگ'' عیسائیوں کے قتلِ عام سے کبھی باز نہ آئیں گے اگر انکی مزاحمت کی گئی تو زیادہ خراب نتائج رونما ہونگے- جب عیسائیوں کے خون سے انکا دل بھر جائیگا تو وہ پھر ہماری جانب متوجہ ہونگے اور ہمارے مال و اسباب کو لوٹ لیں گے- ہمیں صرف اپنی خبر گیری کرنی چاہیے'' میں نے جواب دیا: حکیم جی! آپ کی

---

[1] حکیم صاحب کا انجام ان شواہد کے آخر میں ملاحظہ کیجئے-

رائے صائب نہیں ہے۔(غدار نے انہیں بغاوت کے دب جانے ،از سرنو انگریزی حکومت کے قیام کے امکان، یورپی بچوں اور عورتوں کو قتل سے بچانے کے فوائد سے تفصیلاً آگاہ کیا) اور کہا یہ شورش زیادہ دن نہ رہیگی اور ان سے عاجزانہ درخواست کی کہ وہ میرے مشورے پر کاربند ہوں، حکیم احسن اللہ خان نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ چپ سادھ لی گویا کہ وہ گہرے خیالات میں غلطاں وپیچاں ہیں۔

○ ۱۱ رمئی، ۱۸۵۷ء، ''غدر کی صبح شام''، ص:۹۹، رپورٹ از جیون لال غدار:

بادشاہ نے خدمات پیش کرنے والے دو صوبیداروں کو ہدایت کی کہ وہ اپنے متعلق حکیم احسن اللہ خان سے احکام حاصل کریں۔ چنانچہ انہوں نے انکو تلاش کروا کے فوج کا پیغام سنا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ حکیم احسن اللہ خان بہت پریشانی میں تھے، کہ کیا جواب دیں، انکا خیال تھا کہ شورش چلتی پھرتی چھاؤں ہے جو چند دن سے زیادہ قائم نہ رہیگی ----

○ ۱۱ رمئی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۰۰، رپورٹ از جیون لال: فوج میں ڈسپلن (انتظام) پیدا کر دینے کی غرض سے حکیم احسن اللہ خان نے شاہزادگان کو مختلف رجمنٹوں کی کمان لینے کا حکم دیا۔

○ ۱۲ رمئی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۰۱، رپورٹ از جیون لال: حکیم نے نج کے (نجی) طور پر بادشاہ کو متنبہ کر دیا کہ ان (باغیوں) پر کسی قسم کا اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ جونہی وہ کافی تعداد میں جمع ہو جائیں گے تو شہر کی عام لوٹ مار شروع ہو جائے گی۔ بعد میں حکیم احسن اللہ کان نے شہر کے عمائدین سے مشورہ کیا۔

○ ۱۲ رمئی، Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P:3:

فوجی افسروں نے یہ طے کیا کہ حکیم احسن اللہ خان نہ تو افواج کو کچھ کہے اور نہ ہی بادشاہ یا ملکہ یا محبوب علی خان سے گفتگو کرے۔

○ مئی ۱۸۵۷ء، Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P:3,4: میں نے (حکیم احسن اللہ خان) اور ملکہ نے بادشاہ کو کہا کہ

شہزادوں کوافواج کی کمانڈ پر مقرر کرنا قرین مصلحت نہیں---اور یہ کہ افسران فوج کو یہ عذر پیش کردیا جائے کہ شہزادے نوجوان ہیں اور جنگی فنون میں ناتجربہ کار ہیں----

مئی، ۱۸۵۷ء، Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P:7:

میں نے (حکیم احسن اللہ خان) بادشاہ سے کہا کہ اگر بادشاہ ان قیدی انگریزوں کی حفاظت کرے گا تو انگریزوں کو جب فتح ہوئی تو یہ لوگ انکے اچھے سلوک کے گواہ ہوں گے-

○ مئی ۱۸۵۷ء، ''غدر کی صبح شام''، ص:۴۷، رپورٹ از معین الدین:

بغاوت کے بڑے بڑے لیڈر بھی خطرے سے بچے ہوئے نہ تھے کیونکہ انکے کسی بدخواہ نے محبوب علی خان اور حکیم احسن اللہ خان کو پھانسنے کے خیال سے انکی جانب سے آگرہ کے لفٹیننٹ گورنر کے نام چٹھی لکھی جو بالآخر دروازوں کے محافظ باغی سپاہیوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی- چٹھی بادشاہ کی خدمت میں پیش کی گئی اور لکھنے والوں کے فوری قتل کا مطالبہ کیا گیا- محبوب علی خان اس زمانہ میں صاحب فراش تھے اور اس لئے انہیں پالکی میں لٹا کر دیوان خاص میں لایا گیا- راستہ میں وہ باغیوں کے ہتھے چڑھ گئے مگر حکیم احسن اللہ خان نے بھاگ کر محل میں پناہ لے لی، بادشاہ کو جب اصل حقیقت معلوم ہوئی تو انہوں نے محبوب علی خان کو رہا کر دیا- تاہم باغیوں نے عالم ناراضگی میں انکے مکان کو لوٹ لیا- واقعات کے رنگ سے خوفزدہ ہو کر حکیم احسن اللہ خان نے نہایت دغابازی سے ان یورپین عورتوں اور بچوں کو حوالہ کر دیا جنہیں انہوں نے اپنی حفاظت میں لے رکھا تھا---

○ ۱۴ر مئی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۰۸، رپورٹ از جیون لال: حکیم احسن اللہ خان اور نواب محبوب علی خان کو اناج کا فوری بندوبست کرنے کا حکم ملا تا کہ شہر لوٹ مار سے محفوظ رہے-

○ ۱۴ر مئی، Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,

:P5: فوجی افسروں نے کہا ''تم دونوں (حکیم احسن اللہ خان اور محبوب علی خان)

انگریزوں سے ملے ہوئے ہو اور جو کچھ ہو رہا ہے اس سارے کی انہیں اطلاع کرتے ہو۔ ہمارے آدمیوں میں سے ایک پہرہ دار دفتر میں رہے گا تا کہ تم جو لکھتے ہو ہم اس سے آگاہ ہوں۔ محبوب علی خان نے تو قسم کھائی کہ اس نے کچھ نہیں لکھا۔۔۔ میں نے کہا کہ میں کبھی کچھ نہیں لکھوں گا۔

- ۱۵ رمئی "غدر کی صبح شام"، ص: ۱۰۹، رپورٹ از جیون لال: سپاہیوں نے حکیم احسن اللہ خان اور محبوب علی خان کے احکام اس بنا پر ماننے سے انکار کر دیا کہ وہ انگریزوں سے نامہ و پیام رکھتے ہیں انہوں نے اس سے انکار کیا اور آئندہ کیلئے قسم کھائی کہ ہم انگریزوں سے نامہ و پیام نہ کریں گے۔
- ۱۶ رمئی، غدر کی صبح شام"، ص: ۱۱۰، رپورٹ از جیون لال: سپاہیوں نے حکیم احسن اللہ اور نواب محبوب علی خان کو قتل کر دینے کی دھمکی دی۔
- ۱۷ رمئی، غدر کی صبح شام"، ص: ۱۱۲، رپورٹ از جیون لال: حکیم احسن اللہ خان کو باریابی حاصل ہوئی اور انہوں نے عرض کیا کہ باغی پر فریب اور خونی لوگ ہیں ان پر کسی قسم کا اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔
- ۲۰ رمئی، غدر کی صبح شام"، ص: ۱۱۵، ۱۱۶، رپورٹ از جیون لال: تین بجے حکیم احسن اللہ نے عرض کی کہ سپاہی شہر میں لوٹ مار کر رہے ہیں اور درخواست کی کہ انہیں شہر بدر کر دیا جائے، ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے مرزا مغل کو حکم دیا گیا کہ وہ طاقتور دستہ کے ساتھ میرٹھ کی جانب جائیں اور انگریزی فوج پر حملہ آور ہوں۔۔۔ بعد کو معلوم ہوا کہ فوجوں کو انگریزوں سے جنگ کرنے کیلئے میرٹھ بھیجنے کی کارروائی حکیم احسن اللہ خان کی اختراع تھی جو شہر کو باغیوں اور سپاہیوں سے پاک رکھنا چاہتے تھے کیونکہ وہ بہت بے قابو ہوئے جاتے تھے۔[1]
- ۲۳ رمئی، غدر کی صبح شام"، ص: ۱۱۷، ۱۱۸، رپورٹ از جیون لال: حکیم احسن اللہ

---

[1] Kedarnath's Diary, P:40، پر ۲۹ رمئی کی ڈائری میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔

خان نے بادشاہ سے کہہ کرایک حکم نامہ شائع کرادیا جس میں فوجوں کواس بنا پر شہر چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ سوائے لوٹ مار اور خونریزی کے اور کچھ نہیں کرتیں۔

○ ۲۶ رمئی، غدر کی صبح شام"، ص: ۱۱۹، ۱۲۰، رپورٹ از جیون لال: آج یہ بات معلوم ہوئی کہ کسی نے اسلام گڑھ کی توپوں کو کنکروں اور پتھروں سے بھر دیا ہے۔ شبہ حکیم پر کیا گیا ہے اور اس الزام میں کہ وہ انگریزوں سے ملی بھگت رکھتے ہیں انہیں بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا، (انہیں دھمکی دی گئی، تلواریں نکالی گئیں) حکیم اور محبوب علی خان نے حلف اٹھائے کہ ہم بیگناہ ہیں۔

○ ۲۶ رمئی، Kedarnath's Diary,P,39: بتایا گیا ہے کہ باغیوں کو سلیم گڑھ میں بندوقیں بھری ہوئی ملی ہیں اور انہوں نے شک کیا ہے کہ حکیم احسن اللہ خان، محبوب علی خان اور ملکہ زینت محل نے انگریزوں سے ملنے کیلئے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔

○ ۲۸ رمئی، "غدر کی صبح شام"، ص: ۱۲۱، رپورٹ از جیون لال: باغیوں نے حکیم احسن اللہ خان پر پھر انگریزوں سے سازش کرنے کا الزام لگایا اور ان پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ ان سے کہہ دیا گیا کہ آپ بادشاہ سے گارڈ کی موجودگی کے بغیر بات چیت نہیں کرسکیں گے۔ نواب محبوب علی خان کے مکان پر بھی پہرہ بٹھا دیا گیا۔ حکیم احسن اللہ خان اور نواب محبوب علی خان رات بھر بادشاہ کی خدمت میں رہے۔

○ ۶ رجون، "غدر کی صبح شام"، ص: ۱۳۲، رپورٹ از جیون لال: حکیم احسن اللہ خان کو راشن تقسیم کرنے کا حکم ملا ہے۔

○ ۲۵ رجون، "غدر کی صبح شام"، ص: ۱۴۴، ۱۴۵، رپورٹ از جیون لال: علی خان اور قادر بخش نے حکیم پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے ایسے بدمعاشوں کو جو لوٹ مار کرتے ہوئے گرفتار ہوئے تھے، رشوت لے کر رہا کر دیا ہے۔۔۔۔ بادشاہ نے ان دونوں کی شہر بدری کا حکم دیا اور کہا ان دونوں نے حکیم کو ناحق متہم کیا ہے۔

○ جولائی، ۱۸۵۷ء، Memoirs of Hakim Ahsanullah

Khan, P:17: انگریزوں کے حلیف راجہ پٹیالہ کا ایک وکیل بادشاہ کے سامنے گرفتار کر کے لایا گیا اور اسکے قبضے سے ایک تحریر بھی برآمد ہوئی - مجاہدین نے اسکے قتل کا مطالبہ کیا - حکیم صاحب کی مداخلت سے اسے صرف تھوڑی سی قید کی سزا ہوئی - مجاہدین اس پر مطمئن نہ تھے انہوں نے کہا کہ یہ حکیم راجہ پٹیالہ (انگریزوں کے حلیف) سے ملا ہوا ہے اور اخبار نویسوں کے ذریعے اطلاعات بھیجتا ہے-

○ ۲ر جولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۰۷: بادشاہ سلامت اور حکیم احسن اللہ گزشتہ جنگ کے نتائج کی وجہ سے کافی شکستہ دل ہیں-

○ ۷ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۶۱، رپورٹ از جیون لال: حکیم احسن اللہ نے شکایت کی کہ نواب احمد قلی کا درجہ مجھ سے بڑھا دیا گیا ہے، بادشاہ نے انہیں اطمینان دلایا ---

○ ۲۴ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۸۴، رپورٹ از جیون لال: مرزا اکبر سلطان نے شہر کے تمام مالدار مہاجنوں کو طلب کیا اور ان سے آٹھ ہزار روپے وصول کیے اس معاملے میں بیگم زینت محل، احسن اللہ خان اور محمود لال کا بہت زیادہ ہاتھ تھا-

○ ۲۸ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۸۹، رپورٹ از جیون لال: بادشاہ نے حکم دیا کہ عید کے موقع پر شہر میں کوئی گائے ذبح نہ کی جائے اور تنبیہ کر دی گئی کہ اگر کسی مسلمان نے ایسا کیا تو اسے توپ کے منہ سے اڑا دیا جائیگا اور اگر کسی مسلمان نے گائے ذبح کرنے کی ترغیب دی تو اسے بھی قتل کر دیا جائیگا - حکیم احسن اللہ خان نے اس حکم پر اظہار ناراضگی کیا اور کہا کہ میں مولویوں سے رجوع کرونگا، بادشاہ اس مخالفت سے سخت ناراض ہوئے، دربار برخاست کر دیا اور حرم میں چلے گئے-

○ ۲۹ر جولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۳۳: جاسوس اور غدار مولوی رجب علی نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ وہ خفیہ طور پر شہر کا دروازہ کھلوا کر انگریزی فوج کے داخل ہونے کا بندوبست کریں --- (وہ مزید کہتا ہے) بادشاہ سلامت تو راضی ہو جاتے لیکن

حکیم احسن اللہ خان نے دخل اندازی کر کے معاملہ خراب کر دیا۔

○ ۲۹/جولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۳۳: (از رجب علی) حکیم احسن اللہ خان سپاہیوں کی تنخواہ خورد برد کر رہا ہے۔ انکی تنخواہ میں سے چار روپے فی کس انکو ادا کرتا ہے اور بقیہ چھ روپے خود کھاتا ہے۔ سپاہی بے حد ناراض ہیں۔ خیال ہے اسکو جلد مار ڈالیں گے۔

○ ۴/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۴۳: میں زینت محل بیگم، مکھند لال، حکیم جی اور مرزا الٰہی بخش سے ساز باز کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں، منصوبے پر عمل کیلئے آپکے حکم کا انتظار ہے۔

○ ۴/اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۰۰، رپورٹ از جیون لال: افسروں کا وفد حاضر ہوا، انہوں نے شکایت کی کہ حکیم احسن اللہ انگریزوں سے ساز باز رکھتے ہیں۔۔۔۔ بادشاہ نے جواب دیا: مجھے کسی ایسے اعلان کی اطلاع نہیں ملی، اور مجھے یقین ہے کہ حکیم اس قسم کی کسی سازش میں شریک نہیں ہیں۔۔۔۔ یہ افسر حکیم کی غداری پر اس درجہ یقین رکھتے ہیں کہ وہاں سے سیدھے انکے گھر گئے تاکہ انکو قتل کر دیں، لیکن چونکہ حکیم صاحب کو قبل از وقت معلوم ہو گیا تھا، اس لئے وہ گھر سے غائب ہو گئے تھے۔۔۔۔ بادشاہ نے مرزا مغل کے نام ایک خط بھیجا جس میں یہ تاکید کی گئی تھی کہ وہ حکیم کی نگرانی رکھیں اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے دیں۔۔۔۔

○ ۷/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۴۶: حکیم کی پوزیشن بھی مشکوک ہے لیکن وہ بادشاہ کی حفاظت میں ہے۔

○ ۷/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۴۷: باغیوں نے کل حکیم کا مکان لوٹ لیا، اور اسے آگ لگا دی۔ حکیم خود قلعے میں قید ہے۔[1] باغیوں نے بادشاہ سے کہا کہ حکیم کو انکے حوالے کیا جائے، ورنہ وہ خود اسکی اور اسکے خاندان کی جانیں بھی خطرے میں پڑ جائیں

[1] کدارناتھ کا جرنل بھی اسی تاریخ کو اس واقعہ کو رپورٹ کرتا ہے، دیکھئے، ص:۵۱، مزید تفصیل غدر کی صبح شام ص:۲۰۷، ۲۱۱ پر ملاحظہ کریں۔

گی-[1] آخر مجبور ہو کر بادشاہ نے حکیم کو اس شرط پر انکے حوالے کیا کہ اسکو کسی قسم کی زک پہنچائی تو وہ خود بھی خودکشی کر لے گا- اس مقصد کیلئے اسکے پاس ہمیشہ ایک ہیرا رہتا ہے-

○ ۷/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۴۸: بارود کی فیکٹری میں جو دھماکہ ہوا تھا اس میں تقریباً پانچ سو افراد ہلاک ہوئے---- یہ دھماکہ کسی حادثے کی وجہ سے ہوا تھا- حکیم احسن اللہ خان کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا-[2]

○ ۴ تا ۸/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۴۸: باغیوں کو شک ہے کہ سات اگست کو بارود کے کارخانے میں ہونے والا دھماکہ، حکیم احسن اللہ کے ایماء پر کیا گیا تھا- باغیوں نے اسکا گھر لوٹ لیا ہے اور اب اسکی جان کے درپے ہیں وہ اگرچہ بادشاہ کی حفاظت میں ہے مگر خود بادشاہ اسکو قید سے نہیں بچا سکا-

○ ۸/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۵۰: فوج کو حکیم احسن اللہ خان پر شک ہے کہ یہ دھماکہ اسکے ایماء پر کرایا گیا، اسکے گھر کی تلاشی لی تو انکو انگریزی کیمپ کے کسی منشی کا بھیجا ہوا خط ملا- اس سے باغیوں کو یقین ہو گیا اور انہوں نے احسن اللہ کا گھر جلا دیا- بادشاہ نے بڑی مشکل سے اسکی جان بچائی-

○ ۸/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۵۱: دھماکے کے بعد تقریباً ایک ہزار سپاہیوں نے حکیم احسن اللہ کے گھر دھاوا بول دیا اور الزام لگایا کہ اس نے جان بوجھ کر یہ کارخانہ خود تباہ کرایا ہے انہوں نے اسکے گھر کو لوٹ لیا اور وہ خود اس وقت قلعے میں نہ ہوتا تو وہ لوگ اسے قتل کر دیتے-

○ ۱۱/اگست، Kedarnath's Diary,P:52: حکیم احسن اللہ خان کو قید سے رہا کر دیا گیا ہے-[3]

---

[1] Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan صفحہ:۲۲ پر کہتے ہیں کہ اسوقت میں نے بادشاہ سے بہ منت کہا کہ بادشاہ کو اب مزید مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہیے- مجھے اپنی قسمت آزمانے دیں- خدا نہ کرے کہ حضور کو میری وجہ سے شرمسار اور بے عزت ہونا پڑے-

[2] غدر کی صبح شام، ص:۲۱۲، ۹/اگست کی رپورٹ میں بھی یہی ہے-

[3] غدر کی صبح شام، ص:۲۱۳ پر رہائی کی تاریخ دس اگست ہے-

○ ١١/اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:٢١۴، رپورٹ از جیون لال: بادشاہ نے حکیم احسن اللہ کی عزت افزائی کرنے کے خیال سے شاہزادگان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ حکیم احسن اللہ خان کو اپنی حفاظت میں انکے گھر پہنچا دیں۔اس حکم کے مطابق مرزا مغل، مرزا خضر سلطان اور مرزا عبداللہ، حکیم احسن اللہ کے ساتھ گئے۔

○ ١٣/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:١۵۵: حکیم احسن اللہ کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ وہ آئندہ اپنے پیشے کے علاوہ کسی بات میں دخل نہیں کرے گا۔[۱]

○ ١۴/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:١۵٦: بادشاہ سلامت نے حکیم کی رہائی کیلئے کل رات فوج کے اعلیٰ افسروں کو ایک طویل خط بھیجا تھا مگر کسی نے توجہ نہ دی، آخر کار تنگ آ کر بادشاہ سلامت نے آج فوج کے جرنیلوں کو لکھا اور دھمکی دی کہ اگر انکا حکم نہ مانا گیا تو وہ خودکشی کر لیں گے۔یہ خط ملتے ہی حکیم کو رہا کر دیا گیا۔

○ ١٨/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:١٧٦: حکیم احسن اللہ خان کو علیحدہ کر دیا گیا ہے۔

○ ٣٠/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:٢١٠: حکیم احسن اللہ خان، مفتی صدرالدین آزردہ، مرزا الٰہی بخش اور بیگم زینت محل سب اپنی اپنی اہلیت کے مطابق انگریزی حکومت کی مدد کرنے کیلئے تیار ہیں۔یہ سب کشتیوں کے پلوں کو تباہ کرنے کی کوشش کریں گے۔۔۔مذکورہ بالا افراد میں سے کوئی بھی باغیوں کو پناہ دینے کیلئے تیار نہیں۔اسکے برعکس انکی خواہش ہے کہ جن باغیوں نے قتل و غارت کیا ہے، انکو سخت سزا ملنی چاہیے۔

○ ٢/ستمبر، ''غداروں کے خطوط''، ص:٢٢٠: ہر عہدے کے تقریباً پانچ سو افسر شہزادوں کو گھیرے کھڑے تھے اور با آواز بلند کہہ رہے تھے کہ حکیم احسن اللہ خان انکی تنخواہوں کی ادائیگی میں مداخلت کر رہا ہے۔وہ شہزادوں کو قید کرنے اور حکیم احسن اللہ خان کو قتل کرنے کی دھمکیاں دے رہے تھے۔

---

[۱] حکیم احسن اللہ کی یادداشت، ص:٢۴ پر بھی یہی ہے اور یہ کہ حکیم نے استعفیٰ دینا چاہا تو بادشاہ نے منع کر دیا۔

○ ستمبر، Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P:28,29: جب مجاہدین نے بادشاہ کو اپنے ساتھ میدان جنگ میں لے جانے پر راضی کرنا چاہا اور شاہی دستے کی مدد بھی مانگی تو حکیم احسن اللہ خان نے انکے چلے جانے کے بعد بادشاہ کو ایسا کرنے سے منع کر دیا، اور طرح طرح کے اندیشے دلائے۔

○ ۶ رستمبر، ''غداروں کے خطوط''، ص:۲۲۸: تولہ رام نے چھ لاکھ کی رقم اکٹھی کی ہے، اس نے رقم کو بھیجنے کے لئے تین ہزار تھیلے مانگے تھے۔ سات سو تھیلے اسے بھیجے جا چکے ہیں، بقیہ ابھی تک اسے نہیں ملے۔ حکیم احسن اللہ خان ہمیشہ بادشاہ سے اسکی برائی کرتا رہتا تھا اور شاہی قلعے کے لوگ اس معاملے میں حکیم صاحب کو قابلِ اعتبار سمجھتے ہیں۔

○ ۷ رستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۴۶، رپورٹ از جیون لال: بادشاہ دربار خاص میں رہے۔ احسن اللہ خان اور جنرل بخت خان بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (کچھ اور مواقع پر بھی حکیم صاحب کی دربار میں موجودگی ثابت ہے۔)

○ ستمبر، Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P:28, 29: افواج نے بادشاہ کو اپنے ساتھ میدانِ جنگ میں لے جانا چاہا تو میں (حکیم احسن اللہ خان) نے کہا ''اللہ بچائے! یہ سپاہی حضور کو باہر میدانِ جنگ میں آگے لے جائیں گے اور پھر بھاگ جائیں گے اور آپ گرفتار ہو جائیں گے۔ ہرگز نہیں۔''

○ ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص:۸۵، رپورٹ از معین الدین: رجب علی خان محسن نے حکیم احسن اللہ خان کو ایک خط لکھا جس میں یہ استفسار کیا گیا تھا کہ ایسی حالت میں جب کہ شہر میں انگریز باقی نہیں رہے، علمِ نبوی کیوں بلند کیا گیا ہے، انہوں نے مفتی محمد صدر الدین خان قاضی شہر کو ہدایت کی کہ وہ لوگوں کو سمجھا دین کہ اس جھنڈے کا بلند کرنا حماقت ہے اس واقعہ سے کچھ دیر بعد یہ اعلان کیا گیا کہ انگریز شہر پر عنقریب حملہ کرنے والے ہیں۔

○ ۱۸ رستمبر، Memoirs of Hakim Ahsnaullah Khan,P:30,31: ۱۷ رستمبر جمعرات کی رات میں بازار اور صدر دروازے پر سپاہیوں

کے ہجوم کے باعث قلعہ نہ جا سکا تھا- جمعہ کی صبح میں نے آدمی بھیجا جس نے بتایا کہ دیوانِ خاص کا دروازہ بند ہے---- (بادشاہ گذشتہ روز نصف شب کو قلعہ چھوڑ کر مقبرہ ہمایوں جا چکے تھے) سہ پہر کو حقیقتِ حال جان کر میں ہکّا بکّا رہ گیا اور بادشاہ کو لکھا کہ مجھے وجہ بتائے بغیر چلے جانے کا سبب کیا ہے؟ شام کو انہوں نے مجھے بلا بھیجا- میں نے انہیں سواری وغیرہ کا بندوبست نہ ہونے کا لکھا تو انہوں نے اگلے روز ۱۹ رستمبر بروز ہفتہ سہ پہر کو دو ہاتھی بھیج دیے-

○ ستمبر، "غدر کی صبح شام"، ص: ۸۶، ۸۷، رپورٹ از معین الدین: جب انگریزوں کو معلوم ہوا کہ بادشاہ بھاگ کر چلے گئے ہیں تو انہوں نے مرزا الٰہی بخش اور حکیم احسن اللہ کو حکم دیا کہ بادشاہ شہر کے باہر نہ جانے پائیں اور انہیں ہدایت کی کہ بادشاہ کو لے کر انگریزی کیمپ میں آجائیں------ مرزا الٰہی بخش اور حکیم احسن اللہ بادشاہ کی خدمت میں گئے جو بہت خوفزدہ ہو رہے تھے لیکن انہوں نے جہاں پناہ کو یقین دلایا کہ حضور کیلئے پلاؤ کی رکابی ہر وقت موجود ہے-----

حکیم صاحب نے اپنی "یادداشت" میں شروع سے آخر تک بارہا ایسے مواقع کا ذکر کیا ہے جب مجاہدین انکو بھرے دربار میں انگریزوں سے ملے ہونے کا کہتے تھے- وہ لکھتے ہیں کہ جب وہ بادشاہ کے پاس مقبرہ ہمایوں جا رہے تھے تو لوگوں نے انہیں عیسائی تک کہا-[1]

سقوطِ دہلی کے بعد جب بہادر شاہ ظفر پر مقدمہ چلایا گیا تو بادشاہ کا یہ قریبی، ہم راز معتمد استغاثہ کی طرف سے گواہ بنا-[2]

غالب اپنے خط مؤرخہ یکم اپریل ۱۸۵۸ء بنام غلام نجف خان میں لکھتے ہیں:

"مبارک ہو کہ حکیم صاحب پر سے وہ سپاہی، جو انکے اوپر متعین تھا، اٹھ گیا اور انکو حکم ہو گیا

---

[1] Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P:31

[2] دیکھئے خواجہ حسن نظامی کی تصنیف: بہادر شاہ ظفر کا مقدمہ-

کہ اپنی وضع پر رہو، مگر شہر میں رہو، باہر جانے کا اگر قصد کرو تو پوچھ کر جاؤ اور ہر ہفتے میں ایک بار کچہری میں حاضر ہوا کرو۔"[1] (یعنی ملک و قوم سے غداری کے عوض سلبِ آزادی کے ساتھ جان بخشی ہوئی۔)

غالب مزید لکھتے ہیں کہ انہیں حکیم کو دیکھے ایک عرصہ ہوا ہے مگر جا نہیں سکتا کیونکہ مجھے محتاط رہنا ہے۔

حکیم صاحب گمنامی و بے نوائی کی اس نئی زندگی سے اس قدر گھبرائے کہ باوجود گھر کی واگذاری اور دو سو روپیہ ماہانہ پنشن کے انعام کے وہ دہلی شہر چھوڑ گئے اور برودہ جا بسے جہاں ستمبر ۱۸۷۳ء کو گمنامی کی حالت میں انتقال کر گئے۔[2]

5.5.5- مفتی صدرالدین آزردہ:

مفتی صدرالدین آزردہ رؤساءِ شہر، علمائے کبار میں شمار ہوتے تھے۔ جنگِ آزادی سے قبل مفتی صدرالدین آزردہ ہندوستانیوں کو ملنے والے سب سے بڑے عہدے "صدرالصدور دہلی" پر فائز تھے۔ چونکہ دانش مند، دور اندیش اور مصلحت پسند تھے۔ اسلئے جہادِ آزادی شروع ہونے پر وسطِ اگست تک غیر جانبدارانہ رویہ اپنائے رکھا، نہ تو انگریزوں کی رضا جوئی کیلئے کوشاں ہوئے اور نہ ہی بادشاہ کے کہنے پر کوئی عہدہ و ملازمت قبول کی (حالانکہ انہیں مئی، جون اور جولائی میں کم از کم تین بار عدالت کا اعلیٰ منصب پیش کیا گیا تھا) بلکہ انہوں نے دربار میں آنا بھی معمول کے مطابق رکھا۔ لیکن اگست کے آخری عشرہ میں بدلتے ہوئے حالات کا یقین کر کے انگریزوں سے رابطے کیلئے کوشاں ہوئے۔ جس کے نتیجے میں اگست کے آخر اور ستمبر کے آغاز میں انگریزوں کے طرفدار اور جانبدار کا کردار ادا کیا۔[3]

---

[1] "غالب اور انقلاب سن ستاون" از ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، ص: ۱۶۳

[2] Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan, P:V

[3] انکے دیگر احوال شواہد کے آخر میں ملاحظہ کیجئے۔

شواہد کی تفصیل ملاحظہ کیجئے۔

○ ۱۲ر مئی، ۱۸۵۷ء مطابق ۱۹ر رمضان، ''۱۸۵۷ء کا روز نامچہ'' مرتبہ عبداللطیف خان ص:۱۲۳: صبح کے وقت جب بادشاہ کو اصلاح ملکی کا خیال پیدا ہوا۔ میاں نظام الدین، نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر[1]، نواب علی حسن خان، نواب احمد علیخان، اعتماد الدولہ میر حامد علیخان، نجم الدولہ مرزا اسد اللہ خان غالب، نواب بدھن صاحب، خان جہان خان، ارادت خان، مفتی صدر الدین خان اور کرم علی خان ایوانِ شاہی میں آداب بجالانے کیلئے حاضر ہوئے اور زمین بوسی سے سرخروئی حاصل کی، اور ہر ایک نے ایک ایک خرمہرہ پیش کیا۔[2]

○ ۱۴ر مئی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۰۷: بادشاہ نے مولوی صدر الدین خان بہادر کو بلایا اور انہیں شہر کا مجسٹریٹ مقرر کر دیا تا کہ وہ تمام مقدمات کا غیر جانبداری اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں مگر مولوی صاحب نے عدم صحت کی بنا پر معذوری چاہی۔

○ ۱۹ر مئی، ''بہادر شاہ ظفر کا مقدمہ''، ص:۱۳۸، ۱۳۹: ۱۹ر مئی کو علماء نے مسلمانانِ دہلی کو جہاد پر آمادہ کیا اور علمِ جہاد بلند کیا۔ بادشاہ نے پیغام بھجوایا کہ سب انگریز مارے گئے ہیں۔ علمِ سرنگوں کر دیا جائے۔ خود مولوی صدر الدین آزردہ جامع مسجد گئے اور دیر تک عالموں سے بحث کرتے رہے اور جھنڈا بلند کرنے کو بیکار ثابت کیا۔

○ ۱۷ر جون، ''۱۸۵۷ء کا روز نامچہ''، ص:۱۳۸: ۱۷ر جون کے دربار میں مفتی صدر الدین خان، بہادر شاہ ظفر کو دیوانِ حافظ دینے کیلئے آئے۔ بادشاہ نے ان سے فوجداری مقدمات فیصلہ کرنے کا شغل قبول کرنے کی بابت دریافت کیا۔ اگر چہ انہیں اسکی بہت آرزو تھی۔ لیکن نا مساعد حالات کی بنا پر معذرت کر دی۔[3]

---

[1] نواب ضیاء الدین اور نواب امین الدین سرکار انگریزی کے وفادار اور جان نثار تھے۔ (غدار معین الدین کی رپورٹ، دیکھئے غدر کی صبح شام، ص:۶۰)

[2] دیکھئے مفتی صدر الدین آزردہ از عبد الرحمٰن پرواز اصلاحی، ص:۴۷، بحوالہ ۱۸۵۷ء کا روزنامچہ۔

[3] مرجع سابق۔

- ۲۶رجولائی کے ''صادق الاخبار'' میں چھپنے والے فتویٰ وجوبِ جہاد پر مفتی صدرالدین آزردہ کے بھی دستخط موجود ہیں۔
- ۲۷رجولائی، ''غدر کی صبح شام''ص:۱۸۸، رپورٹ از جیون لال: مولوی صدرالدین خان کو حکم دیا گیا کہ اس وقت تک فوجداری مقدمات کی سماعت کریں جب تک کہ انگریزوں پر فتح حاصل ہو۔
- ۲۹رجولائی، ''غداروں کے خطوط''ص:۱۳۳: دہلی کے شرفاء کافی خوفزدہ ہیں انہیں اس جنگ میں سلامتی کی توقع نہیں۔ مفتی صدرالدین اور نواب حامد علیخان کے گھروں پر کافی دنوں سے پہرہ ہے۔
- ۳۱رجولائی، ۱۸۵۷ء مطابق ۸رذی الحجہ، ''تلخیص از ۱۸۵۷ء کا روزنامچہ''ص: ۱۵۴-۱۵۵: اس روز بہادر شاہ ظفر نے مفتی صدرالدین آزردہ کو اس جھگڑے کو نبٹانے کے لئے بھیجا جو ذبیحہ گاؤ سے متعلق تھا، اور ایک گروہ نے منادی کررکھی تھی کہ گائے کی قربانی ہرگز نہ ہونے پائے۔ اس پر مولانا احمد سعید نے علمِ جہاد بلند کیا تو بہت سے لوگوں نے انکا ساتھ دیا، اس جھگڑے میں مفتی صاحب نے صلح کرائی۔[1]
- ۲راگست، ''غدر کی صبح شام''ص:۱۹۷، رپورٹ از جیون لال: بادشاہ دربار عام میں نہایت شان و شوکت کے ساتھ جلوہ فرماتھے، مولانا امین الدین، سعادت علیخان وکیل، فضل حسن خان، ابراہیم علیخان وکیل، اکبر علیخان بھی دربار میں حاضر تھے۔ جنرل سمند خان رسالدار، غلام نبی خان وکیل، حسن علیخان اور مولوی صدرالدین خان بھی شریک ہوئے، ۱۲۶ روپے اور نو اشرفیاں بطور نذر پیش ہوئیں۔ بالعموم جنگی حالت پر بھی گفتگو ہوتی رہی۔
- ۴ تا ۸راگست، ''غداروں کے خطوط''ص:۱۴۹: مفتی صدرالدین نے لکھنو سے آکر دربار میں حاضری دی۔
- ۹راگست، ۱۸۵۷ء، ''غدر کی صبح شام''ص:۲۱۲، رپورٹ از جیون لال:

---

[1] دیکھئے مفتی صدرالدین آزردہ، ص:۷۶۔

مولوی صدرالدین کے مکان پر آج پچاس سپاہیوں نے حملہ کیا، لیکن یہ دیکھ کر کہ وہاں ستر جہادی مقابلہ کیلئے تیار کھڑے ہیں، وہ واپس آ گئے۔

○ ۱۴/اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۱۴، رپورٹ از جیون لال: بادشاہ نے مولوی صدرالدین خان سے کہا کہ جب تک حکیم احسن اللہ خان کا مال جسے سپاہیوں نے لوٹ لیا ہے واپس نہ کیا جائے گا۔ اس وقت تک تمہیں دربار میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی جائیگی۔

○ ۱۷/اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۱۹: مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان نے مرزا ضیاء الدین خان، مرزا امین اللہ خان[1]، مولوی صدرالدین علی خان---- سے فوج کی تنخواہ کیلئے تین لاکھ روپے کی رقم طلب کی۔

○ ۲۱/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۸۴: مفتی صدرالدین کو ایک لاکھ روپیہ دینے کیلئے ہر روز تنگ کیا جا رہا ہے۔

○ ۲۳/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۹۰: کل میں (جاسوس تراب علی) نے آپ کے نام مفتی صدرالدین کا ایک خط بھیجا تھا۔

○ ۲۴-۲۵/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۹۴: آپ کے ایما بموجب میں نے مرزا الٰہی بخش صاحب اور مفتی صدرالدین صاحب سے عرض کر کے سکھوں کو ہر پلٹن سے نکلوا کر علیحدہ پلٹن سکھوں کی بنوائی تھی۔ چونکہ جواب خط مفتی صاحب اور مرزا صاحب کا نہیں آیا۔ میری عرضی کو محمول بہ خود غرضی کیا اور کام کے انجام میں کم توجہ کیا۔ اس واسطے پھر سکھ لوگ متفرق ہو کر اپنی اپنی پلٹنوں میں داخل ہو گئے۔

○ ۳۰/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۲۱۰: حکیم احسن اللہ خان، مفتی صدرالدین، مرزا الٰہی بخش اور بیگم زینت محل سب اپنی اپنی اہلیت کے مطابق انگریزی حکومت کی مدد کرنے کیلئے تیار ہیں یہ سب کشتیوں کے پلوں کو تباہ کریں گے۔

---

[1] مرجع میں یونہی ہے جبکہ درست مرزا امین الدین خان ہے۔

○ ار ستمبر، ''غداروں کے خطوط''، ص:۲۱۶: مفتی صدر الدین کو رقم کی فراہمی کیلئے دربار میں طلب کیا گیا تھا- اس نے وہاں جانے سے انکار کر دیا- اس نے بہت سے غازیوں کو چوبیس روپے روزانہ تنخواہ کا وعدہ کر کے اپنے ساتھ ملا لیا تھا- اس نے نہ صرف بادشاہ کو کوئی رقم دینے سے انکار کر دیا ہے- بلکہ دھمکی دی ہے کہ اگر اسے زیادہ مجبور کیا گیا تو وہ شاہی فوج کے خلاف لڑنے مرنے کیلئے تیار ہے- اس نے کہا ہے کہ وہ انگریزی فوج کی نسبت ان لوگوں کے خلاف جہاد کرنے کو ترجیح دے گا-

○ ۲ر ستمبر، ''غداروں کے خطوط''، ص:۲۲۰: مفتی صدر الدین کے گھر پر کل رات بارہ بجے تک جلسہ ہوتا رہا- انکا ایک وفد آج صبح بادشاہ سے ملنے گیا-

○ ۲ر ستمبر، ''غداروں کے خطوط''، ص:۲۲۲: فوجیوں کی تنخواہوں کی ادائیگی کیلئے ایک لاکھ روپیہ جمع کیا جائے گا- اسکے لئے مسلمانوں کی ذمہ داری مفتی کو اور ہندوؤں کی مکند لال کو دی گئی ہے- ان دونوں نے پندرہ دن کے اندر یہ رقم جمع کرنے کا وعدہ کیا ہے- انہیں پوری امید ہے کہ اس وقت تک انگریز دہلی فتح کر چکے ہونگے-

یوں سب سے آخر میں سہی مگر یہ بھی ساز باز میں کامیاب ہو گئے مگر انگریز اتنی سی خدمت پر راضی نہ ہوئے، غالباً اسی لئے جیسا کہ غالب نے ۱۹ر جنوری ۱۸۶۲ء کو اپنے مکتوب بنام احمد حسن مودودی میں لکھا: ''مولوی صدر الدین بہت دن حوالات میں رہے- کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا روبکاریاں ہوئیں- آخر صاحبانِ کورٹ نے جان بخشی کا حکم دیا- نوکری موقوف، جائیداد ضبط، ناچار خستہ و تباہ لاہور گئے- فنانشل کمشنر اور لفٹیننٹ گورنر نے از راہ ترحم نصف جائیداد واگزاشت کی- اب نصف جائیداد پر قابض ہیں- اپنی حویلی میں رہتے ہیں- کرائے پر معاش کا دار و مدار ہے''[1]

''اسباب سرکشئ ہندوستان''، ص:۱۰۷: پر ہے کہ مشہور ہے کہ چند آدمیوں نے فوج باغی بریلی اور اسکے مفسد ہمراہیوں کے جبر اور ظلم سے مہریں بھی کی تھیں-

---

[1] غالب اور انقلاب سن ستاون، ص:۱۶۲

''تاریخ عروجِ سلطنتِ انگلشیہ''، ص ۶۴۵/۵، پر ہے کہ---بخت خان نے جامع مسجد میں مولویوں کو جمع کر کے جہاد کے فتوے پر دستخط و مہریں انکی کرالیں، اور مفتی صدرالدین نے بھی اسکے جبر سے اپنی جعلی مہر کر دی۔

''مقدمہ بہادر شاہ ظفر''، ص:۲۵۶: پر حکیم احسن اللہ خان کا بیان ہے: ''کہ جہاں تک میں واقف ہوں کسی گورنمنٹ ملازم کی باغی حکومت کو کوئی درخواست نہیں آئی۔ بلکہ مفتی صدرالدین----وغیرہ کو بھی باغی حکومت نے شقے لکھے: کہ گورنمنٹ کی ملازمت چھوڑ کر ہماری ملازمت کرو۔ مگر انہوں نے منظور نہ کیا۔ جب بخت خان نے علمائے دین کو جامع مسجد میں اکٹھا کر کے مجبور کیا کہ بیان کریں کہ گورنمنٹ برطانیہ سے جہاد کرنا چاہیے، تو مجھے کہا گیا ہے کہ اس نے (بخت خان نے) مفتی صدرالدین کو مہر لگانے پر مجبور کیا تھا۔''

جبکہ حکیم بہاء الدین گوپاموی نے لکھا ہے: ''مفتی صدرالدین آزردہ صاحب صدرالصدور دہلی نے بھی علامہ کی خاطر سے فتوے پر ''شہدت بالحر'' لکھ کر دستخط کر دیے تھے۔ گرفتاری کے بعد مفتی صاحب نے بتایا کہ میں نے پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ جبراً دستخط کرنا پڑ رہے ہیں۔ ''بالحر'' پر نقطے نہ لگائے تھے۔ علمائے وقت نے اسے ''بالخیر'' پڑھا اور مفتی صاحب نے ''بالجبر'' بتا کر جان چھڑائی، البتہ جائیداد و املاک کا کافی حصہ ضبط کر لیا گیا۔''[1]

معلوم ہوا کہ یہ بات سچ ہے کہ مفتی صدرالدین نے فتوی جہاد پر مجبوراً دستخط کیے تھے، اور یہ بات بھی محقق ہے کہ صادق الاخبار والا فتوی وہ فتوی نہیں جس پر مفتی صدرالدین نے مجبوراً دستخط کیے تھے۔[2] بلکہ وہ بھی جہادِ آزادی کے دیگر فتوؤں کی طرح ابھی تک نہیں ملا۔

---

[1] مجموعہ مقالات، مرتبہ افضل قریشی، ص:۸۵

[2] اسلئے کہ انگریزوں سے انکی سازباز اس فتوے کے مرتب ہونے کے ایک عرصے بعد ہوئی۔

5.5.6- شہزادہ مرزا مغل:

شہزادہ مرزا مغل کا جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ نااہلی اور سستی سے عبارت ہے وہ جہادِ آزادی میں کوئی یادگار کارنامہ انجام دینے سے قاصر رہے۔شہزادہ مرزا مغل بادشاہ کے اس قدر معتمد اور فرمانبردار تھے کہ محاصرۂ دہلی کے چار ماہ میں بادشاہ نے تقریباً ہر مسئلہ پر انہیں ہی بلایا اور حل و تدارک پر مامور کیا۔افواج نے انہیں مئی جون ۱۸۵۷ء میں اپنا کمانڈر انچیف بنایا۔اگست کے شروع میں فوج کو تین ڈویژنوں میں تقسیم کر دیا گیا تو ان میں سے ایک ڈویژن کے سپہ سالار یہی تھے۔اگست کے آخری ہفتے انکو معزول کر دیا گیا مگر چند ہی دنوں میں انہوں نے اپنا اعتماد بحال کر والیا اور آغاز ستمبر میں پھر سپہ سالار بنا دیے گئے۔افواج کی تنخواہ و خوراک کے مخلصانہ انتظام میں سب سے زیادہ کوشاں اور سرگرم یہی رہے۔

شہزادہ مرزا مغل زیادہ بہادر نہ تھے،بعض مواقع پر دب بھی جاتے اور ایک موقع پر تو استعفاء بھی دے دیا۔شہزادہ صاحب،فراست و بصیرت بھی زیادہ نہ رکھتے تھے،اسی لئے نہ صرف غداروں اور جاسوسوں میں گھرے رہے بلکہ یہ لوگ انکے اچھے اقدامات میں مانع اور ہر لحہ انکے راز انگریزوں کو پہنچاتے رہے۔اگست کے آخر میں شہزادے پر مجاہدین کی طرف سے انگریزوں کی حمایت کا الزام بھی لگا،جس پر ان کا کورٹ مارشل ہوا اور یہ ہفتہ بھر اپنے عہدے سے معزول رہے۔جنرل بخت خان انکے سب سے بڑے مخالف اور دشمن رہے۔سقوطِ دہلی پر انہوں نے بادشاہ اور شہزادوں کی طرف سے گرفتاری پیش کرنے کا سن کر خود بھی مقبرہ ہمایوں جا کر گرفتاری دے دی۔مگر انگریزوں نے انہیں بھی گولی مار کر ہلاک کر دیا۔تفصیل ملاحظہ کیجئے:

O مئی،۱۸۵۷ء، Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,

P:3,4:فوجی افسروں نے شہزادوں کو اپنے کمانڈرز بنائے جانے کی خواہش کی اور مرزا مغل کو اپنا کمانڈر بنائے جانے پر اتفاق کیا۔

○ ۱۴؍مئی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۰۷، رپورٹ از معین الدین غدار: شہزادہ مرزا مغل سے دورانِ ملاقات میں میں نے یہ بات کہی کہ آپ اس پلٹن (جسکا میں کمانڈر مقرر ہوا ہوں) کو اپنے محافظی دستہ کے طور پر مقرر کرلیں اور انکے کرنیل بن جائیں، جس طرح سے آپ کے بھائی باقی پلٹنوں کے افسر بن گئے ہیں۔ انہوں نے میری تجویز کو منظور کرلیا اور بادشاہ سلامت سے ملاقات کے دوران میں ضروری احکام بھی حاصل کرلئے۔

○ ۲۰؍مئی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۱۵، رپورٹ از جیون لال:

حکیم نے درخواست کی کہ سپاہیوں کو شہر بدر کردیا جائے، ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے مرزا مغل کو حکم دیا گیا کہ طاقتور دستہ کے ساتھ میرٹھ کی جانب جائیں اور انگریزی فوج پر حملہ آور ہوں۔۔۔۔

○ ۱؍جون، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۲۸، رپورٹ از جیون لال: بادشاہ نے مرزا مغل بیگ، مرزا ابوبکر اور مرزا عبداللہ کو بلوا بھیجا اور سپاہیوں کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کرنے پر انہیں ڈانٹا اور آگاہ کیا کہ جب انگریز شہر میں داخل ہوجائینگے تو ایک نہ ایک دن تم کو پھانسی پر چڑھا دینگے۔

○ ۹؍جون، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۳۵، رپورٹ از جیون لال: مرزا مغل نے افواج کو حکم دیا کہ ہر وقت ہوشیار رہیں۔ لیکن آج کی لڑائی کے نتیجے میں فوج میں بددلی پھیل گئی، اگرچہ مرزا مغل نے فوجی احکام میں یہ بیان کردیا تھا کہ شطرنج کے رخ کی طرح میں اپنے مقام پر مضبوطی سے قائم ہوں، اور مجھے شکست کا کوئی اندیشہ نہیں، لیکن اسکے باوجود باغی حواس باختہ ہیں۔

○ ۱۸؍جون، ''غداروں کے خطوط''، ص:۹۹: شہزادہ مرزا مغل اور شہزادہ ابوبکر انگریزی فوج کیلئے آنے والی کمک کو راستے میں لوٹنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔

○ ۲؍جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۵۲، رپورٹ از جیون لال: جنرل بخت خان نے شاہزادہ مرزا مغل کے یہاں جاکر ملاقات کی اور بہت دیر تک مشورہ کرنے کے

بعد واپس آ گئے- محمد بخت خان کو جنرل کا خطاب دیا گیا---- مرزا مغل ایڈ جوائنٹ جنرل مقرر ہوئے----

○ ۳؍جولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۰۹: فوج نے مرزا مغل اور ابو بکر کو اپنا سردار منتخب کیا ہے-

○ ۵؍جولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۱۰: نیا بارود بنانے کیلئے مرزا مغل کی سرکردگی میں کافی زور و شور سے تیاریاں کی جا رہی ہیں-

○ جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۸۱، ۸۲، رپورٹ از معین الدین: نواب امین الدین اور نواب ضیاء الدین خان کے متعلق یہ خیال کیا گیا کہ وہ مالدار آدمی ہیں- (وہ بادشاہ سے ملاقات کیلئے آئے ہوئے تھے)- باغیوں کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ مرزا مغل امین الدین سے مل کر اظہار خوشنودی کریں اور بعد ازاں انہیں اپنے گھر مدعو کریں، باقی لوگ خود بخود وہاں پہنچ جائیں گے، اور ان سے روپیہ طلب کرینگے- چنانچہ مرزا مغل نے ظل سبحانی سے عرض کی کہ امین الدین خان کو میرے مکان پر جانے کی اجازت دیجئے کیونکہ مجھے ایک نہایت اہم مسئلہ پر ان سے رائے لینی ہے- بادشاہ نے اس درخواست کو امین الدین خان تک پہنچا دیا اور مرزا مغل نے بھی آ کر دوبارہ مدعو کیا بادشاہ کے اصرار سے امین الدین خان نے اپنے رشتہ داروں سمیت مرزا مغل کے یہاں جانا قبول کر لیا- وہاں جا کر انہوں نے دیکھا کہ باغی کثیر تعداد میں جمع ہیں---- ان واقعات کی خبر بادشاہ کی خدمت میں پہنچائی گئی اور وہ فوراً بنفس نفیس مرزا مغل کے یہاں تشریف لائے تا کہ خونریزی نہ ہونے دیں- بخت خان جو کمانڈر انچیف مقرر کر دیئے گئے تھے، پچاس سواروں کی معیت میں مرزا مغل کے مکان پر پہنچے-

○ جولائی، Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P,20
مرزا مغل نے رجمنٹوں کے تمام افسروں کی طرف سے عرضی بادشاہ کو بھیجی کہ جب تک کورٹ نہ بنائی گئی فوج کے امور کا انتظام نہ ہو سکے گا، اور یہ کہ درج ذیل افراد اسکے اہل

ہیں (بہت سے نام لکھے ہوئے تھے) اسکے جواب میں ایک پروانہ بھیجا گیا تھا۔[1]

- ۷رجولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۶۰: اعلیٰ ذات کے چند سپاہیوں نے بادشاہ سے شکایت کی کہ جنرل ہماری ضروریات پوری نہیں کرتے۔ انہوں نے درخواست دی کہ ہمیں مرزا مغل کی فوج میں داخل کردیا جائے۔۔۔۔

- ۱۱رجولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۶۵: بادشاہ اسکے بعد مرزا مغل کے پاس گئے اور ایک گھنٹہ تک نج کی گفتگو کرتے رہے۔

- ۱۵رجولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۷۱، رپورٹ از جیون لال: مرزا مغل نے آج بادشاہ کی خدمت میں نہایت اعلیٰ درجہ کی دوربین نذر کی۔۔۔ مرزا مغل اور بعض افسران بادشاہ کی خدمت میں طلب کیے گئے اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ ڈویژن کیلئے جنرل منتخب کریں۔

- ۲۲رجولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۸۱، ۱۸۲، رپورٹ از جیون لال: بعد ازاں جنرل بخت خان نے مرزا مغل سے ملاقات کی اور تجویز پیش کی کہ فوج کی عام پریڈ چند دن کے بعد منعقد ہونی چاہیے اور اس وقت ہر آدمی سے حلف لے لینا چاہیے کہ وہ آخر وقت تک انگریزوں سے لڑتا رہیگا۔۔۔ سہ پہر کو مرزا مغل اور دوسرے شہزادگان نے فصیلوں کے باہر فوج کا معائنہ کیا اور جنرل بخت کا حکم پڑھ کر سنایا گیا۔

- ۲۵رجولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۲۸: شہزادوں کو محاذ پر جا کر نہ لڑنے پر برا بھلا کہا جارہا ہے۔

- ۲۸رجولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۹۰: مرزا مغل نے اپنے گھر میں جنگی کونسل منعقد کی۔ انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ کی حفاظت کیلئے ۲۰۰ سوار متعین کیے اسکے بعد وہ اجمیری دروازے گئے۔

- ۳راگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۹۸ تا ۲۰۰، رپورٹ از جیون لال: مرزا مغل بیگ کے احکام کے مطابق فوج کے تمام افسر دربار میں شریک ہوئے، کچھ دیر تک

---

[1] ''غدر کے فرمان''، ص:۶۴، ۶۸ پر ہے کہ بادشاہ نے ایک طویل خط شہزادہ کو لکھ کر فوجی معاملات پر تمام افسروں کی آراء و تجاویز معلوم کرنے کو کہا۔

آخری معرکہ زیر بحث رہا---- مرزا مغل دو سواروں کے ساتھ سواری کیلئے نکلے اور جتنگھور تک جا کر واپس آ گئے---- مرزا مغل لالہ سنت لال کی اجازت لیکر میرے پاس تشریف لائے- میں (جیون لال، مصنف غدر کی صبح شام) نے انہیں بتا دیا کہ میرے پاس روپیہ کہاں---- مرزا مغل نے مجھ پر الزام لگایا کہ تم انگریزوں کے پاس خبریں بھیجتے ہو اور برہمنوں سے انگریزی راج کے ازسر نو قیام کی دعائیں منگواتے ہو اور بادشاہ کی شکست کے امیدوار رہتے ہو اور سپاہیوں کو "باغی" کے نام سے یاد کرتے ہو- انہوں نے کہا کہ "میں صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ مطلوبہ رقم میں کسی قدر کمی کر دوں-"

○ ۴راگست، "غدر کی صبح شام" ص:۲۰۰ تا ۲۰۲، رپورٹ از جیون لال:
بادشاہ نے افسروں اور مرزا مغل کو بلا بھیجا اور مؤخر الذکر کی تعریف کر کے یہ بات کہی کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ جس شخص نے منادی کی تھی وہ انگریزوں کا آدمی تھا، انہوں نے یہ کہا کہ میں نے مرزا مغل اور جنرل محمد بخت خان کو حکم دے گیا ہے کہ تمہیں اپنی کمان میں لے لیں اب تم پسند کر لو کہ کس کی کمان میں رہنا پسند کرتے ہو--- بادشاہ نے حرم سے مرزا مغل کے نام ایک خط بھیجا جس میں یہ تاکید کی گئی تھی کہ وہ حکیم احسن اللہ کی نگرانی رکھیں اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے دیں--- فوج کو تین بریگیڈوں میں مرزا مغل، جنرل محمد بخت خان اور غوث محمد خان کی سرداری میں منقسم کر دیا گیا-

○ ۷راگست، "غدر کی صبح شام" ص:۲۰۷: رپورٹ از جیون لال: بادشاہ نے پھر مرزا مغل کو حکم دیا کہ حکیم احسن اللہ کی حفاظت کی جائے اور انکے مکان کو لوٹ مار سے بچایا جائے- مرزا نے احکام کی تعمیل کی کوشش کی مگر زیادہ کامیابی نہ ہوئی---- مرزا مغل چند سواروں کے ساتھ موقع واردات پر پہنچ گئے اور لٹیروں کو مار بھگایا- زیادہ حفاظت کی غرض سے وہ چودہ اونٹوں، دو گاڑیوں اور تین ٹھیلوں میں حکیم کا ذاتی سامان اٹھوا لائے اور اسے قلعہ میں رکھوا دیا-

○ ۷راگست، "غدر کی صبح شام" ص:۲۰۸ تا ۲۱۰، رپورٹ از جیون لال: پھر ہمیں (غدار جیون لال اور دیگر کو) مرزا مغل کے روبرو پیش کیا گیا (اور روپوں کا مطالبہ

کیا گیا) مرزا الٰہی بخش نے (جو کہ غدار ہے فوراً پہنچا اور جیون لال کو دلاسا دیکر) مرزا مغل سے درخواست کی کہ جج کی ملاقات کیلئے وقت دیا جائے۔ (انہیں میری غربت اور انگریزوں کی فتح کی صورت میں میرے مفید ہونے کے دلائل دیے)۔ مرزا مغل نے جواب دیا کہ یہ انگریزوں کو خبریں بھیجتا ہے اور انکی کامیابی کیلئے دست بدعا رہتا ہے۔۔۔۔ جو زیورات سپاہیوں نے میرے مکان سے ضبط کیے تھے۔ انہیں مرزا مغل کی خدمت میں پیش کیا گیا بقیہ کا مطالبہ کیا گیا۔ بالآخر مجھے انکے ساتھ جانے کی اجازت دیدی گئی۔

○ ۸/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۵۱: مرزا مغل اور جنرل بخت خان آج کل ایک دوسرے کے جانی دشمن بنے ہوئے ہیں۔ آج مرزا مغل نے سب کے سامنے جنرل بخت خان کی شکایت کی۔ اس دشمنی کی سب سے بڑی وجہ بخت خان کا سپہ سالار بننا ہے۔ اگر جنرل بخت خان کا بریگیڈ تباہ بھی ہو رہا ہو تو مرزا مغل اسکی مدد کو نہیں آئیں گے۔۔۔۔ مرزا مغل جنگ کا معائنہ کرنے آج محاذ پر گئے۔

○ ۱۱/اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۱۴: مرزا مغل نے شہر کے باہر فوجی پریڈ کا معائنہ کیا۔

○ ۱۳/اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۱۵: مرزا مغل کو حکم دیا گیا کہ حسن علی خان کی چیزیں واپس دلوادی جائیں۔۔۔ مرزا مغل اور دوسرے اشخاص قلعہ کے گارد روم میں جمع ہوئے اور کچھ دیر تک باہم مشورہ کرتے رہے۔

○ ۱۳/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۵۶: مرزا مغل کے سپہ سالار بننے سے دوسرے جرنیل خصوصاً جنرل بخت خان کافی ناخوش ہیں۔

○ ۱۵/اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۱۷: مرزا مغل کی صدارت میں قاتل کے مقدمہ کی سماعت کرنے کی غرض سے کورٹ مارشل ہوا۔

○ ۱۵/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۵۹: مرزا مغل کی فوج کو ایک مہم پر کامیابی ہوئی اور وہ دولت سے مالا مال لوٹے۔ جنرل بخت خان کہتے ہیں انکو خوشی ہوتی اگر اس جنگ میں مرزا مغل کی تمام فوج ختم ہو جاتی کیونکہ انکی وجہ سے اسکی اپنی فوج پست دل ہو

گئی ہے۔اس جھڑپ کے بعد سب سپاہی ایسا سوئے کہ خطرے کی خبر دینے کیلئے جگانے پر بھی نہ جاگے۔

- ۱۶/اگست، ''غداروں کے خطوط'' ص:۱۶۵: مرزا مغل نیچہ فوج کو روپے پیسے کا لالچ دیکر متحدر کھتے ہیں۔
- ۱۶/اگست، ''غدر کی صبح شام'' ص:۲۱۸، ۲۱۹: مرزا مغل کو اطلاع ملی کہ انگریزوں کی بڑی باتری میں بہت کم آدمی رہ گئے ہیں ---مرزا مغل نے اپنی ساری فوج کو مجتمع ہونے کا حکم دے دیا ---لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا مغل کو اطلاع غلط دی گئی تھی اسلئے کہ سپاہیوں پر ایسی شدید گولہ باری ہوئی کہ انکے بہت سے آدمی مارے گئے۔
- ۱۷/اگست، ''غدر کی صبح شام'' ص:۲۱۹: مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان نے روسائے شہر سے فوج کی تنخواہ کیلئے تین لاکھ روپے کی رقم طلب کی۔
- ۱۸/اگست، ''غدر کی صبح شام'' ص:۲۲۰، ۲۲۱: مرزا امین الدین خان اور دیگر مرزا مغل کی خدمت میں حاضر ہوئے اور روپے کی ادائیگی سے معذوری کا اظہار کیا، جس پر مرزا مغل نے امین الدین کی جانب اشارہ کر کے اپنے چوبدار سے کہا کہ ''اسے گرفتار کرلو اور جب تک وہ روپیہ نہ دے اسے گارد میں رکھو'' ----امین الدین نے محل میں جا کر بادشاہ سے کہا کہ روپیہ دینے کے مقابلے میں میں مرنے کو ترجیح دیتا ہوں۔بادشاہ نے انہیں تسلی دی اور جنرل بخت خان نے کہا کہ مطالبہ غیر منصفانہ ہے۔
- ۱۸/اگست، ''غداروں کے خطوط'' ص:۱۷۹: الیگزینڈر رجمنٹ مرزا مغل کو تنخواہ کی عدم ادائیگی کی بنا پر قتل کرنے گئی تھی۔مرزا مغل ان سے ڈر کر روپوش ہو گئے ہیں، اور بادشاہ کو اپنا استعفاء بھیج دیا ہے۔
- ۱۹/اگست، ''غدر کی صبح شام'' ص:۲۲۲: مرزا مغل نے مہاجنوں سے جو ایک ہزار روپیہ جمع کیا تھا اسے بھیجا اور یہ کہلا بھیجا کہ بادشاہ اور انکے وزراء فوج کی تنخواہ کے مسئلہ پر غور وخوض کررہے ہیں ----مرزا مغل جلدی سے الہ ناتھ مہاجن کے مکان پر گئے اور ان کا سپاہیوں سے پیچھا چھڑایا۔

○ ۲۰ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۲۳، جنرل گوری شنکر (غدار و جاسوس) اور جنرل طالع یار خان ایک سکھ قیدی کو گرفتار کر کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے---- اس قیدی کی گفتگو سن کر بادشاہ نے کہا کہ یہ شخص جاسوس معلوم ہوتا ہے----اس شخص نے سوالات کا جواب دیتے وقت کچھ جنون کی سی حالت اختیار کر لی اور کہا کہ میں تو مرزا مغل اور سعید علی خان سے ملاقات کرنے کی غرض سے آیا ہوں----

○ ۲۰ر اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۸۱: ماسوائے مرزا مغل کے، باقی تمام شہزادے روپیہ پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے کافی تنگدست ہیں۔

○ ۲۰ر اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۸۲: شہزادے موقع ملتے ہی انگریزی کیمپوں کا رخ کرنا چاہتے ہیں

○ ''غدر کے فرمان''، ص:۱۷-۱۸: پر احسان الحق کی بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے نام درخواست ہے جس میں شہزادوں کی شکایت ہے اور بتایا گیا ہے کہ شراب نوشی اور فاحشہ عورتوں کے پاس جانا (جنگ کے دنوں میں بھی) شہزادوں کا روزانہ کا معمول ہے۔

○ ۲۲ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۲۶: بادشاہ نے مہاجنوں سے فرمایا کہ مرزا مغل کے پاس جاؤ۔

○ ۲۳ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۲۷: بادشاہ نے سہ پہر کو تمام افسروں کے نام اس مضمون کا حکم نافذ کر دیا کہ آئندہ شاہزادہ مغل یا کسی اور جنرل کا حکم تسلیم نہ کیا جائے اسلئے کہ بادشاہ نے بارہ اشخاص کی ایک کمیٹی، محاصرہ کے دوران میں کارروائی کرنے کی غرض سے مرتب کر دی ہے----جنرل محمد بخت خان نے فوج کے تمام بڑے بڑے افسروں اور مرزا مغل کی موجودگی میں قرآن پر قسم کھائی کہ میں انگریزوں کے ساتھ کسی قسم کا نامہ و پیام نہیں کر رہا ہوں۔

○ ۲۳ر اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۸۹: مرزا مغل کے ایک ملازم مان سنگھ (ایک جاسوس کا نام بھی مان سنگھ تھا) کی پوری جائیداد کو ضبط کر لیا گیا، اور اسکا اخبار بھی بند کر دیا گیا۔معلوم نہیں یہ لوگ اب اسکے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔[1]

---

[1] غدر کی صبح شام، ص:۲۲۸ پر بھی ۲۳ر اگست کی رپورٹ میں مان سنگھ کی گرفتاری کا ذکر ہے۔

○ ۲۳؍اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۹۰: مرزا نے اپنی فوج کو باغپت روانگی کیلئے تیار رہنے کا حکم دیا ہے، سکھوں کو اکٹھا کر کے شہر کے دروازوں پر مامور کیا گیا۔ دوسرے سپاہی ناراض ہیں اور مرزا مغل کی وفاداری پر شک کیا جا رہا ہے۔ انکا خیال ہے کہ مرزا مغل چاہتے ہیں کہ تمام فوجوں کے باہر جانے کے بعد مقابلے پر کوئی نہ ہو، خود انگریزوں سے جا ملیں اور وہ شہر میں داخل ہو جائیں، اور اسکے صلے میں انکو دہلی کا بادشاہ مقرر کر دیا جائے۔

○ ۲۳؍اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۹۱: مرزا مغل کے خلاف ان الزامات کی تفتیش کیلئے آج ایک تحقیقی کمیٹی کا اجلاس ہوا (خیال رہے کہ ۲۴، ۲۵؍اگست کی رپورٹ میں جاسوس تراب علی نے، مرزا الٰہی بخش اور مفتی صدرالدین کے ذریعے سکھوں کی علیحدہ پلٹن بنوانے کی سازش کی کامیابی اور سکھوں کے پھر متفرق ہو جانے کا ذکر کیا ہے مگر یہ تفصیل نہیں ملتی کہ مرزا مغل نے انکے ایماء پر ایسا کیا یا نادانستہ۔ بہر حال اسکا انجام درج ذیل ہوا۔

○ ۲۵؍اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۲۹: مرزا مغل کسی وجہ سے ناراض ہو گئے اور اپنے مکان سے باہر نہیں نکلے۔

○ ۲۵؍اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۹۶: چنانچہ مرزا مغل بیگ کا اعتبار کورٹ سے کم ہو گیا اور اسکو اس میں مطلق دخل نہیں رہا۔[1]

○ ۲۶؍اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۳۱: نیمچ فوج کی شکست اور انگریزی فوج کے علی پور جانے کی خبر سن کر بادشاہ نے دار الشوری میں حسب ذیل اشخاص کو طلب کیا، مرزا مغل ---، مشورے کے بعد فوجوں کی روانگی کا حکم دیا --- اس اثنا میں مرزا مغل فوج لیکر انگریزی لشکر پر حملہ آور ہونے کی نیت سے روانہ ہو چکے تھے، لیکن حملہ کیے بغیر واپس آ گئے۔ راستہ میں صرف ۱۷ آدمی مارے گئے۔ مرزا مغل نے مختلف باتریوں میں جو توپیں نصب کی تھیں۔ وہ تمام دن گولہ باری کرتی رہیں۔

---

[1] کدار ناتھ کی ڈائری، ص:۵۵ پر ۲۹؍اگست کی رپورٹ ہے کہ یہ افواہ ہے کہ مرزا مغل کو اسکے عہدے سے ہٹا دیا گیا ہے۔

○ ۲۷/اگست، ''غداروں کے خطوط''،ص:۲۰۰: مرزا مغل اپنی ساری فوج کو لیکر انگریزی کیمپ پر ٹوٹ پڑا- بادشاہ کا ذاتی دستہ، امراء کی فوجیں وغیرہ بھی مرزا مغل کے ساتھ تھیں-

○ ۲۸/اگست، ''غداروں کے خطوط''،ص:۲۰۲: مرزا کا بریگیڈ مورچوں پر گیا-

○ ۲۹/اگست، ''غداروں کے خطوط''،ص:۲۰۴: مرزا مغل نے کوتوال شہر کے ذریعے دوکانداروں کو کہلوایا کہ وہ فوجیوں کو سامان خوردونوش مہیا کریں- تنخواہوں کے ملنے پر انکو ادائیگی کردی جائیگی- مگر اس حکم کی تعمیل نہ ہوئی-

○ ۲۹/اگست، ''غدر کی صبح شام''،ص:۲۳۴: بادشاہ نے مرزا مغل کے نام حکم بھیجا کہ رام جی داس سے مزید روپیہ نہ طلب کیا جائے، اس لئے کہ وہ اپنا حصہ ادا کر چکے ہیں-

○ ۳۱/اگست، ''غدر کی صبح شام''،ص:۲۳۸: مرزا مغل ۱۰۰ سواروں کے دستہ کے ساتھ فوج کا معائنہ کرنے کیلئے گئے- انکی آمد پر فوج نے سلامی کے طور پر تین باڑھیں سرکیں- اس پر شہر میں کھلبلی مچ گئی-

○ یکم ستمبر، ''غداروں کے خطوط''،ص:۲۱۵: بریلی بریگیڈ کے افسر جنرل بخت خان وغیرہ اور مرزا مغل ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں، ممکن ہے یہ مرزا مغل کو قتل کردیں-

○ ا/ستمبر، ''غدر کی صبح شام''،ص:۲۳۸: احسن اللہ خان، مرزا امین الدین خان، مرزا ضیاء الدین خان---- نے شکایات پیش کیں کہ مرزا مغل اور مرزا خضر نے شہر کے باشندوں سے کئی لاکھ روپیہ حاصل کرلیا ہے- اور اس میں سے فوج کو کچھ نہیں دیا--- شہزادوں کو مطلع کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے صرف چالیس ہزار روپیہ وصول کیا ہے اور یہ بالکل غلط ہے کہ ہم نے تین لاکھ روپے حاصل کیے ہیں-[1]

○ ۲/ستمبر، ''غداروں کے خطوط''،ص:۲۲۰: اس دن جب فوج کے اکثر افسروں نے تنخواہ کیلئے ہنگامہ کھڑا کیا اور بڑی پریشان کن صورتحال پیدا ہوگئی تو مرزا مغل نے چالیس ہزار روپے کا فوری بندوبست کیا اور افسروں سے درخواست کی کہ وہ یہ رقم اپنی تنخواہ کی پہلی قسط کے طور پر لے لیں-

---

[1] کیدار ناتھ کی ڈائری،ص:۵۵ پر یکم ستمبر کی رپورٹ بھی یہی ہے-

- ۲؍ستمبر، ''غداروں کے خطوط''، ص:۲۲۲: مرزا مغل کو دوبارہ سپہ سالار مقرر کر دیا گیا
- ۳؍ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۴۱: انگریزی لشکر کے بھاگے ہوئے پالکی بردار نے مرزا مغل کو ایک پستول پیش کیا، جسکی قیمت ۱۰۰ روپے ہوگی-مرزا مغل، مرزا الٰہی بخش، حکیم عبدالحق اور میر سعید علی خان نے کانفرنس منعقد کی- جسمیں بہت دیر تک فوج کو تنخواہ دینے کے مسئلے پر بحث ہوتی رہی----
- ۵؍ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۴۵: نصیر آباد کی فوج کا کچھ حصہ غازی آباد، لگان وصول کرنے کی غرض سے بھیجا گیا لیکن مرزا مغل نے جانے سے روک دیا-
- ۷؍ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۴۸: احکام نافذ کرنے کے بعد بادشاہ نے مرزا مغل کو ہدایت کی کہ روپیہ جمع کرنے میں نہایت دانشمندی کام میں لائیں اور یہ کہ منادی کے ذریعہ شہر والوں کو شاہی احکام کی اطلاع دے دیں-
- ستمبر، Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P:28: شہزادہ مرزا مغل نے بادشاہ سے عرض کیا کہ اگر بادشاہ خود سوار ہو کر پہاڑی پر حملہ کیلئے نکلیں تو تمام شہرا نکے ساتھ ہوگا اور انہیں مکمل فتح ہوگی- بادشاہ نے جواب دیا: مجھ میں ایسا کرنے کی ہمت نہیں-
- ۱۱؍ستمبر، Kedarnath's Diary,P:57: مرزا مغل ہزار سواروں کے ساتھ علی پور گئے ہیں تاکہ اس جانب سے حملہ کر سکیں-
- ۱۲؍ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۵۱: مرزا مغل نے کشمیری دروازہ کے گاردوں کا معائنہ کیا-
- ۱۴؍ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۵۴: مرزا مغل نے محل کی تمام فوجوں کو حکم دیدیا کہ مدافعت میں شریک ہوں-

5.5.7-جنرل بخت خان:

جنرل بخت خان توپ خانے کے افسر تھے- وہ ۲؍جولائی ۱۸۵۷ء کو پانچ رجمنٹوں کے ساتھ دہلی آئے تو انکا استقبال کیا گیا- بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے باوجود انکی

درباری آداب کی خلاف ورزی کے، انکی عزت افزائی کی اور بہادری کی تعریف کی، قربت سے نوازا۔ ساتھ آنے والی فوج کی ضیافت کا اہتمام کیا۔ جبکہ جنرل بخت خان نے کوئی نذر پیش نہ کی اور اسی دن شہزادوں کو ہٹا کر خود کو کمانڈر انچیف بنائے جانے کا مطالبہ کیا۔ جسے بادشاہ نے فوراً پورا کیا۔ جبکہ انکے ساتھ آئے ہوئے مولوی سرفراز علی وغیرہ نے انکے لیے تلوار اور ڈھال وغیرہ کا مطالبہ کیا۔ تو بادشاہ نے پاس نہ ہونے کی وجہ سے کارخانے سے منگوا کر جنرل بخت خان کو تلوار اور ڈھال عنایت کی اور جنرل کا خطاب دیا۔ تین ہفتوں بعد جنرل بخت نے گورنر جنرل کا خطاب مانگا۔ بادشاہ نے وہ بھی دے دیا، اور مستقبل کیلئے مزید وعدے لیے جو بادشاہ نے ان سے کیے۔ الغرض انکے چھوٹے بڑے تمام مطالبات مانے گئے۔ انکو بلا شرکت غیرے تمام تر اختیارات دیے گئے۔ فوج نے آخر دم تک لڑنے کے حلف اٹھائے شہزادہ مرزا مغل بھی تعاون کرتے نظر آئے۔ ان پر پورا اعتماد کیا گیا۔ شاہی مطبخ سے خوان بھجوانے وغیرہ جیسی عنایات بھی جاری رہیں۔ جنرل کے دو قریبی مولوی ہمیشہ بادشاہ کے مشیر رہے۔ مگر نتائج اسکے برعکس حاصل ہوئے۔

جنرل بخت کی نااہلی کی شکایت آئی۔ پھر انکی سستی کی شکایت آئی۔ بالآخر انکے انگریزوں سے ملے ہونے کی شکایت آئی۔ جنرل بخت خان شہزادوں کے مخالف رہے۔ اپنے ساتھ لایا ہوا خزانہ دیگر رجمنٹوں کی طرح شاہی خزانے میں جمع نہ کروایا۔ مختلف ریاستوں اور افراد سے روپے کے حصول کیلئے کوشاں رہے۔ جب انگریز دہلی کا محاصرہ کر رہے تھے تو یہ فوج کی تنخواہ کا مطالبہ کر رہے تھے اور پورا نہ کیے جانے کی صورت میں دہلی چھوڑنے کو تیار تھے اور انکے سرکردہ ساتھی بدلتے حالات دیکھ کر ساز و سامان سمیت کوچ بھی کر گئے۔ اسکے باوجود بادشاہ نے انکے بارے میں حسن ظن ہی رکھا اور انکی دل جوئی بھی کی۔ ان سے بڑی امیدیں اور توقعات وابستہ رکھیں۔ مگر جنرل بخت خان نے صرف اپنی اہلیت و بہادری کے دعوے اور زبانی جمع خرچ کیا۔ سوائے دو تین چھوٹی کامیابیوں کے، محاذ دہلی پر جنرل بخت خان نے بھی ایسی کوئی قربانی نہ دی جو فتح کا باعث بنتی بلکہ فوج کشی نہ کرنے کی وجہ سے انگریزوں کو شہر پر کامیابی کے ساتھ حملہ کرنے کیلئے ضروریات جمع کرنے

کا پورا موقع ملا اور انہوں نے دہلی پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور تن من وارنے کیلیئے آئے ہوؤں کی قربانیاں بھی اکارت گئیں۔

اسکی دو ہی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ایک انگریزوں سے ساز باز رکھنا، دوسرا نااہل و سست ہونا۔پہلی وجہ خود جنرل بخت خان کے قرآن پر حلف اٹھانے، محاذِ دہلی کے بعد بھی جہاد جاری رکھنے اور معاصر مآخذ سے ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے غلط قرار پاتی ہے۔جبکہ دوسری وجہ دیگر فوجی راہنماؤں صوبہ دار قادر بخش، جنرل غوث محمد خان وغیرہ کی جنرل بخت خان کے بارے میں رائے، جنرل بخت خان کی اپنے عہدے سے تنزلی اور معاصر مآخذ و مصادر کی شہادت کی روشنی میں درست قرار پاتی ہے۔تفصیل ملاحظہ کیجئے:-

○ ۲؍جولائی، ۱۸۵۷ء، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۵۱ تا ۱۵۴، رپورٹ از جیون لال:

نواب احمد قلی خان (ملکہ زینت محل کا والد) بریلی والی فوج کا استقبال کرنے کیلیئے گئے۔۔۔محمد قلی خان اور بریلی کی فوج کے کمانڈر محمد بخت خان نے فوج کو مصروف رکھنے کے متعلق احکام حاصل کیے۔۔۔۔محمد بخت خان نے کمانڈر انچیف کے طور پر اپنی خدمات پیش کیں تاکہ فوج میں ڈسپلن قائم کیا جا سکے۔بادشاہ نے ان سے اظہار مودت و دوستی کیلیئے مصافحہ کیا۔فوجوں کے پاس واپس جا کر بخت خان نے صوبہ داروں کو اطلاع دی کہ بادشاہ نے میری خدمات کو منظور کر لیا ہے اور ان سے پوچھا کہ تم کس کے احکام ماننا چاہتے ہو۔سب صوبہ داروں نے محمد بخت خان کے ہاتھ پر اطاعت کے حلف اٹھائے۔دربار کے بعد بادشاہ نے جنرل کو نج میں باریابی دی جنرل نے کہا میں بھی آپکے خانوادہ سے ہوں اور بادشاہ سے کہا کہ اپنا اطمینان کرنے کی غرض سے آپ تحقیقات فرما سکتے ہیں۔بادشاہ نے جواب دیا کہ تحقیقات کی ضرورت نہیں ہے اسلیئے کہ اس وقت جنرل سے اور کوئی بڑا آدمی موجود نہیں ہے۔جنرل نے جواب میں عرض کیا کہ ''میں بہادر کے خطاب کا حق دار ہو جاؤں گا، اگر میں دہلی اور میرٹھ سے انگریزوں کو نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔''

جنرل بخت خان نے شاہزادہ مرزا مغل کے یہاں جا کر ملاقات کی اور بہت دیر تک مشورہ کرنے کے بعد واپس آ گئے۔محمد بخت خان کو جنرل کا خطاب دیا گیا اور ساتھ ہی

ایک ڈھال اور تلوار بھی عطا ہوئی اور انہیں تمام افواج کا کمانڈر انچیف مقرر کر دیا گیا، منادی کرادی گئی کہ پلٹنوں کے تمام افسروں کو ہدایات لینے کی غرض سے محمد بخت خان کے پاس جانا چاہیے۔مرزا مغل ایڈ جوائنٹ جنرل مقرر ہوئے۔محمد بخت خان نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ اگر کسی شہزادہ نے شہر کو لوٹنے کی کوشش کی تو میں اسکی ناک اور کان کاٹ دونگا۔بادشاہ نے جواب دیا کہ "تمہیں پورے اختیارات حاصل ہیں جو بہتر سمجھو کرو۔"

-----فوج کو چھ مہینے کی پیشگی تنخواہ دے دی گئی۔محمد بخت خان نے کہا کہ میرے پاس چار لاکھ روپے موجود ہیں اور کہا کہ میں اب بادشاہ کو مزید امداد حاصل کرنے کے غرض سے تکلیف نہ دونگا، اور اگر میری فوجیں کامیاب ہوئیں تو میں زائد روپیہ خزانہ میں داخل کرونگا۔بادشاہ نے بریلی کی فوج کی ضیافت کیلئے چار ہزار روپے دیے-----رات کے آٹھ بجے جنرل بخت خان نے بادشاہ سے ملاقات کی اور انکے ساتھ زینت محل، حکیم احسن اللہ خان اور احمد قلی خان کے ساتھ بہت دیر تک مشورہ کرتے رہے۔

O ۲ر جولائی، ۱۸۵۷ء، Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan, P:16: بخت خان اپنے رسالداروں اور افسروں کے ساتھ دربار میں حاضر ہوا اور درباری آداب کا بالکل خیال نہ کیا۔بادشاہ جز بز ہوئے، مگر اسکی فوج کی بہادری کی تعریف کی، رسالدار محمد شفیع اور مولوی امداد علی نے کہا کہ حضور کو چاہیے کہ وہ بخت خان کو تلوار اور ڈھال عنایت فرمائیں کہ وہ اسکا مستحق ہے ایسی حمایت ایسے ہی چیف کو زیبا ہے پہلے تو بادشاہ نے ان چیزوں کے حاضر نہ ہونے کی بنا پر عذر کیا مگر پھر انکے مصر رہنے پر کارخانے سے منگوا کر بخت خان کو عطا کر دیں۔مگر اسکے باوجود اس نے بادشاہ کے حضور کوئی نذر نہ پیش کی۔اس (بخت خان) نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے شہزادوں کو فوج کا مختار بنا دیا ہے یہ غلط ہے، اختیارات مجھے دیجئے میں درست انتظام کروں گا۔یہ لوگ انگریزی فوج کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ بادشاہ نے کہا، کہ شہزادوں کا تقرر افسران فوج کی خواہش پر ہوا ہے۔

O ۲ر جولائی، "غداروں کے خطوط"، ص: ۱۰۷: روہیل کھنڈ کی فوج نے بادشاہ سے

دشمن کے دشوار ترین مورچوں پر حملے کی اجازت مانگی اور کہا کہ وہ ان مورچوں کو آسانی سے فتح کرے گی۔

۳رجولائی، Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan, P:18:

اگلے روز مولوی سرفراز علی (بخت خان کا مرشد) اور منشی خیرات علی آئے اور درخواست کی کہ جنرل کا خطاب بخت خان کو مرحمت کیا جائے صرف اسی صورت میں تمام فوج اسکا حکم مانے گی اور فوج میں موجود برائیوں کا بہتر علاج ممکن ہوگا۔منشی نے ایک کاغذ دیا جس پر تحریر تھا کہ محمد بخت خان کو تمام افواج کا گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف مقرر کر دیا گیا ہے بادشاہ نے دستخط کیے۔حکم جاری کر دیا گیا اور رات کو تقریب ہوئی۔[1]

O ۳رجولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۵۴، ۱۵۵: شہر والوں کی طرف سے بادشاہ کی خدمت میں عرضی پیش کی گئی جس میں یہ شکایت درج تھی کہ جنرل بخت خان نے ہمیں اپنے گھر پر بلایا اور طلبی کے سمن پولیس کی وساطت سے بھیجے جس سے ہمیں تکلیف پہنچی اور ہماری توہین ہوئی ---- جنرل سے جواب طلب کیا گیا انہوں نے کہا کہ میں نے شہر کے مہاجنوں کو طلب نہیں کیا تھا بلکہ پولیس کو انکے پاس اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہ اپنے تئیں مسلح رکھیں۔[2] آج کے دن بادشاہ نے بخت خان کے نام احکام جاری کئے کہ میرے ملازمین کو تنخواہ دینے کا انتظام کیا جائے۔جنرل کو اختیار دیا گیا کہ لوٹنے والے اشخاص پر جرمانہ کر دو اور مظلوم اشخاص کو تاوان دلاؤ۔سول انتظام پولیس اور مالگزاری کے انتظامات بھی انہی کے ہاتھ میں دے دیئے گئے۔ایک حکم کے ذریعے شاہزادگان کو تمام فوجی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا گیا ---- جنرل اپنے اسٹاف سمیت محل میں چلے گئے ان کے ساتھ دو یورپین سارجنٹ بھی تھے۔جنرل نے کہا کہ یہ دونوں یورپین بریلی سے ساتھ ہو گئے ہیں اور بہت مفید ثابت ہوئے ہیں۔یہ بھی بیان کیا گیا کہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ ہندوستانیوں کو بریلی میں توپ کے منہ سے نہیں اڑوایا گیا۔

---

[1] کدار ناتھ نے اپنی ڈائری ص:۴۶ میں ۳رجولائی کو اسی واقعہ کو رپورٹ کیا ہے حکیم صاحب نے دیگر واقعات کی طرح اسکی بھی کوئی تاریخ ذکر نہیں کی۔جبکہ انکی یادداشت میں موجود قرائن سے ۵رجولائی بنتی ہے۔

[2] Memoirs of Hakim Ahsanullah, P:19 پر بھی یہ واقعہ ہے۔

○ ۴؍جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۵۶: جنرل بخت خان کو فرزند کا خطاب عطا ہوا-----جنرل بخت خان نے منادی کرادی کہ تمام باشندے چاندنی چوک میں جمع ہو جائیں جہاں انہیں ایک حکم پڑھ کر سنایا جائیگا-----حکم سننے کی غرض سے ۲۰؍ہزار آدمیوں کا اجتماع ہوا لیکن جنرل کے واپس آنے سے پہلے ہی لوگ منتشر ہو گئے۔[1]

○ جولائی، Memoirs of hakim Ahsanullah Khan,P:20
اسکے بعد بخت خان نے بادشاہ کو ایک عرضی میں لکھا ''مولوی سرفراز علی جہادیوں کے سربراہ ہیں-تمام مسلمانوں اور اہلِ شہر کو اسکے پاس جانے کیلئے کہا جائے، اور حضور کو چاہیے کہ وہ حکیم احسن اللہ خان، مولوی محبوب علی اور مولوی صدرالدین کو حکم دیں کہ وہ مولویوں اور شہر کے شرفاء کے ساتھ جہاد پر جائیں-''

○ ۵؍جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۵۷: جونا پور سے باغیوں کی پانچ کمپنیاں آئیں اور اطلاع دی کہ مان سنگھ نے ۵ ہزار سپاہی جمع کیے ہیں جو ہر طرح سے مسلح ہیں اور انہیں جنرل بخت خان کے زیر قیادت دیدیا ہے-خبر ملی کہ انگریزوں نے چندراولی کے مقام میں اپنی باتری نصب کی ہے جنرل بخت خان نے ذخائر پر قبضہ کرنے کی غرض سے فوج بھیجی جس نے ۲۰ گاڑیاں گرفتار کیں-

○ جولائی، ۱۸۵۷ء، Memoirs of Hakim Ahsanullah, P:18: اگلے روز کچھ افسران نے بادشاہ کو ایک لمبی عرضداشت پیش کی کہ بخت خان توپ خانہ کا افسر تھا آپ نے اسے گورنر جنرل کا خطاب عطا فرمادیا ہے، اور تجویز کیا ہے کہ ہم سب کو اسکے زیر حکم کردیا جائے یہ حکومتی قوانین کے برعکس ہے وہ ایسے اعتماد کے قابل نہیں ہے آپ نے اپنے بیٹوں کو ہٹا کر اسے مقرر کردیا ہے، اس سے ہم خوش نہیں-

○ ۵؍جولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۱۰: روہیل کھنڈ اور نصیر آباد کی فوج نے کمانڈر انچیف کے مشورہ پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا اور طے پایا کہ مہو اور نیمچہ فوج کے آنے پر انگریزوں پر جان توڑ حملہ کریں گے-

---

[1] کدارناتھ کی ڈائری، ص:۲۶، پر اسی تاریخ کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ لوگ انتظار کرتے رہے مگر کوئی بھی نہ آیا-

○ جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۸۲، رپورٹ از معین الدین: بخت خان جو کمانڈر انچیف مقرر کردیئے گئے تھے، پچاس سواروں کی معیت میں مرزا مغل کے مکان پر پہنچے اور باغیوں کی سخت گوشمالی کی، بخت خان اور اسکے محافظ سپاہیوں کی زیر حفاظت امین الدین خان شہزادہ کے مکان سے روانہ ہوئے اور اپنے گھر بحفاظت تمام پہنچ گئے۔ انہوں نے شہر چھوڑ دینے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ بلاشبہ ان کی نسبت فوراً یہ گمان کرلیا گیا کہ وہ انگریزوں سے جاملیں گے۔ کشمیری دروازہ پر باغی محافظ دستہ نے انہیں ٹوکا اور نشانہ بندوق بنادیے جانے کی دھمکی دی۔ باہر نہ جاسکنے کی صورت میں وہ اپنے گھر لوٹ آئے۔

○ ۶ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۵۸، ۱۵۹: اس بات کی بھی شکایات کی گئیں کہ جنرل نے اپنی فوج کے لیے تو رسد کا انتظام کرلیا ہے مگر باقی فوج کیلئے کچھ نہیں کیا۔ بادشاہ نے شکایت کرنے والے اشخاص کو جنرل بخت کے پاس بھیج دیا---- جنرل کے پاس سے دو عریضے موصول ہوئے جن میں ان تکالیف کا ذکر درج تھا جو افواج کو ناموافق موسم کی وجہ سے اٹھانی پڑ رہی ہیں---- بادشاہ نے جنرل بخت خان کو بلوایا مگر کام کی غیر معمولی مصروفیت کے باعث وہ حاضر ہونے سے معذور رہے---- انگریزی فوج کے تین جاسوس جنرل بخت خاں کے روبرو پیش کیے گئے جنہیں وہیں قتل کردیا گیا۔

○ ۷ر جولائی ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۶۰، ۱۶۱: اعلیٰ ذات کے چند سپاہیوں نے بادشاہ سے شکایت کی کہ جنرل ہماری ضروریات پوری نہیں کرتے۔ انہوں نے درخواست دی کہ ہمیں مرزا مغل کی فوج میں داخل کردیا جائے---- دہلی دروازہ سے اجمیری دروازہ تک فوجوں کی پریڈ کی گئی، جنرل نے سپاہیوں کے ساتھ نہایت شفقت کے ساتھ بات چیت کی اور انہیں ہر طرح سے اطمینان دلایا---- پریڈ کے بعد جنرل میگزین گئے اور توپخانہ کا معائنہ کیا اور معائنہ سے اطمینان کا اظہار کیا۔ جنرل کے پاس سے بادشاہ کی خدمت میں دو عرضیاں موصول ہوئیں----

○ ۹ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۶۳، ۱۶۴: خبر مشہور تھی کہ جنرل بخت خان نے دس ہزار فوج کے ساتھ، جسمیں سوار اور پیدل دونوں شامل تھے، انگریزوں پر حملہ

کیا ہے، یہ کہ چھاؤنی میں ابھی تک جنگ برپا ہے، اور یہ کہ انہوں نے تیس ہزاری کے مقام کو انگریزوں سے چھین لیا ہے، جنرل بخت خاں نے سواروں اور پیدل فوج کے سپاہیوں کے ساتھ انگریزی کیمپ میں گھس کر حملہ کیا اور بہت سے افسروں، اور سپاہیوں کو تہ تیغ کر دیا کہتے ہیں کہ توپچیوں نے جنرل بخت خاں کو پہچان لیا----اس دن کی فتح میں بیس گھوڑے، ستر اونٹ اور بہت سا قیمتی سامان ہاتھ آیا----چند یورپین جو محبوب علی خان کی سرائے میں چھپے ہوئے تھے قتل کیے گئے اور ان کے سروں کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اور انکی تشہیر کرائی گئی تا کہ لوگوں کو فتح کا ثبوت مل جائے----

○ ۱۰ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۶۴: محمد بخت خان کو حکم دیا گیا کہ فی الفور فوجوں کو روانہ کر دیا جائے تا کہ جن آسامیوں نے لگان ادا نہیں کیا انہیں سزا دی جائے--- جنرل بخت خان نے زخمیوں کو لانے کیلئے چند گھوڑے طلب کیے- اس حکم کی تعمیل حکیم احسن اللہ خان کے سپرد کی گئی- جنرل بخت خان کو حکم ملا کہ فی الفور چندراول میں کچھ فوج بھیج دیں تا کہ وہاں انگریزوں کو پل بنانے سے روکا جا سکے-

○ ۱۱ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۶۵، ۱۶۶: واپسی پر بادشاہ محل میں تشریف لائے جہاں انہوں نے جنرل بخت خان اور پچاس دیگر افسروں سے ملاقات کی- جنرل نے اظہار افسوس کیا کہ حضور کی جانب سے مجھے عتاب کا خط موصول ہوا ہے- بادشاہ نے فرمایا کہ میں نے اس قسم کا کوئی خط نہیں بھیجا- جنرل نے درخواست کی کہ آئندہ حضور کی طرف سے جس قدر چٹھیاں بھیجی جائیں ان پر شاہی مہر ثبت ہونی چاہیے- بادشاہ نے تجویز کو منظور کر لیا، (پھر زخمی سپاہیوں کی پنشن وغیرہ کی بات کی) بخت خان نے اثنائے گفتگو میں ظاہر کیا کہ میں ضلع لکھنؤ کے موضع سلطان پور کا رہنے والا ہوں اور شاہ اودھ کے خاندان سے ہوں اور عرض کیا کہ اگر آپ کو میرے بیان میں کچھ شبہ ہو تو آپ تصدیق فرما سکتے ہیں بادشاہ نے فرمایا کہ تصدیق کی ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ مجھے آپکی شرافت و نجابت پر پورا یقین ہے- جنرل نے جواب دیا کہ میں تصدیق پر اس غرض سے زور دے رہا ہوں کہ جب انگریز دہلی، میرٹھ، آگرہ سے نکال دیے جائیں گے تو میں حسنِ خدمات کے معاوضہ کا

طالب ہونگا۔ جنرل نے نواب عبدالرحمٰن سے کلاں محل خالی کر دینے کیلئے کہا جسے فی الفور خالی کر دیا گیا۔ اسکے بعد وہ مرزا مغل سے ملنے کیلئے گئے جہاں وہ ان سے بہت دیر تک گفتگو میں مصروف رہے۔۔۔۔کمانڈر انچیف کی جانب سے تمام فوج کے نام احکام نافذ کیے گئے کہ جنگ کیلئے تیار رہو۔

○ ۱۲ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۶۷ تا ۱۶۹: جنرل بخت خان نے بادشاہ کی خدمت میں عریضہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ فوج کی تنخواہ ادا کرنے کی غرض سے نواب جھجر سے چار لاکھ روپے حاصل کیے جائیں۔۔۔۔احمد خان رسالدار انگریزی فوج سے فرار ہو کر دہلی میں اپنے مکان میں آگئے۔ یہ سنتے ہی جنرل محمد بخت خان نے گرفتاری کا حکم دیدیا کیونکہ انکا خیال تھا کہ وہ جاسوس ہیں۔۔۔۔آج صبح دربار کے موقع پر ایک شخص نے یہ بات بیان کی کہ جھانسی، متھرا اور نیچ کی فوجوں نے آگرہ پر دھاوا بول دیا ہے۔۔۔۔اس خبر کو سن کر محمد بخت خان بہت محظوظ ہوئے اور اس فتح کی خبر منادی کے ذریعہ تمام شہر والوں کو پہنچادی اور ساتھ ہی یہ بھی مشہور کرا دیا کہ آگرہ میں اب کوئی انگریز باقی نہیں رہا۔

○ ۱۲ر جولائی، ''غدر کے فرمان''، ص: ۹۷: (گوری شنکر جاسوس کی رپورٹ) کل جنرل بخت خان بھی غلام کے پاس آئے تھے۔

○ ۱۳ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۶۹، ۱۷۰: آگرہ کی فتح کی خوشی میں سلیم گڑھ سے ۳۱ توپوں کی سلامی سر کی گئی۔ محمد بخت خان کے کیمپ سے بھی ۳۱ توپوں کی سلامی سر کی گئی۔۔۔جنرل بخت خان نے احکام نافذ کیے کہ جو شخص لوٹ مار کرتا ہوا گرفتار ہوگا اسے سخت سزا دی جائیگی۔۔۔محمد بخت خان نے فتح آگرہ کی خوشی میں توپخانے کے آدمیوں میں ۵۰۰ روپے تقسیم کیے۔ جنرل بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔۔۔۔پانچ سو سیڑھیاں جنرل کے حکم سے اس غرض سے تیار کی گئیں کہ اگر انگریزوں نے شہر پر قبضہ کر لیا اور سپاہیوں کو گھیرنا چاہا تو وہ فصیلوں پر سے اتر کر فرار ہو جائیں۔

○ ۱۴ر جولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۱۳: میں نے روہیل کھنڈ بریگیڈ کو حملہ کیلئے تیار پایا۔

○ ۱۵ر جولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۱۴: اس جنگ میں روہیل کھنڈ کی دو رجمنٹوں نے سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

○ ۱۵ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۷۱: جنرل محمد بخت خان نے عرض کیا کہ شکر اور نمک کے محصول چنگی کو ہٹا لیا جائے ورنہ شہر میں یہ دونوں چیزیں آنی بند ہو جائینگی اور اس سے فوج کو سخت تکلیف ہوگی ---- بادشاہ نے جنرل محمد بخت خان کو مطلع کیا کہ فوج کے افسروں نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ ڈویژن کے تین جنرل مقرر کئے جائیں۔ جنرل نے جواب دیا کہ ایسا کرنا ضروری ہے ---- ان انتظامات کی رو سے جنرل بخت خان کے پاس صرف بریلی کا بریگیڈ رہ گیا۔[۱]

○ ۱۶ر جولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۱۵: دہلی اور میرٹھ کی افواج کی طرف سے انکے (روہیل کھنڈ فوج کے) خلاف شکایت آئی کہ انہوں نے اپنا خزانہ جمع کیوں نہیں کروایا۔

○ ۱۷ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۷۲: بادشاہ کو خبر دی گئی کہ جنرل بخت خان نے مہاجن سالگرام کو بلوایا تھا اور اس سے روپیہ طلب کیا تھا۔[۲] مہاجن نے جواب دیا کہ وہ بالکل تباہ و برباد ہو گیا ہے۔

○ ۱۹ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۷۵: جنرل بخت خان کو حکم ملا کہ متھرا سے جو پانچ لاکھ روپے آرہے ہیں انہیں وصول کر لیں انہیں ہدایت کی گئی کہ روپیہ وصول کرنے کے بعد جلد سے جلد لوٹ آئیں اور فوج کو تنخواہ ادا کر دیں۔

○ ۱۹ر جولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۱۹، ۱۲۰: روہیل کھنڈ کی فوج کو شکست ہوگئی ہے۔ بخت خان جرنیل و محمد شفیع رسالدار اور روہیل کھنڈ فوج کے دیگر صوبیداروں نے بادشاہ کے پاس عرض کی کہ فوج بریلی و میرٹھ لڑنے میں پہلو تہی کرتی ہے، بسبب محبت زر کے۔

○ ۲۰ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۷۵ تا ۱۷۸: جنرل بخت خان کو حکم دیا گیا کہ انگریزوں کے خلاف جو کارروائی کرنا چاہیں کریں ---- جنرل بخت خان نے چار

---

[۱] غداروں کے خطوط، ص: ۱۱۶ پر ۱۸ر جولائی کی رپورٹ میں بخت خان کی تنزلی کا ذکر ہے۔
[۲] کدارناتھ کی ڈائری، ص: ۴۸ پر ۱۷ر جولائی کی رپورٹ بھی یہی ہے۔

مغرور سپاہیوں کو بادشاہ کی خدمت میں گرفتار کر کے بھیجا---- کچھ فوج جنرل بخت خان کے حکم سے باغپت روانہ ہوئی تا کہ انگریزوں کو وہاں پل تعمیر کرنے سے روکیں--- سہ پہر کو یہ افواہ مشہور ہوئی کہ باغیوں کو بہت بڑی فتح نصیب ہوئی ہے اور یہ کہ انگریز علی پور بھاگ کر چلے گئے ہیں، اسکی وجہ سے شہر میں بہت جوش وخروش پھیل گیا اور آناً فاناً تمام شہر مقابلہ پر کھڑا ہو گیا---وہ بہت جوش سے شہر سے نکلے اور انکا ارادہ یہ تھا کہ انگریزی کیمپ کو لوٹ لیں گے- جب وہ انگریزی کیمپ کے قریب پہنچے اور یہ دیکھا کہ انگریز وہاں جوں کے توں موجود ہیں تو انہیں بیحد رنج ہوا اور وہ نہایت شرمندگی کی حالت میں شہر کو لوٹ آئے--

○ ۲۱رجولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۷۹: بادشاہ نے جنرل محمد بخت خان کے پاس شاہی مطبخ سے ۱۷ اخوان بھیجے---- جنرل محمد بخت خان کے نام احکام نافذ کیے گئے کہ انگریزوں کو پریشان کرنے کی غرض سے سبزی منڈی، مبارک باغ، علی پور اور دیگر تمام مقامات پر نہایت جوش وخروش سے ایک ساتھ حملے کئے جائیں، انہیں حکم ملا کہ فوجوں کو بریگیڈ بنا کر مختلف محاذوں پر بھیج دیں اور کسی قسم کی تاخیر روا نہ رکھیں-

○ ۲۲رجولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص:۱۸۰ تا ۱۸۲: جنرل محمد بخت خان بھی موجود تھے، انہوں نے شکایت کی کہ چند بدخواہ اشخاص یہ خبر پھیلا رہے ہیں کہ میں انگریزوں سے ساز باز رکھتا ہوں اور یہ کہ جب شاہی افواج انگریزوں پر حملہ کر رہی تھیں تو اس وقت میں گھر آ گیا تھا اور فوجوں کو احکام دیئے بغیر لڑنے کیلئے چھوڑ گیا تھا- بادشاہ نے جواب دیا کہ مجھے تمہاری وفاداری پر کامل بھروسہ ہے اور افسوس ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ تکلیف پہنچی- مجھے انگریزوں سے کوئی پرخاش نہیں ہے بلکہ میرا خیال یہ تھا کہ جو فوج میری حفاظت کیلئے دوڑ کر آئی ہے اسکی وجہ سے میرا درجہ بلند ہو جائیگا- مرزا ابوبکر، مرزا رواس اور مرزا عبداللہ بھی دربار میں حاضر تھے- جنرل محمد بخت خان اپنی جگہ سے اٹھے اور بادشاہ کے پیچھے جا کر تھوڑی دیر سرگوشی کرتے رہے- شاہزادگان نے اس کارروائی پر اعتراض کیا اور کہا کہ ہماری موجودگی میں بادشاہ کے کان میں کانا پھوسی کرنا تہذیب و ادب کے خلاف ہے- جنرل نے معافی مانگی اور شاہزادگان کی تعریف کی اور اسکے بعد معاملہ ختم ہو گیا-

جنرل نے تجویز پیش کی کہ بادشاہ کو فوج کے نام احکام جاری کر دینے چاہئیں کہ روزانہ انگریزوں پر حملے کر کے انہیں دق کرتی رہے۔ جنرل نے وعدہ کیا کہ میں کسی قدر فوج کے ساتھ کشتیوں کے پل کی حفاظت کرونگا اور باقی فوج کے ساتھ صبح کے وقت انگریزوں پر حملہ آور ہونگا۔

اسکے بعد جنرل نے بادشاہ سے تنہائی میں گفتگو کرنے کی درخواست کی۔ اسکے بعد وہ دو مولویوں کی معیت میں اندر گئے اور بادشاہ کے روبرو ایک درخواست رکھ دی۔ جس پر انہوں نے دستخط ثبت کر دیئے۔ اسکے بعد جنرل سلیم گڑھ چلے گئے اور باتریوں اور دمدموں کا معائنہ کیا۔ بعد ازاں انہوں نے مرزا مغل سے ملاقات کی اور تجویز پیش کی کہ فوج کی عام پریڈ چند دن کے بعد منعقد ہونی چاہیے اور اس وقت ہر آدمی سے حلف لے لینا چاہیے کہ وہ آخر وقت تک انگریزوں سے لڑتا رہیگا---- چنانچہ اس مضمون کا حکم شائع کر دیا گیا---
سہ پہر کو مرزا مغل اور دوسرے شاہزادگان نے فصیلوں کے باہر فوج کا معائنہ کیا اور جنرل محمد بخت کا حکم پڑھ کر سنایا گیا۔ فوج کا متفقہ جواب یہ تھا کہ خواہ کچھ ہی ہو ہم آخر دم تک انگریزوں سے لڑیں گے۔

○ ۲۲ر جولائی، ''غداروں کے خطوط'' ص: ۱۲۵: جنرل بخت خان نے مشورہ دیا کہ اسے اپنی فوج کو علی پور لے جانے کی اجازت دی جائے، جہاں پر فوج میدان جنگ میں جم کر لڑنے پر مجبور ہوگی۔ دہلی کے محاذ پر اس فوج کے سپاہی چھپنے کیلئے کوئی نہ کوئی جگہ تلاش کر لیتے ہیں۔

○ ۲۵ر جولائی، ''غداروں کے خطوط'' ص: ۱۲۷، ۱۲۸: بادشاہ بخت خان سے سخت ناراض ہیں، اور اس سے کہتے ہیں، یا تو شہر سے باہر جا کر لڑ و یا مجھے اپنی مرضی کے مطابق شہر چھوڑ کر جانے دو۔ بخت خان قسم کھا کر کہتا ہے کہ وہ تو محاذ پر لڑنے کو تیار ہے، مگر فوج کے دوسرے افسر علی پور سے آگے بڑھ کر جنگ کرنے کو تیار نہیں ہیں---- بادشاہ نے بخت خان کو سونے کا ایک قیمتی نیام بند تحفے میں دیا ہے---- جنرل بخت خان نے پچاس بنگالیوں کو انگریزوں سے ساز باز کرنے کے جرم میں قید کر رکھا ہے۔

○ ۲۶ر جولائی، ''غدر کی صبح شام'' ص:۱۸۷: جنرل محمد بخت خان کی درخواست پر انہیں گورنر کے درجہ پر فائز کیا گیا- بادشاہ نے جنرل کے طرزِ عمل پر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا جنرل نے بھی اپنی عزت افزائی پر شکریہ ادا کیا اور دس اشرفیاں بطور نذر پیش کیں اور وعدہ کیا کہ میں جواں بخت کی ولیعہدی کی تائید کرونگا-

○ ۲۷ر جولائی، ''غدر کی صبح شام'' ص:۱۸۸: جنرل محمد بخت خان کو حکم دیا گیا کہ ان باغیوں کو منتشر کر دیں---- جنرل محمد بخت خان نے فوج کی پریڈ کی اور سپاہیوں کو متنبہ کر دیا کہ وہ شہر کے باشندوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ دیں اور نہ لوٹیں، اور جو لوگ اس حکم کے خلاف کریں گے انہیں آئندہ فتح میں حصہ دار نہیں بنایا جائیگا-

○ ۲۷ر جولائی، ''غداروں کے خطوط'' ص:۱۲۸: جنرل بخت خان کی خواہش ہے کہ وہ سات یا آٹھ ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ علی پور بھیج دے تا کہ وہ وہاں پہنچ کر انگریزی فوج کے مواصلات اور رسد رسانی کے سلسلے کو ختم کر سکے-

○ ۲۸ر جولائی، ''غداروں کے خطوط'' ص:۱۳۰، ۱۳۱: جنرل بخت خان نے بادشاہ سے بہت سا اسلحہ وغیرہ مانگا، بادشاہ نے کچھ کا وعدہ کیا، لیکن جنرل بخت خان اس سے مطمئن نہیں، اسکی وجہ سے آج کل کیا جانے والا حملہ ملتوی ہو گیا ہے---- جنگ کے منصوبے کی تکمیل کی ذمہ داری اب ملکہ زینت محل کی سفارش پر جنرل بخت خان کو تفویض کر دی گئی ہے اور اسکے ساتھ فتح کی صورت میں فوج کا کمانڈر انچیف اور ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے-

○ ۲۸ر جولائی، ''غدر کی صبح شام'' ص:۱۸۹، ۱۹۰: بادشاہ نے حکم دیا کہ جنرل اور فوج کے افسران کے نام اس مضمون کی چٹھیاں بھیج دیجائیں کہ عید کے موقع پر شہر میں کوئی گائے ذبح نہ کی جائے--- خبر ملی کہ انگریزوں نے چند گھسیاروں کو گرفتار کرلیا ہے جنکا تعلق بریلی کے لشکر سے تھا- ان سے استفسار کیا گیا کہ سپاہیوں کی تعداد کتنی ہے اور یہ طعنہ دیا گیا کہ جنرل محمد بخت خان لڑنے کیلئے باہر کیوں نہیں نکلتا- اسکے بعد انکے ناک کان کاٹ کر انہیں چھوڑ دیا گیا- بادشاہ کے احکام کے متعلق جنرل بخت خان نے شہر میں منادی

کردی کہ شہر میں گائے کا ذبح کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے----

○ ۲۹ر جولائی، ''غداروں کے خطوط'' ص: ۱۴۴: بخت خان ان تجاویز کا مذاق اڑاتا ہے کہ سب پلوں کو اڑا دیا جائیگا، اور کہتا ہے کہ اسکی فوج پلوں کے بغیر بھی دریا عبور کر سکتی ہے اور توپوں کو مچانوں پر رکھ کر دریا کے پار لے جایا جا سکتا ہے---نیمچہ فوج کے افسر آج دربار میں حاضر ہوئے تھے فوج نہیں چاہتی کہ جنرل بخت خان کو اسکا سپہ سالار مقرر کیا جائے۔

○ ۲۹ر جولائی، ''غدر کی صبح شام'' ص: ۱۹۰، ۱۹۱: مرزا امین الدین خان اور مرزا ضیاء الدین خان اور دیگر عمائدین شہر نے ایک دربار منعقد کیا جس میں جنرل بخت خان بادشاہ کے نمائندہ کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ سفر مینا کے صوبہ دار قادر بخش نے جلسہ میں تقریر کی اور جنرل محمد بخت خان پر یہ الزام عائد کیا کہ وہ انگریزوں پر حملہ کرنے سے عمداً پہلو تہی کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ ''بہت دن ہو چکے ہیں اور جنرل نے ابھی تک انگریزوں پر فوج کشی نہیں کی۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ انگریزوں نے شہر پر کامیابی کے ساتھ حملہ کرنے کی غرض سے تمام ضروریات جمع کر لی ہیں۔'' جنرل اس تقریر پر بہت کچھ جھلائے مگر بادشاہ نے یہ کہہ کر انکے غصہ کو دھیما کر دیا کہ صوبہ دار نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ صداقت پر مبنی ہے۔ بہر حال جلسے میں کچھ طے نہیں ہو سکا-----بادشاہ نے اپنے مطبخ سے جنرل بخت خان کو گوشت کے مختلف کھانوں کے چار خوان بھیجے-----
جنرل نے آج حسن علی خان کو حکم دیا کہ وہ جھجر جائیں اور نواب جھجر سے تین لاکھ روپیہ لائیں ورنہ روپے کی وصولی کیلئے فوج بھیجی جائیگی۔

○ ۳۰ر جولائی، ''غدر کی صبح شام'' ص: ۱۹۲، ۱۹۳: ولی داد خان نے بادشاہ کو لکھا کہ اس نے چند توپیں اور ۲۰۰ گھوڑے جمع کیے ہیں لیکن پیدل فوج موجود نہیں جو انکو باحفاظت تمام لیجائے۔ بادشاہ نے جنرل بخت کو حکم دیا کہ پیدل فوج بھیجی جائے مگر جنرل نے نواب کو لکھا کہ پہلے ایک ہزار روپیہ بھیج دو اسکے بعد فوج بغرض اعانت بھیج دی جائیگی۔
گوبند نے بادشاہ سے شکایت کی کہ جنرل بخت خان نے مجھ سے میرا گھوڑا لے لیا ہے---
بریلی کی فوج اور نیمچ کی فوج کے افسروں کے درمیان کچھ تنازعہ برپا ہو گیا۔ جسکی وجہ سے

جنرل محمد بخت خان کو جا کر مصالحت کرانی پڑی۔

○ ۳۱ر جولائی، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۳۷: نیمچہ فوج کے جنرل غوث خان اور سپہ سالار جنرل بخت خان ایک دوسرے کے سخت مخالف ہیں۔کل حملہ ملتوی کرنے کی سب سے بڑی وجہ انکا اختلاف تھا۔بادشاہ سلامت بخت خان کی حمایت کرتے ہیں اور صلح کرانے میں مصروف ہیں۔

○ ۳۱ر جولائی، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۹۵: یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب نیچ کی فوج پل پر سے گذر رہی تھی تو اس وقت انگریزوں نے کمک بھیجی مگر جنرل بخت خان نے انکی توجہ دوسری جانب مبذول کر دی اور بالآخر وہ علی پور کی جانب پسپا ہو گئے۔

○ ۱ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۹۶، ۱۹۷: بادشاہ نے جواب دیا کہ معاملہ جنرل محمد بخت خان کے ہاتھ میں ہے اور میں مداخلت کرنے سے معذور ہوں لیکن رہائی حاصل کرنے کی غرض سے ضروری ہے کہ کچھ روپیہ ادا کیا جائے۔

○ ۲ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۹۷: اسکے بعد بادشاہ نے چند اشعار سنائے، جنہیں انہوں نے موزوں کیا تھا۔یہ اشعار جنرل بخت خان کے پاس بھیج دیئے گئے تھے۔۔۔۔

○ ۳ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۱۹۹: جنرل بخت خان دربار میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ سپاہی میرے کہنے میں نہیں رہے۔

○ ۴ر اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۳۹: تین اگست کو بادشاہ نے جنرل بخت خان کو کافی لعن طعن کیا اور کہا کہ تم کو اگر رہنا ہے تو اچھی طرح رہو، ورنہ چلے جاؤ۔تم نے ناحق جرنیل سدھارا سنگھ کے کیمپ کو بددل کر دیا ہے۔ایک تو انکا کیمپ دو دن پانی میں کھڑا رہا، اور مورچوں پر لڑا، انکے بہت آدمیوں کا نقصان ہوا، اور تم نے انکی مدد نہ کی، بلکہ جو رسد انکے واسطے بھیجی گئی۔اسکو تمہارے آدمیوں نے لوٹ کر کھا لیا۔دوسرے پھر تم اس کیمپ کو ناراض کرتے ہو۔

○ ۴/اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۰۰ تا ۲۰۲: بادشاہ نے افسروں اور مرزا مغل کو بلا بھیجا اور موخر الذکر کی تعریف کر کے یہ بات کہی ---- میں نے مرزا مغل اور جنرل محمد بخت خان کو حکم دیدیا ہے کہ تمہیں اپنی کمان میں لے لیں - اب تم پسند کر لو کہ کس کی کمان میں رہنا پسند کرتے ہو - انہوں نے مزید برآں یہ حکم دیا کہ فوج کا ہر افسر انکی خدمت میں حاضر ہو جنرل محمد بخت خان بھی اس حکم کے مطابق دربار میں حاضر ہوئے - فوج کو تین بریگیڈوں میں مرزا مغل، جنرل محمد بخت خان اور غوث محمد خان کی سرداری میں منقسم کر دیا گیا -

○ ۵/اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۰۴: جنرل بخت خان نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ فوجیں کل انگریزوں پر حملہ کرینگی -

○ ۶/اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۰۵: اطلاع ملی کہ سردھاری لال (نیچ کی فوج کے سردار) اور محمد بخت خان (فوج بریلی کے سردار) دونوں آپس میں مل گئے ہیں اور بمقام علی پور انہوں نے انگریزوں پر حملہ بھی کیا ہے - معلوم ہوا کہ انگریزوں نے اس لشکر کو جو کشمیری دروازہ کے باہر تھا - شکست دیکر بھگا دیا ہے اور یہ کہ وہ اب واپس آ رہا ہے ----

○ ۷/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۴۶: باغی فوج کافی دل شکستہ ہے، جنرل بخت خان اور سدھارا سنگھ کھلم کھلا ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں - فوج میں افواہ ہے کہ جنرل بخت خان انگریزوں سے ساز باز کر رہا ہے -

○ ۴ تا ۸/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۴۸: جنرل نے اپنی فوج کے ایک دستے کو لگان وصول کرنے کو بھیجا تھا، جس پر فوج کے دوسرے جرنیل بے حد خفا ہیں اور کہتے ہیں کہ بادشاہ کے حکم کے مطابق اس قسم کی کارروائی سے قبل فوج کے دوسرے جرنیلوں سے مشورہ کرنا چاہیے تھا - اسکی وجہ سے اب کافی نا اتفاقی پیدا ہو گئی ہے - جھگڑوں اور حسد میں کوئی کمی نہیں آئی -

○ ۸/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۵۱: مرزا مغل اور جنرل بخت خان آج کل ایک دوسرے کے جانی دشمن بنے ہوئے ہیں ---- اس دشمنی کی سب سے بڑی وجہ

بخت خان کا سپہ سالار بننا ہے۔

○ ۱۳ر اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۵۶: مرزا مغل کے سپہ سالار بننے سے دوسرے جرنیل خصوصاً بخت خان کافی ناخوش ہیں۔

○ ۱۴ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۱۶: آج شاہی دسترخوان سے جرنل بخت خان کے پاس کھانا بھیجا گیا۔

○ ۱۵ر اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۵۹: مرزا مغل کی فوج ایک مہم سے کامیاب اور مالا مال لوٹی تو جرنل بخت خان نے کہا: انکو خوشی ہوتی اگر اس جنگ میں مرزا مغل کی تمام فوج ختم ہو جاتی کیونکہ انکی وجہ سے اسکی اپنی فوج پست دل ہو گئی ہے۔

○ ۱۷ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۱۹: جرنل بخت خان نے بادشاہ سے شکایت کی کہ شاہزادگان نے فوج کی تنخواہ کیلئے مہاجنوں اور دوسرے اشخاص سے بہت سا روپیہ جمع کر لیا ہے لیکن ابھی تک فوج کو ایک پیسہ بھی نہیں ملا۔ یہ سنکر بادشاہ نے مرزا خضر کو حکم دیا کہ جتنا روپیہ تم نے وصول کیا۔ ،جرنل کے حوالے کر دو۔۔۔۔

○ ۱۸ر اگست، ''غدر کی صبح سام''، ص:۲۲۱: جرنل بخت خان بھی اس ملاقات کے موقع پر موجود تھے اور انہوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ (مرزا امین الدین سے روپے کا) مطالبہ غیر منصفانہ ہے۔ اسلئے کہ فوج کی تنخواہ فوج ہی سے لینی چاہیے۔ بادشاہ نے جرنل سے کہا کہ ''شہر میں جو سپاہی ہیں انکے علاوہ اور کسی سے روپیہ مت مانگو''۔

○ ۱۹ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۲۲: سپاہیوں نے طنزاً کہا کہ ایسی چیزیں صرف بادشاہ کا حق ہوتی ہیں انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب ہم اپنی لوٹ مار میں جرنل کو شریک کر لیتے ہیں تو پھر جرنل ان لاکھوں روپے میں ہمیں کیوں شریک نہیں کرتے جنہیں انہوں نے زبردستی حاصل کیا ہے۔ رفتہ رفتہ خیالات و جذبات نہایت مخالفانہ ہو گئے۔۔۔۔ مرزا خضر سلطان سوار ہو کر بریلی کے کیمپ میں پہنچے۔ جرنل نے انہیں نذر میں ایک ہاتھی، ایک گھوڑا، اشرفی اور پانچ روپیہ پیش کیے۔۔۔۔ جرنل بخت خان نے دیوی سنگھ اور

سالگرام مہاجنوں کو بلایا اور روپیہ ادا کرنے سے انکار کرنے پر انہیں قید میں ڈال دیا- مرزا سلطان نے دوسرے مہاجنوں سے ۲۵ ہزار روپے حاصل کئے اور انہیں جنرل کی خدمت میں بھیج دیا----

O ۲۰/ اگست، ''غدر کی صبح شام'' ص: ۲۲۳، ۲۲۴: دس گھنٹے تک حالت قید میں رہنے کے بعد دیوی سنگھ اور سالگرام نے ۶۰ ہزار روپے حاضر کردیئے اور مخلصی حاصل کر لی- جنرل گوری شنکر اور جنرل طالع یار خان ایک سکھ قیدی کو گرفتار کر کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے- اس سے کہا گیا کہ جو اطلاع دی ہے اسے پھر دہراؤ- اس نے کہا کہ جنرل بخت خان انگریزوں سے خفیہ ساز باز رکھتے ہیں- اور تجویز یہ کی گئی ہے کہ جب جنرل بخت خان علی پور لڑانے کیلئے فوج لے جائیں اس وقت انگریز دہلی پر حملہ کردیں تا کہ ان کا مقابلہ نہ کیا جاسکے---- جنرل نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ میں کل صبح انگریزوں پر حملہ آور ہونگا-

O ۱۷ تا ۲۰/ اگست، ''غداروں کے خطوط'' ص، ۱۸۰: جنرل نے ایک رئیس اور مہاجن کو رقم نہ دینے پر قید کر رکھا ہے-

O ۲۰/ اگست، ''غداروں کے خطوط'' ص: ۱۸۳: میرٹھ کی فوج نے شکایت کی کہ بخت خان اور لال خان کو جنرل اور کرنل کے عہدے کیوں دیئے گئے ہیں، جبکہ وہ نہ تو محاذ پر جا کر جنگ میں حصہ لیتے ہیں اور نہ ہی انہوں نے اپنا خزانہ بادشاہ کے حوالے کیا ہے---- بخت خان اور مرزا مغل ایک دوسرے کے جانی دشمن بنے ہوئے ہیں-

O ۲۱/ اگست، ''غدر کی صبح شام'' ص: ۲۲۵: جنرل بخت خان نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ حضور کے ملاحظہ کیلئے ۷ ہاتھی اور ۲۰۰ گھوڑے لایا ہوں-

O ۲۱/ اگست، ''غداروں کے خطوط'' ص: ۱۸۶، ۱۸۷: فوج بخت خان سے بہت ناراض ہے، اس پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ انگریز افسروں سے ملا ہوا ہے- اس نے ڈر کی وجہ سے اپنا خاندان اور سامان پچاس سواروں کے حفاظتی دستے کے ساتھ اپنے شہر بھیج دیا

ہے---- بخت خان نے ایک مہم سے ہاتھ آنے والے ہاتھیوں اور گھوڑوں کی دیکھ بھال کیلئے رقم کا مطالبہ کیا، بادشاہ نے معائنے کے بعد رقم سے انکار کر دیا اور اسے تنبیہ کی کہ جب تم اپنی فوج یہاں لیکر آئے تھے تو تم نے تمام اخراجات خود اٹھانے کا ذمہ لیا تھا- اب اپنے آپ کو جھوٹا کیوں کرتے ہو-

○ ۲۳ راگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۹۰، ۱۹۱: آج نیمچہ اور بریلی بریگیڈ جنرل بخت خان کی سرکردگی میں علی پور روانہ ہونے کیلئے تیار ہیں-[1]---فوج بخت خان پر شبہ کرتی ہے- بادشاہ خود بھی اس سے نفرت کرنے لگا ہے-فوج کو اس پر اعتماد نہیں رہا-

○ ۲۳ راگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۲۷: بادشاہ اس بات سے ناخوش ہوئے کہ جنرل محمد بخت خان علی پور کیوں حملہ آور نہیں ہوئے- نیچ کی فوج کے افسروں نے بخت خان پر الزام عائد کیا کہ وہ انگریزوں سے ساز باز کر رہے ہیں- اور سپاہیوں کو اس وقت تک روک رہے ہیں، جب تک کہ انگریزوں کے پاس کافی کمک نہ پہنچ جائے- بادشاہ کو سمجھایا گیا کہ اس قسم کا حکم نافذ کر دیں کہ جنرل بخت خان کو محل میں آنے کی اجازت نہ دی جائے نیچ کی فوج کے افسروں نے یہ تجویز پیش کی کہ بریلی کی فوج سے ہتھیار وغیرہ لے لئے جائیں اور کہا کہ ہم یہ کام کرنے کیلئے تیار ہیں- بادشاہ نے اس تجویز کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ سہ پہر کو تمام افسروں کے نام اس مضمون کا حکم نافذ کر دیا کہ آئندہ سے شاہزادہ مغل یا کسی اور جنرل کا حکم تسلیم نہ کیا جائے اسلئے کہ بادشاہ نے بارہ اشخاص کی ایک کمیٹی محاصرہ کے دوران میں کارروائی کرنے کی غرض سے مرتب کر دی ہے---- جنرل محمد بخت خان نے فوج کے تمام بڑے بڑے افسروں اور مرزا مغل کی موجودگی میں قرآن پر قسم کھائی کہ میں انگریزوں کے ساتھ کسی قسم کا نامہ و پیام نہیں کر رہا ہوں-

○ ۲۴ راگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۲۹: جنرل بخت خان نے اطلاع دی کہ میں اب انگریزوں پر حملہ آور ہونے والا ہوں اور بادشاہ سے اجازت چاہتا ہوں- بادشاہ

---

[1] کدار ناتھ کی ڈائری، ص:۵۴؛ ۲۳ راگست کی رپورٹ بھی یہی ہے-

نے جواب دیا۔ ''جاؤ خدا تمہاری مدد کرے! انگریزوں پر حملہ کر کے اپنی وفاداری کا ثبوت دو، ان کو تباہ کر دو اور فاتح بن کر لوٹو۔''

○ ۲۴/ اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۹۲،۱۹۳: جنرل کا ڈویژن آج صبح علی پور روانہ ہوا----اپنی بے عزتی سے بچنے کیلئے جنرل جانے سے پہلے جنگی کونسل سے مشورہ کر کے گئے ہیں۔

○ ۲۴،۲۵/ اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۹۴: یہ دونوں جرنیل (بخت خان وسدھارا سنگھ) جملہ شتر اور اسباب ہمراہ لے گئے ہیں، اس نیت سے کہ اگر شکست کھائی تو واپس نہ آئیں، جسکا جہاں جی چاہے چلا جاوے۔

○ ۲۶/ اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۳۰: اشرف خان سوار نے بادشاہ کے روبرو بیان کیا کہ بریلی کی فوج ایلی پلم[1] میں خیمہ زن تھی کہ اتنے میں غیر متوقع طور پر نیمچ کا بریگیڈ آ پہنچا۔ جنرل بخت خان نے نیمچ کی فوج کے افسر سے مشورہ کیا اور اسے وہاں ٹھہرے رہنے کی صلاح دی کیونکہ انگریز صرف تھوڑے سے فاصلہ پر تھے اور کہا کہ دوسرے دن میرے ساتھ حملہ میں شریک ہو جانا۔ نیمچ کی فوج کے بریگیڈیر نے اس تجویز کو پسند نہیں کیا بلکہ بخت گڑھ تک بڑھتا چلا گیا----اتنے میں انگریزوں نے دو طرف سے یکا یک حملہ کر دیا اور ساتھ ہی شدت کی گولہ باری بھی کی----نقصان کا اندازہ ایک ہزار مجروح و مقتول کیا جاتا ہے۔

○ ۲۷/ اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۹۷،۲۰۰: نیمچہ فوج کو شکست ہو گئی ہے، جنرل بخت خان یہ سن کر آگے مدد کیلئے جانے کی بجائے واپس دہلی آ گیا ہے، نیمچہ فوج بھی انکے پیچھے دہلی آ گئی ہے۔ جنرل بخت خان کا ڈویژن ابھی تک بلند ہمت اور مغرور ہے۔

○ ۲۷/ اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۳۲: نیمچ کے لشکر کے ایک سپاہی نے آکر بریلی فوج کو نیمچ کی فوج سے جھگڑا کرنے پر ملزم قرار دیا----بادشاہ نے جنرل بخت

---

[1] غالباً درست ''علی پور'' ہے۔

خان کے پاس پیغام بھیجا کہ تم میدان جنگ سے منہ موڑ کر چلے آئے ہو اور اس لئے تم نے حقِ نمک ادا نہیں کیا۔

○ ۲۸ر اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۲۰۱: بادشاہ جنرل بخت خان سے نیمچہ فوج کی بروقت مدد نہ کرنے پر ناراض ہے۔ شکست کا ذمہ دار اسکو ٹھہراتا ہے۔ اسکی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔

○ ۲۹ر اگست، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۳۵: جنرل محمد بخت خان کے پاس سے چٹھی موصول ہوئی جس میں لکھا تھا کہ لوگ بادشاہ کو لڑائی کے بارے میں جو مشورہ دے رہے ہیں وہ بالکل بیکار ہیں اور اسی وجہ سے بادشاہ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ خط کے آخر میں درج تھا کہ آئندہ سے میں صرف بریلی کے دستہ کی کمان سے سروکار رکھونگا۔ بادشاہ نے جواب میں لکھ بھیجا کہ ''تمہارے طرزِ عمل پر کسی نے اظہار ناراضگی نہیں کیا اور میں تو تمام فوج کی کمان تمہارے ہی ہاتھ میں رکھنے سے خوش ہوں۔''

○ ۲۹ر اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۲۰۵: بادشاہ نے جنرل بخت خان کو مرزا مغل کی وساطت سے انگریزی محاصرہ میں نیمچہ فوج کے گرفتار دستے کی مدد کیلئے نجف گڑھ جانے کا حکم دیا۔ بخت خان نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا وہ بالکل خود مختار ہے۔ بادشاہ اسے کوئی حکم نہیں دے سکتا۔

○ ار ستمبر، ''غداروں کے خطوط''، ص:۲۱۵، ۲۱۶: بریلی فوج کے افسر اور مرزا مغل جانی دشمن ہیں۔ ممکن ہے وہ مرزا مغل کو قتل کر دیں---- بریلی بریگیڈ چاہتا ہے کہ بریلی واپس چلا جائے انکے افسروں نے اپنے جلسے میں مرزا مغل کی برطرفی کا فیصلہ کیا اور بادشاہ سے مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ ایسا نہ ہوا تو ہم بریلی چلے جائیں گے اگر روکا گیا تو وہ مرنے مارنے کیلئے تیار ہیں۔

○ ار ستمبر، ''غداروں کے خطوط''، ص:۲۱۹: بخت خان کی مشاورت میں بریلی کے مولوی سرفراز علی، پلول کے مولوی امداد علی اور رسالدار محمد شفیع شامل ہیں۔ دربار میں یہ

دونوں مولوی ہر وقت بادشاہ کے پاس ہوتے ہیں۔

○ ۴ ر ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۴۲، ۲۴۴: محمد بخت خان بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیر تک ان سے نجی میں بات چیت کرتے رہے۔۔۔ جنرل محمد بخت خان کے نام تحریری حکم بھیجا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ فوج میں ۲۶ ہزار روپیہ تقسیم کر دیا جائے، جنرل نے جواب دیا کہ میرے پاس روپیہ نہیں ہے اور مجھے فوج کی خوراک کیلئے روپے کی خود اس قدر ضرورت ہے کہ میں نے اپنے ہاتھی اور گھوڑے فروخت کر دیئے ہیں۔

○ ۵ ر ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۴۵: جنرل بخت خان نے اطلاع دی کہ انگریزی محاصرہ کرنے والی توپیں پہنچ گئی ہیں اور یہ کہ وہ کشمیری دروازہ کے بالمقابل مورچے بنا رہے ہیں۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ ''انگریزی گولہ باری کا مقابلہ کرنے کی غرض سے تم کونسی تدابیر اختیار کر رہے ہو؟ اگر تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو بہتر ہے کہ تم فی الفور شہر کے دروازے کھول دو۔'' جنرل نے جواب دیا کہ ''میں میگزین کو ہٹا کر شہر کے باہر لے جا رہا ہوں اور میں انگریزی گولہ باری کا جواب چالیس توپوں سے دینا چاہتا ہوں جن کیلئے مورچے زیر تعمیر ہیں۔'' جنرل نے یہ بھی لکھا کہ میں دو ہزار سوار اس غرض سے مقرر کر رہا ہوں کہ انگریزی لشکر تک کمسریٹ (Commissariat یعنی شعبہ رسد) کا سامان نہ پہنچنے دیں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ بارود کتنی ہے۔۔۔۔

○ ۶ ر ستمبر، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۲۲۵، ۲۲۶: بخت خان نے تولہ رام اور دیگر ضلعوں سے رقم لانے کی اجازت مانگی تو اسکو اجازت دے دی گئی۔۔۔۔ انگریزوں کی مدد کیلئے آنے والی محاصرہ شکن گاڑی کا سن کر بخت خان بادشاہ کو ملا اور کہا کہ میں نے بار ہا کہا تھا کہ اس گاڑی کو پانی پت میں روکنے کیلئے فوج بھیجی جائے لیکن کسی پر میری بات کا اثر نہیں ہوا۔ اب یہ گاڑی یہاں پہنچ گئی ہے اور ہمیں مصیبت میں ڈال دیا ہے۔

○ ۶ ر ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص: ۲۴۶: جنرل محمد بخت خان نے شکایت پیش کی کہ حالانکہ بادشاہ کے ملازمین اور دوسری فوجوں کی تنخواہیں وغیرہ ادا کر دی گئی ہیں مگر

بریلی کی فوج کو جو اب تک لڑائی میں پیش پیش رہی ہے، کچھ بھی نہیں ملا، اور اسکی وجہ سے میرے سپاہی دلبرداشتہ ہو گئے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ ''میں ایک لاکھ روپیہ تقسیم کرا چکا ہوں۔ خزانہ خالی پڑا ہے۔ خود تمہارے ہاتھوں سے کتنے لاکھ روپے تقسیم ہو چکے ہیں؟ تم نے اپنے آدمیوں میں کچھ روپے کیوں تقسیم نہ کر دیئے؟

آج دربار میں بہت سے افسروں کا اجتماع تھا، انہوں نے شکایت کی کہ ہمارا کوئی بڑا افسر نہیں جو کمان کرے یا حکم نافذ کرے۔ اب کیا کرنا چاہیے؟ اسکی وجہ سے سخت ابتری پھیل گئی ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ ''تمہیں اختیار دیا جاتا ہے۔ جو کام تم کر سکتے ہو کرو۔''

○ ۷ر ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۴۶، ۲۴۷: بادشاہ دربار خاص میں رہے۔ احسن اللہ خان اور جنرل بخت خان بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، موخرالذکر کچھ دیر تک نج کی ملاقات کرتے رہے---- جنرل بخت خان اپنے دس افسروں کے وفد کے ساتھ حاضر ہوئے تاکہ بادشاہ کو اس امر کی اطلاع کر دی جائے کہ جس دن سے میری فوج دہلی میں داخل ہوئی ہے اسے تنخواہ کا ایک پیسہ بھی نہیں ملا۔ یہ کہ آدمی اب بہت دل برداشتہ ہو گئے ہیں اور اپنے گھروں کو واپس جانا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا اگر وہ جانا چاہتے ہیں تو جا سکتے ہیں۔

○ ۱۰ر ستمبر، ''غداروں کے خطوط''، ص:۲۳۹: پلول کا امداد علی (بخت خان کا قریبی) اپنے پیروکاروں سمیت یہاں سے غائب ہے۔

○ ۱۳ر ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص:۲۵۳: جنرل محمد بخت کان کے کیمپ میں ایک گولہ گرا جس سے کئی سپاہی زخمی ہوئے اور دو یا تین مر گئے۔ کارتوسوں کی پیٹی بھی بھک سے اڑ گئی ہے۔

○ ۱۵ر ستمبر، ''غداروں کے خطوط''، ص:۲۴۷: جنرل بخت خان جو نویں گھڑ سوار آرٹلری اور دو ہزار سپاہیوں سمیت پرانے قلعے میں ہے۔ وہ بھی دلی پر جلد حملہ نہ ہونے کی صورت میں دلی پہنچ جائیگا، اور اسطرح یہ فوج ناقابلِ تسخیر ہو جائے گی، اسلئے حملہ

جلد کیا جائے۔

O ۱۷ ستمبر، Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P:30: شام کو بخت خان اور سیپر ز اور مائنرز کے قادر بخش آئے اور کہا بادشاہ کو چوری چھپے قطب چلے جانا چاہیے، اور خواتین کو بھی بھیج دینا چاہیے، کیونکہ پیچھے رہنے کی صورت میں انکی زندگی کو خطرہ ہے۔ انہوں نے بادشاہ کو تاکید کی کہ انہیں کشتی کے ذریعے مقبرۂ ہمایوں اور پھر پالکی کے ذریعے قطب جانا چاہیے اور یہ کہ وہ بھی پیچھے آئیں گے۔ اسلئے کہ انکے (بخت خان اور قادر بخش) پاس بھی کوئی اور ایسا موقع نہ ہوگا ---- پہلے تو بادشاہ نے عذر کیا مگر پھر مان گئے -- اور آدھی رات کو نکل گئے ----- اور مقبرہ ہمایوں پہنچ کر سب ہمت ہار گئے۔

O ستمبر، ''غدر کی صبح شام''، ص:۸۶، رپورٹ از معین الدین: جنرل محمد بخت خان تھوڑی سی فوج لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بمنت درخواست کی کہ حضور میرے ساتھ لکھنؤ بھاگ چلیں۔ انہوں نے منتشر افواج کو جمع کرنے اور شہر کے باہر انگریزی افواج کا مقابلہ کرنے کی غرض سے اپنی خدمات پیش کیں۔ مگر بوڑھے بادشاہ نے انکی امداد قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اسکے بعد بخت خان باقی ماندہ فوجیں لے کر لکھنؤ روانہ ہو گئے۔

جنرل بخت خان سقوطِ دہلی کے بعد دوسرے محاذوں کی طرف منتقل ہو گئے، اور وہاں سے لڑتے ہوئے وہ پہاڑوں یا جنگلوں کو نکل گئے یا حجاز چلے گئے، معلوم نہیں، کیونکہ تاریخ انکے انجام کے بارے میں بالکل خاموش ہے۔[1]

ان قائدین کے علاوہ نیچہ فوج کے جنرل محمد غوث خان، سیپر ز اور مائنرز کے افسر صوبہ دار قادر بخش کا کردار بڑا اہم اور مفید رہا۔ یہ دونوں اواخر اگست میں بننے والی ایڈمنسٹریشن کورٹ کے ممبر بھی تھے۔ آگرہ کے ڈاکٹر وزیر علی خان بھی بڑے جہادی تھے۔ آگرہ ہی کے مولوی فیض احمد بدایونی[2] تحریک جہاد شروع ہونے پر اپنی ملازمت چھوڑ کر

---

[1] ابن ستاون از پنڈت سندر لال، ص:۱۶۰
[2] تفصیلی حالات کیلئے ڈاکٹر ایوب قادری کی کتاب ''مولانا فیض احمد بدایونی'' دیکھئے۔

آ گئے اور سقوطِ دہلی پر دوسرے محاذوں پر چلے گئے- انکے انجام کے بارے میں تاریخ بالکل خاموش ہے- کالے پانی کی سزا پانے والے الہ آباد کے مولوی لیاقت علی[1] بھی بہت قابلِ ذکر ہیں- یونہی بریلی کے خان بہادر خان نبیرہٗ حافظ رحمت خان بہادر بھی انقلاب کے بڑے راہنماؤں سے تھے جنہیں گرفتاری پر انکارِ جرم کے باوجود پھانسی پر چڑھا دیا گیا-

یہ کچھ احوال تھے قائدین کے جبکہ افواج میں دو طرح کے لوگ تھے- ایک تو وہ جو لوٹ مار اور قتل و غارت میں اسلامی حدود سے تجاوز کر گئے- بادشاہ ان سے اسی وجہ سے ناراض رہے، بقول علامہ فضل حق خیر آبادی ان پر انکے انہی اعمال کا وبال پڑا اور یہ انگریزوں کے مقابلے پر نہ ٹھہر سکے اور شکست سے دوچار ہوئے، اور دوسرے وہ سچے مجاہدین جو محض جذبۂ جہاد سے سرشار اور طمع و لالچ سے بے نیاز تھے اور ہر موقع پر تن من کی بازی لگا کر دادِ شجاعت دیتے رہے-

یہ جنگ گو ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۸ء تک جاری رہی اور حریت پسند ملک کے گوشے گوشے میں انگریزوں سے لڑتے رہے- مگر مرکزی اور اول محاذ، محاذِ دہلی پر شکست اور اسکی نوے فیصد قیادت کی نااہلی اور غداری و جاسوسی نے ایسے گہرے اثرات چھوڑے کہ پھر کسی کی کوشش بارآور ثابت نہ ہوئی-

---

[1] تفصیل کیلئے پچھلے صفحات میں "ذاتی احوال" میں "جزیرہ انڈیمان میں وفات" میں مولوی صاحب کا ذکر ملاحظہ کریں-

5.6- قائدین جنگ آزادی کے بارے میں علامہ فضلِ حق خیرآبادی کا تجزیہ:

الثورۃ الھندیہ میں ان قائدین کا ذکر کچھ یوں ہے:

''بہت سے لشکر شہر مشہور، بلدِ معمور، مسکنِ آل تیمور، دارالسلطنت دہلی جا پہنچے- وہاں پہنچ کر ان سب نے ایسے شخص کو سردار و پیشوا بنالیا، جو اس سے پہلے بھی ان کا آمر و حاکم تھا (بادشاہ بہادر شاہ ظفر) جسکے پاس اسکے ارکان دولت اور وزیر بھی تھے- وہ بہت سن رسیدہ مگر ناتجربہ کار تھا- عمر کی کئی منزلیں طے کر کے بڑھاپے کی وادی میں قدم رکھ چکا تھا-

اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ آمر و حاکم ہونے کی بجائے اپنی شریک حیات (ملکہ زینت محل) اور وزیر (حکیم احسن اللہ خان) کا مامور و محکوم تھا- اور اسکا یہ عامل جو حقیقت میں بڑا با اختیار تھا- وہ نصاری (انگریزوں) کا دوست، مددگار اور بڑا حمایتی تھا- انکی محبت میں انتہا کو پہنچا ہوا تھا- اور دوسرے لوگوں خصوصاً انگریز دشمنوں سے انتہائی بغض رکھتا تھا-

یہی اس آمر و حاکم کے اہل خاندان کا حال تھا- ان میں سے بعض مقرب بارگاہ اور رازدار بھی تھے- یہ سب کے سب جو جی چاہتا تھا کرتے تھے اپنی آراء پر عمل کرتے تھے لیکن اسکی اطاعت کا دم بھرتے تھے-

بادشاہ ایسا ضعیف الرائی والمشورہ تھا کہ کچھ جانتا ہی نہ تھا- اس سے عجیب عجیب حرکتیں سرزد ہوتی تھیں- کوئی کام اپنی رائے سے نہ کرسکتا تھا- نہ اچھا برا سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تھا- نہ کسی کو خفیہ یا علی الاعلان کوئی حکم دے سکتا تھا- نہ کسی کو نفع و ضرر پہنچانے کی طاقت رکھتا تھا-''[1]

---

[1] باغی ہندوستان، ص: ۳۳، ۳۵

شہزادے: ”ادھر اس ناتجربہ کار بادشاہ نے اپنی بعض ناعاقبت اندیش، سفیہ، خائن اور بزدل اولاد (شہزادہ مرزا مغل وغیرہ) کو امیر لشکر بنا دیا۔ یہ لوگ دیانتدار عقلمندوں سے متنفر تھے۔ انہیں نہ تو میدانِ کارزار ہی سے کبھی واسطہ پڑا تھا، اور نہ کبھی شمشیرزنی اور نیزہ بازی کا ہی موقع ہوا تھا۔ انہوں نے بازاری لوگوں کو اپنا ہمنشین و جلیس بنالیا۔ اس طرح یہ ناآموزدہ کار، آرام طلبی، اسرافِ بے جا اور فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔

وہ تنگدست ہو چکے تھے پھر مالدار ہو گئے۔ جب مال دار ہو گئے تو عیش پرستیوں میں پڑ گئے۔ لوگوں سے لشکروں کے ساز و سامان کے بہانے سے کافی مقدار میں مال جمع کرتے تھے اور اس میں سے ایک حبہ بھی کسی لشکری پر خرچ نہ کرتے تھے۔ جو کچھ وصول کرتے تھے خود کھا جاتے تھے۔

زنانِ فاحشہ و تباہ کار نے انہیں طلائع کی قیادت اور کنیزوں کی شب باشی نے لشکروں کے ساتھ رات کو چلنے سے روک دیا، اور آلاتِ عیش و طرب نے آرام طلبی میں ڈال کر مقدمۃ الجیش سے بھی پیچھے کر دیا۔ انکے دلوں میں نامردی اور ذلیل اندیشہ بیٹھ گیا۔ اسی نے انکو وسطِ لشکر میں ثابت قدمی سے روکا اور شومئ قسمت نے میمنہ سے اور قمار و تونگری نے میسرہ سے باز رکھا۔ انکے خوشامدی اور بازاری ہم صحبتوں نے ساقہ (پچھلا دستہ) سے بھی علیحدہ رکھا۔

ایسا ہی ہوا کرتا ہے جب کسی نااہل کو کوئی بڑا کام سپرد کیا جاتا ہے اور کمزور پر بھاری بوجھ لادا جاتا ہے۔ وہ رات سو کر اور دن بدمست ہو کر گزارتے ہیں جب بیدار و ہشیار ہوتے تو غافل و حیران پھرتے۔ نوبت بایں جا رسید کہ نصاری کا لشکران پر آکر ٹوٹ پڑا۔“[1]

---

[1] باغی ہندوستان، ص: ۳۵، ۳۷

انجام: "بادشاہ اپنے اہل وعیال کو لے کرشہر سے تین میل دور مقبرہ (ہمایوں) میں جاچکا تھا وہ دراصل اپنی بیگم (ملکہ زینت محل) اور خائن عامل (حکیم احسن اللہ خان) کا مطیع تھا۔ جس نے کذب وبہتان سے کام لیکر اسے دھوکے میں ڈال رکھا تھا، اس نے یہ کہہ کر بادشاہ کو پھسلایا تھا کہ نصاری قابض ہو کر اسکے ساتھ اچھا سلوک کریں گے اور اسی کو بزرگی و سرداری بخش دیں گے۔ وہ فریب خوردہ ان شیطانی وعدوں اور ابلیسی آرزوؤں پر خوش تھا۔ بادشاہ کے ساتھ اسکے تمام امراء و متعلقین بھی اپنے اہل وعیال کولیکر گھروں میں مال و متاع چھوڑ کر چلے گئے تھے۔۔۔۔"[1]

"شہر پر قبضہ کے بعد نصاری نے بادشاہ، اور اسکے بیٹوں اور پوتوں کے پکڑنے کا قصد کیا۔ ان سب نے اپنا مستقر (مقبرہ ہمایوں) اب تک نہ چھوڑا تھا۔ تقدیر الٰہی نے وہیں برقرار رکھا تھا۔ انہیں اس شخص (حکیم احسن اللہ خان) پر اعتماد تھا، جس نے انہیں اپنی کذب بیانیوں سے دھوکہ دیا تھا، اور خوش کیا تھا، وہ اس مقبرہ میں خوش اور فریب میں رہا، اور ہجوم میں گھرا مخدوم بنا بیٹھا تھا۔

آخر حسرت کشیدہ، دل تپیدہ بیٹوں اور پوتوں کے ساتھ پابہ زنجیر شہر کی طرف لیجایا گیا۔ اسکی بیوی اور دیگر اولاد بھی ساتھ تھی۔ راستے میں بیٹوں اور پوتوں کو کسی افسر[2] نے بندوق کا نشانہ بنایا۔ دھڑ وہیں پھینک کر، سروں کو خوان میں لگا کر بادشاہ کے سامنے تحفتاً پیش کیا۔ پھر ان سروں کو بھی کچل کر پھینک دیا۔

بادشاہ کو گورے مونہہ، سیاہ دل، گندمی بال اور کنجی آنکھ والوں کی حراست میں سوئی کے سوراخ سے بھی تنگ کوٹھری میں مقید کر دیا۔ پھر اس وسیع ملک سے نکال کر دور دراز جزیرہ (رنگون) میں پہنچا دیا۔ بادشاہ کے ساتھ اسکی بیگم (ملکہ زینت محل) کو بھی روانہ کیا گیا۔ جو نصاری کی اس وقت بھی مطیع و دوست تھی۔ جبکہ وہ حقیقت میں ملکہ تھی۔ وہ اپنی

---

[1] باغی ہندوستان، ص:۲۵

[2] افسر کا نام ہڈسن ہے۔

آرزوؤں (بیٹے کو جانشین بنانے) میں ناکام رہی- اسکا جمع کردہ مال بھی چھین لیا گیا-
اسکے ساتھ برا سلوک ہوا حالانکہ وہ زینت تھی، اور اسکی اہانت و تذلیل ہوئی حالانکہ وہ
حفاظت میں رہا کرتی تھی-"[1]

بادشاہ کا وہ عامل (حکیم احسن اللہ خان) جس نے نصاریٰ کو مسلط کر کے حاکم بنایا
تھا- لیکن اسے امیدوں کی محرومی اور ناکامی کی حسرت کا غم اٹھانا پڑا- اسکا حال متغیر ہو گیا-
زمانے میں ذلیل و خوار ہو کر جیا- دنیا اور آخرت دونوں جگہ نقصان میں رہا اور یہی کھلا ہوا
نقصان ہے-[2]

علامہ فضل حق خیر آبادی نے اپنی خودنوشت میں محاذ دہلی کے قائدین کے علاوہ
ملکہ حضرت محل (لکھنو)، مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی، کنور سنگھ، اور امر سنگھ کی قربانی و بہادری
اور ممو خان کی نااہلی کا بھی ذکر کیا ہے-

جبکہ قصیدہ نونیہ[3] میں انکے احوال کچھ یوں لکھے ہیں:

شعر نمبر ۸۵: جب تمام لشکر اپنی چھاؤنیوں سے دور ہوئے تو انہوں نے ایسے شخص
(یعنی بہادر شاہ ظفر) کی پناہ لی جسکی عقل میں بڑھاپے کے باعث خرابی پیدا ہو چکی تھی اور وہ
سلطان کہلاتا تھا-

شعر نمبر ۸۶: وہ خشک ہاتھ والا، جس نے اپنا نام بہادر رکھ کر اپنے آپ کو ایسے وصف
سے متصف کیا تھا جو اس میں نہیں تھا، وہ بہت بوڑھا اور خصیوں کی طرح بزدل مرد تھا-

شعر نمبر ۸۷: انہوں (فوج) نے دہلی آکر امارت کیلئے ایسے شخص کو منتخب کیا جو حیران
و ششندر تھا اور شدت غم سے اسکی عقل جانے کو تھی-

شعر نمبر ۸۹: اسکا خاندان دشمنوں سے میل جول کا آرزومند اور انکا مطیع تھا-

شعر نمبر ۹۰: اور اسکا عامل (حکیم احسن اللہ خان) پہلے ہی انکے (انگریزوں کے)

---

[1] باغی ہندوستان، ص: ۴۷، ۴۸

[2] مرجع سابق، ص: ۵۱

[3] مکمل قصیدہ آخر میں ملاحظہ کیجئے-

ساتھ دین کے بدلے دین اور ایمان کے بدلے ایمان کا معاہدہ کر چکا تھا۔

شعر نمبر ۹۱: حالانکہ اس نے عیسائیوں (انگریزوں) کو سوائے خوف و خطرہ کی گھڑی کے، بددیانتی کرتے اور معاہدے توڑتے دیکھا تھا۔

شعر نمبر ۹۲: ہر کافر قسم میں جھوٹا ہوتا ہے اور وہ کبھی بھی قسم پوری کرنا اور کفارہ دینا نہیں چاہتا۔

شعر نمبر ۹۳: مگر وہ دھوکہ کھا گیا جب ایک بہرے اور کانے نے اسکی بصیرت کو اندھا کر دیا۔

شعر نمبر ۹۴: ان دونوں نے فوج کو شکست اور دھوکہ دینے کی کوشش کی اور طرح طرح کے فتنے ایجاد کیے۔

شعر نمبر ۹۵: وہ لشکروں کا لایا ہوا سب کچھ جیسے درہم دینار اور سونا، ہڑپ کر گئے۔

شعر نمبر ۹۶: دشمن کے مقابلے کیلئے کتنا مال و اسلحہ تھا جو ان سے لیکر دشمن کو بیچ دیا گیا

شعر نمبر ۹۷: ہر دھوکہ باز و خائن نے ان (لشکریوں) سے خیانت کی اور یہ دونوں ان سب میں بڑھ کر کمینے و گمراہ تھے۔

شعر نمبر ۹۸: خیانت و دھوکہ دہی عیب ہے، بہت سے لوگ اس میں پڑے، مگر یہ دونوں اس عیب میں سب پر سبقت لے گئے۔

شعر نمبر ۱۱۷: اور مخلص مجاہدین بھی دہلی آئے، انہوں نے مولیٰ تعالیٰ کے فضل کی امید اور رضا کی طلب میں جہاد کیا۔

شعر نمبر ۱۱۸: حالانکہ انکے لیے دانوں کے سوا کوئی خوراک اور پھٹے اور بوسیدہ کپڑوں کے سوا کوئی لباس نہ تھا۔

شعر نمبر ۱۲۱: انہوں نے کتنی ہی مرتبہ ان (انگریزوں) پر یوں حملہ کیا جیسے بھوکے شیر اونٹنیوں اور بھیڑوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

شعر نمبر ۱۲۲: ہر بار جب وہ حملہ کرتے، انگریزوں کو شکست ہوتی اور ان میں حملہ کی

سکت نہ رہتی۔

شعر نمبر ۱۲۵: رہے فوجی پہلے تو انہوں نے جوش کھایا اور پوری طرح مقابلہ کیا۔

شعر نمبر ۱۲۶: آغاز میں تو انہوں نے جنگ میں بہادروں کی طرف پیش قدمی کی اور پھر گروہوں کے بعد گروہ لوٹ گئے۔

شعر نمبر ۱۲۷: پہلے تو ہر کوئی بہادر و دلیر تھا اور اب ہر کوئی انتہائی بزدل ہو چکا تھا۔

شعر نمبر ۱۲۸: اور یہ انکے اس ظلم کی نحوست تھی جسکے وہ مرتکب ہوئے تھے یعنی مال کا لوٹنا اور عورتوں اور بچوں کا قتل۔

شعر نمبر ۱۹۷: انہوں (انگریزوں) نے بادشاہ کو شیطان جیسے سرکش دشمن کی نگرانی میں قید رکھ کر سخت اذیت دی۔

شعر نمبر ۱۹۸: اور اسکے چار شریف بیٹوں کو قتل کر کے انکی لاشوں کا مثلہ کیا اور مقتولین کی لاشوں کو شاخوں سے لٹکا دیا۔

شعر نمبر ۱۹۹: اور مقید بادشاہ کو انکے (شہزادوں کے) کٹے ہوئے سر خوان میں رکھ کر تحفہ میں بھیجے۔

شعر نمبر ۲۰۰: اور اسکی بیوی (ملکہ زینت محل) کثرتِ فضل وغنا کے بعد، محفوظ و وسیع گھر سے داروغہ جیل کے قید خانہ میں محبوس کر دی گئی۔

ہم نے دیکھا کہ جنگ آزادی کے ان حقائق مذکورہ اور انکی ترتیب پر تمام اصل مآخذ متفق ہیں۔ بلکہ ان میں اسقدر مماثلت ہے کہ ان سب کو ایک دوسرے کا تکملہ، تفصیل و تلخیص کہا جا سکتا ہے۔

انہیں مصادر و مآخذ میں جنگ آزادی اٹھارہ سو ستاون کے ایک اور راہنما علامہ فضل حق خیر آبادی کا ذکر بھی ملتا ہے۔ آیئے دیکھیں کہ جنگ آزادی میں انکا حصہ کیا تھا؟ کتنا تھا؟ اور کیسا تھا؟

5.7-جنگِ آزادی اور علامہ فضل حق خیر آبادی

جنگ آزادی میں علامہ فضل حق خیر آبادی کا حصہ تاریخ اور ماخذ کی وضاحت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے:-

- ۲۶/جولائی، ''میوٹنی پیپرز بکس نمبر ۱۰۰، نمبر ۹۶''[1]

مولانا فضل حق خیر آبادی نے ۲۶/جولائی کو کمانڈر انچیف شہزادہ مرزا مغل کو فارسی میں خط لکھا اور کہا کہ ''انکی جنرل بخت خان سے جو گفتگو ہوئی ہے اسکی تفصیل سے مجھے آگاہ کریں۔''

- ۱۶/اگست: ''غدر کی صبح وشام''، ص: ۲۱۷: مولوی فضل حق شریکِ دربار ہوئے، انہوں نے اشرفی نذر میں پیش کی، اور صورتِ حالات کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔
- ۱۸/اگست: ''غداروں کے خطوط''، ص: ۱۷۶: (کرنل بیچر کے مخبر کی رپورٹ) مولوی فضل حق، الور کے راجہ کی ملازمت چھوڑ کر دہلی آ گیا ہے۔
- "Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P:23,24:

دوسرے روز مولوی فضل حق آئے اور نذر پیش کی، وہ باغی فوج کی بہادری کی بڑے زور شور سے تعریف کر رہے تھے۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا: اب وقت کا تقاضا ہے کہ باغیوں کو رقم اور سامانِ رسد کی مدد پہنچائی جائے تاکہ انہیں کچھ سہارا ہو۔ بادشاہ نے کہا: رقم کہاں ہے؟ رہا رسد کا تو وہ پہنچی تھی، مگر ناکافی تھی اور اسکی وجہ ان باغیوں کا عوام کے ساتھ غلط رویہ ہے۔ مولوی صاحب نے کہا: حضور کے تمام ملازمین نااہل ہیں، دور اور قریب کے تمام حکمرانوں سے رقم کا مطالبہ کرنے کی اجازت دیجئے اور کسی ہوشیار آدمی کو رسد کی فراہمی پر مامور کرنے دیجئے۔ میرے لڑکے (مولانا عبدالحق) اور دیگر اعزہ تحصیل کا کام انجام دیں گے، اور رسد بھی فراہم کریں گے۔

---

[1] دیکھئے (Bahadur Shah II & The War of 1857 in Dehli) از مہدی حسین، ص: ۲۹۱

بادشاہ نے جواب دیا: آپ تو یہیں ہیں آپ انتظام سنبھالیئے۔

مولوی صاحب نے جواب دیا: میرے بھتیجے اور دوسروں کو گوڑ گانوہ کی تحصیلداری اور کلکٹری کا پروانہ تقرر جاری کیا جائے۔ وہ سب انتظام کرلیں گے اور الور، جھجر، بلب گڑھ اور پٹیالہ کے راجاؤں کے نام بھی (رقم کے مطالبے کے) پروانے جاری کیجئے۔ پٹیالہ کا راجہ اگرچہ انگریزوں سے ملا ہوا ہے۔ لیکن اگر دوستانہ مراسلت کی جائے تو وہ ساتھ آ جائیگا۔

بادشاہ نے بتایا کہ پیرزادہ ابوالسلام کی درخواست پر بخت خان نے راجہ پٹیالہ کو ایک پروانہ بھیج دیا ہے، مگر ابھی تک اسکا جواب نہیں آیا۔

مولوی صاحب نے کہا: میں اپنے بھائی (فضل عظیم) کو جو راجہ کے یہاں ملازم ہیں، لکھوں گا کہ وہ جلد جواب بھجوائیں۔

مولوی صاحب جب بھی بادشاہ کے پاس آتے، بادشاہ کو مشورہ دیتے کہ جہاد کی مہم میں اپنی رعایا کی ہمت افزائی کریں اور انکے ساتھ باہر (میدان میں) بھی نکلیں۔ فوجی دستوں کو جس حد تک ممکن ہو بہتر معاوضہ دیں ورنہ اگر انگریز جیت گئے تو نہ صرف خاندان تیموریہ بلکہ تمام مسلمان نیست و نابود ہو جائیں گے۔

○ ۱۸ر اگست: ''غدر کی صبح و شام''، ص: ۲۲۰:

مولوی فضل حق نے اطلاع دی کہ انگریزی اخبارات لکھ رہے ہیں کہ ''شہر پر قبضہ ہو جانے کے بعد باشندوں کا قتلِ عام کیا جائیگا، شہر کو مسمار کر دیا جائیگا، اور بادشاہ کے گھرانے میں ایک بھی آدمی ایسا نہ چھوڑا جائے گا جو بادشاہ کا نام لے یا اسے پانی کا ایک قطرہ بھی دے سکے۔''

اسکے بعد مولوی نے کہا: کہ حضور کو مناسب ہے کہ سپاہیوں کو ترغیب دیکر انگریزوں کے مقابلے سے روک دیا جائے کیونکہ وہ کسی نوع انگریزوں پر فتح نہیں پا سکتے[1]۔

[1] یہ اور اسکے مابعد کی عبارت جیون لال کے روزنامچہ کے سوا کہیں نظر نہیں آتی، علامہ کی سیاسی زندگی کے تمام احوال اس کی نفی اور تغلیط کرتے ہیں، اور یہ بھی ثابت شدہ ہے کہ علامہ میدانِ جنگ میں لڑنے والے صاحب سیف مجاہد نہ تھے۔ غالباً اسی لئے علامہ سے نظریاتی اختلاف رکھنے والے مصنف ''غلام رسول مہر'' اپنی کتاب ''۱۸۵۷ء کے مجاہد'' کے ص: ۲۰۵، پر اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہیں: ''مجھے یقین ہے کہ یہاں اردو روزنامچے کے انگریزی مترجم سے شدید غلطی ہوئی ہے یہ رائے کسی اور کی ہوگی جو مولانا سے منسوب کر دی گئی''

بادشاہ نے جواب دیا: کہ اپنی افواج کو لڑانے کیلئے لے جاؤ اور انگریزوں کے خلاف لڑاؤ۔

مولوی نے جواباً کہا: کہ افسوس تو اسی بات کا ہے کہ سپاہی انکا کہا نہیں مانتے جو انکی تنخواہ دینے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

بادشاہ نے جواب دیا: کہ اچھا تو اپنی فوج کو محاصل جمع کرنے کے کام پر لگا دو۔

○ بہادر شاہ کا مقدمہ، ص: ۲۵۶-۲۵۷: حکیم احسن اللہ خان کا شہادتی بیان:

''زمین داران گوڑ گانوہ نے بادشاہ کو ایک درخواست ارسال کی تھی جس میں بدنظمی کا ذکر کر کے التجا کی تھی کہ کوئی افسر نظم و نسق کیلئے مقرر کیا جائے۔ مولوی فضل حق نے جو الور سے آئے تھے۔ اپنے بھانجے کا (جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا) کی سفارش کی کہ وہ وہاں مقرر کر دیا جائے، کیونکہ گورنمنٹ برطانیہ کے دورِ حکومت میں بھی وہ اس ضلع میں مقرر تھا۔ چنانچہ یہ شخص ضلع دار مقرر کیا گیا، مگر میں آگاہ نہیں ہوں کہ وہ گوڑ گانوہ گیا یا نہیں، البتہ اتنا معلوم ہے کہ زوالِ دہلی کے پندرہ بیس روز قبل یہ تقرر ہوا تھا۔ مولوی فضل حقؒ نے بھی کئی تحصیل داروں کو ضلع دار کی نیابت میں مقرر کیا تھا۔

○ Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P:,24: ''بادشاہ نے حکم دیا: کہ مولوی صاحب کی تجویز کے مطابق والیانِ ریاست کو پروانے لکھے جائیں اور بعجلت روانہ کر دیے جائیں۔ وہاں پر موجود سپرز اور مائینرز کے افسر قادر بخش نے مولوی صاحب سے کہا: کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ خود ابتدائی خاکہ لکھ کر انہیں دیں اور اپنے سامنے نقل کروائیں، کیونکہ یہاں کے لوگ انگریزوں سے ملے ہوئے ہیں۔ بادشاہ کچھ حکم دیتے ہیں اور یہ کچھ لکھتے ہیں۔

○ ۱۸/اگست: ''غدر کے فرمان''، ص: ۱۲۷ تا ۱۲۹: ''بہادر شاہ کے منشی مکند لال نے ۱۸/اگست کے روز کی جو رپورٹ انگریزوں کو بھیجی اس میں علامہ صاحب سے متعلقہ

رپورٹ کچھ یوں ہے:"

جب بادشاہ دربار کرنے کے بعد اپنے کمرۂ خاص میں تشریف لے گئے تو مولوی فضل حق، نواب احمد علی خان بہادر، بُدھا صاحب اور مرزا خیر سلطان بہادر نے تحریری احکام دیئے جو مفصلہ درج ذیل ہیں:

حکم نمبر ۱۶: بنام حسین بخش عرض بیگی ضلع علی گڑھ کی آمدنی وصول کرنے کیلئے مولوی فضل حق کی موجودگی میں لکھا گیا، اور شمشیر الدولہ بہادر و مرزا خیر سلطان بھی موجود تھے۔

حکم نمبر ۱۷: بنام فیض محمد[1]، اسے ضلع بلند شہر و علی گڑھ کی آمدنی وصول کرنے پر مقرر کیا گیا ہے، حسبِ ہدایت مولوی فضل حق تحریر کیا گیا۔

حکم نمبر ۱۸: بنام ولیداد خان، مذکورہ دونوں آدمیوں کی آمدنی وصول کرنے میں مدد دینے کیلئے تحریر کیا گیا۔ مولوی فضل حق۔

حکم نمبر ۲۶: بنام مولوی عبدالحق خان، ضلع گوڑگانوہ کی مالگذاری، آمدنی وصول کرنے کا انتظام کیا جائے۔ حسبِ ہدایت مولوی فضل حق لکھا گیا، جن کا بھتیجا گوڑگانوہ جائے گا۔

⊙ ۱۹/اگست، "غدر کی صبح و شام" ص:۲۲۲:

عبدالحق خان (خلف مولوی فضل حق) اور مولوی فیض احمد اگان وصول کرنے کی غرض سے گوڑگانوہ[2] گئے۔

○ ۱۹/اگست: "سن ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ"، ص:۹۶[3]: معاصر عبداللطیف کی رپورٹ: جب ہنگامہ برپا ہوا تو مولوی فضل حق آئے، دربار میں حاضر ہوئے،

---

[1] صحیح نام فیض احمد بدایونی ہے۔

[2] اسے گوڑگاؤں لکھا جاتا ہے۔

[3] بحوالہ فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون، ص:۸۲

نذر پیش کی، روپیہ صدقے اتارا، انہیں انتظام سنبھالنے کی خواہش تھی۔[1]

○ ۲۴-۲۵/اگست: ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۹۴ (رپورٹ از تراب علی)

ایک ہفتے سے مولوی فضل حق الور سے یہاں آئے اور تخریب زبانی عداوت سرکار شریک کورٹ کے ہوئے، اور کل بیٹا انکا ناظم سہارن پور مقرر ہوا، اور مولوی میاں خان نائب سررشتہ دار گڑگاؤں اور ہمشیر زاد مولوی صاحب کے بھی ناظم گڑگاؤں مقرر ہوئے۔

○ ۲۴-۲۵/اگست: ''غداروں کے خطوط''، ص:۱۹۵ (رپورٹ از تراب علی)

الور کے مولوی فضل حق پچھلے ہفتے سے یہاں ہیں اور انگریزی حکومت کی شدت سے مخالفت اور دوسری ترکیبوں سے کونسل کے رکن بننے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ انکا لڑکا سہارنپور کا ناظم مقرر ہوا ہے۔

○ ۲۸/اگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۲۰۳، ۲۰۴: (رپورٹ از تراب علی)

مولوی فضل حق جب سے دہلی آیا ہے، شہریوں اور فوج کو انگریزوں کے خلاف اکسانے میں مصروف ہے۔ وہ کہتا پھرتا ہے کہ اس نے آگرہ گزٹ میں برطانوی پارلیمنٹ کا ایک اعلان پڑھا ہے، جس میں انگریزی فوج کو دہلی کے تمام باشندوں کو قتل کردینے اور پورے شہر کو مسمار کردینے کیلئے کہا گیا ہے۔ آنے والی نسلوں کو یہ بتانے کیلئے کہ یہاں دہلی کا شہر آباد تھا۔ شاہی مسجد کا صرف ایک مینار باقی چھوڑا جائے گا۔

---- ممکن ہے باغی آج انگریزی مورچوں پر حملہ کریں ---- مولوی فضل حق کے کہنے پر شہزادے اب حملہ کرنے والی فوج کے ساتھ محاذ پر جاتے ہیں اور عموماً سبزی منڈی کے پل پر لڑتے ہیں۔

---

[1] ہنگامی حالات اور ضرورت کے پیش نظر ہر شخص نے اپنی اہلیت کے مطابق خدمات پیش کیں جیسے بخت خان نے آتے ہی شہزادوں کے تقرر کو غلط قرار دیا اور کہا کہ اختیارات مجھے دیدیں میں مناسب انتظامات کرونگا اور پھر مولوی سرفراز علی (مرشد بخت خان) نے بادشاہ سے درخواست کی کہ بخت خان کو کمانڈر انچیف بنایا جائے۔ (دیکھئے Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P:16,18)۔ اور مولوی سرفراز علی نے خود کو وزیر مقرر کیے جانے کیلئے پیش کیا، دیکھئے دی گریٹ ریولیوشن آف ۱۸۵۷ء از سید معین الحق، ص:۱۸۱۔ علامہ خیر آبادی کو تو بادشاہ نے بلایا ہی انتظامات سنبھالنے کیلئے تھا، مکمل قصہ، ملاحظہ ہو، شعر نمبر ۸۸، [illegible]

○ ۳۰ راگست، ''غداروں کے خطوط''، ص:۲۱۳ (رپورٹ از تراب علی)

اگر آپ مرزا الٰہی بخش کو اس خط کا جواب دیں تو اس مقصد کیلئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کریگا، اور مولوی فضل حق اور دوسرے باغیوں کو شہر سے باہر نکال دیگا۔

○ یکم ستمبر: ''غداروں کے خطوط''، ص:۲۱۸-۲۱۹: (رپورٹ از تراب علی)

کورٹ یعنی جنگی مشاورتی کونسل کے ممبروں کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ غوث محمد خان۔ جنرل نیمچہ فوج

۲۔ ہیرا سنگھ۔ بریگیڈیر نیمچہ فوج

۳۔ بخت خان۔ جنرل بریلی فوج

۴۔ محمد شفیع۔ رسالدار آٹھویں ارریگولر رجمنٹ

۵۔ حیات محمد۔ رسالدار چودھویں رجمنٹ

۶۔ قادر بخش۔ صوبہ دار سیپرز اینڈ مائینرز

۷۔ نتھو۔ صوبہ دار بہترویں رجمنٹ

۸۔ ہری دت۔ صوبہ دار نویں رجمنٹ

۹، ۱۰، ۱۱--------

انکے علاوہ کونسل میں دہلی کی ہر رجمنٹ کے پانچ پانچ سپاہی اور مولوی فضل حق بھی شامل ہیں۔ جنرل بخت خان کی مجلس مشاورت میں بریلی کے مولوی سرفراز علی، پلول کے مولوی امداد علی اور رسالدار محمد شفیع شامل ہیں۔ دربار میں یہ دونوں مولوی ہر وقت بادشاہ سلامت کے پاس ہوتے ہیں۔[1]

○ Red Year، ص:۲۱۲۔[2]

''بادشاہ کی مجلس مشاورت بخت خان اور سرفراز علی پر مشتمل تھی اور کسی حد تک فضل

۱۔ دیکھیے، (Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P:26

۲۔ بحوالہ مجموعہ مقالات از قریشی، ص:۱۵۷۔

حق بھی۔مگر بادشاہ کے چاہنے کے باوجود مؤخر الذکر کو مجلسِ مشاورت میں شریک ہونے کی اجازت نہ تھی۔"[1]

○ ۲/ستمبر: "غدر کی صبح وشام"، ص: ۲۴۰

بادشاہ دربارِ عام میں تشریف فرما ہوئے۔مرزا الٰہی بخش، مولوی فضل حق، میر سعید علی خان اور حکیم عبدالحق آداب بجالائے۔

○ ۶/ستمبر: "غدر کی صبح وشام"، ص: ۲۴۶

بادشاہ دربار میں تشریف فرما ہوئے۔۔۔۔مولوی فضل حق نے اطلاع دی کہ متھرا کی فوج آگرہ چلی گئی ہے، اور انگریزوں کو شکست دینے کے بعد شہر پر حملہ کر رہی ہے۔

○ ۷/ستمبر: "غدر کی صبح وشام"، ص: ۲۴۷

حکیم عبدالحق، میر سعید علی خان، مولوی فضل حق، بدرالدین خان اور دیگر تمام امراء ورؤساء شریکِ دربار ہوئے۔

○ اخبار دہلی از چنی لال، ص: ۲۷۳، فائل نمبر، ۱۲۷۔[2]

مولوی فضل حق اپنے مواعظ سے عوام کو مسلسل بھڑکا رہے ہیں۔

○ تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ، ص: ۶۸۷۔[3]

مولوی صاحب (علامہ فضل حق خیر آبادی) عالمِ متبحر مشہور تھے، وہ الور سے ترکِ ملازمت کر کے دہلی آئے تھے۔انہوں نے بادشاہ کیلئے ایک "دستور العمل سلطنت" لکھا تھا جسکی ایک دفعہ یہ مشہور ہوئی تھی کہ گائے کہیں بادشاہی عملداری میں ذبح نہ ہو۔۔۔۔انکو اس بغاوت کے سبب سے جلاوطنی کی سزا ملی تھی۔

---

[1] خود علامہ نے بھی اس بات کا ذکر کیا ہے کہ بادشاہ نے انہیں بلا کر ان سے پورا استفادہ نہ کیا جسکی ایک وجہ یہی نااہل وزیر مشیر اور غدار ہونگے۔اگلے صفحات میں علامہ کے بیانات ملاحظہ کیجئے۔

[2] بحوالہ "فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون"، ص: ۴۸

[3] یہ مولوی ذکاء اللہ کی تصنیف ہے اور یہ دہلی میں جنگ آزادی کے عینی شاہدوں میں سے تھے۔سن ستاون میں پچیس سال کے تھے، انگریزوں کی رضاجوئی کیلئے تاریخ لکھی۔

5.8-علامہ کا ذاتی اعتراف اور بیان:

○ باغی ہندوستان (اردو ترجمہ الثورۃ الھندیہ)، ص:۴۷-

''اس وقت دہلی میں میرے اکثر اہل وعیال موجود تھے، اور مجھے بلایا بھی گیا تھا ساتھ ہی فلاح وکامیابی، کشائش وشادمانی کی امید بھی تھی- جو کچھ ہونے والا تھا وہ تو پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا- میں نے دہلی کا رخ کر دیا- وہاں پہنچ کر اہل وعیال سے ملا- اپنی عقل وفہم کے مطابق لوگوں کو اپنی رائے اور مشورہ سے آگاہ کیا- لیکن نہ انہوں نے میرا مشورہ قبول کیا اور نہ میری بات مانی-''

○ قصیدہ نونیہ،[1] شعر نمبر ۸۸:

اس انتہائی بوڑھے (بادشاہ بہادر شاہ ظفر) نے مجھے اہم معاملے کے ارادہ سے بلایا مگر پھر میری رائے ومشورہ پر عمل نہ کیا اور میں ششدر و نابینا رہ گیا-

○ قصیدہ ہمزیہ، شعر نمبر-۱۶۳، ۱۶۴-

میں بیٹھنے والوں کو لڑائی میں برابر آگے بڑھاتا رہا، اور لڑائی شروع ہو جانے پر خود بیٹھا رہا-

میں اپنی سستی کی وجہ سے ایسے موقعوں پر باز رہا، یہ میں نے بڑا جرم کیا- میں شہادت سے محروم رہا جبکہ سعادتمندوں نے جامِ شہادت نوش کیا-

○ قصیدہ نونیہ، شعر نمبر ۲۱۷ تا ۲۲۳-

-میں شکست خوردہ لشکر کو روکنے کیلئے نکلا اور حتی الامکان اسے اس پر ابھارا اگر اُسکو کیونکر ثابت قدم بنانا ممکن ہے جو خود فرار ہو-

میں نے کہا کہ دشمن کبھی معاف نہیں کریگا اسلئے جنگ اور مقابلے کے سوا کوئی چارہ نہیں-

-میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش مین کوئی کمی وکوتاہی نہ کی، لیکن انہوں نے نصیحت کو سنا نہ کان دھرے-

---

[1] مکمل قصیدہ آخر میں ملاحظہ کریں-

-جب میں نے انہیں اچانک جنگ سے منحرف پایا تو عجز و بے بسی مجھے گھر والوں اور وطن کو لے گئی-

-میں نے دہلی کو یوں چھوڑا جیسے روح مجبوراً قالب سے رخصت ہوتی ہے اور میں اپنے دوست احباب سے بھی رخصت ہوا-

-جبکہ میرے پیاسے جگر میں آرزو کی آگ بھڑک رہی ہے اور میرے دل میں طرح طرح کے غم جوش زن ہیں-

-اور نصاری نے بستیوں میں ایسے شخص کیلئے بڑے انعام کے وعدے مشتہر کیے جو مجھے ڈھونڈنے کیلئے کوشاں ہو-

○ باغی ہندوستان، ص: ۴۷-

''جب نصاری پورے شہر پر قابض ہو گئے اور کوئی لشکری و سپاہی باقی نہ رہا غلہ اور پانی دشمنوں کے ظلم و استبداد کی وجہ سے ناپید ہو گیا، تو میں پانچ شب و روز اسی حالت میں گزار کر، اپنی کتابیں مال و اسباب چھوڑ کر، بار برداری کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے، خدا پر بھروسہ کر کے، اہل و عیال کو ساتھ لیکر نکل کھڑا ہوا-''

○ <u>جبکہ علامہ نے عدالتی بیان میں کہا:</u>

''میں راجہ الور کے ہاں ملازم تھا، اور بغاوت شروع ہونے کے زمانے میں اسی کے پاس تھا- راجہ بنے سنگھ کی وفات (۱۵ر جولائی ۱۸۵۷ء)[1] کے بعد ایک مہینے تک میں الور میں رہا، میں اگست ۱۸۵۷ء میں الور سے روانہ ہوا اور دہلی آیا- وہاں میں پندرہ دن رہا اور پھر واپس الور چلا گیا- میں نے اپنے اہل و عیال کو یہاں الور میں چھوڑا، اور دسمبر ۱۸۵۷ء میں خیر آباد کی راہ لی-''[2]

عدالتی فیصلہ میں لکھا گیا:

''ملزم بغاوت شروع ہونے کے وقت الور میں ملازم تھا- یہاں سے وہ دیدہ و

---

[1] دیکھئے مجموعہ مقالات مرتبہ افضل قریشی، ص: ۷۶
[2] ماہنامہ تحریک، ص: ۱۲

دانستہ دہلی آیا اور اسکے بعد وہ باغیوں اور بغاوت کے قدم بقدم چلتا رہا۔"[1]

ماحصل یہ ہے کہ مذکورہ بالا واقعات پر تمام مصادر کا اتفاق، مماثلت اور ایک دوسرے کی تصدیق کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ یہی تاریخی حقائق ہیں۔

5.9- حاصلِ تحقیق

۱۔ انگریز اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف جہاد ضروری تھا۔

۲۔ وجوبِ جہاد کے فتوے درست تھے۔

۳۔ جنگ آزادی تمام اہل ہندوستان کی طرف سے استخلاصِ وطن کی مشترکہ کوشش تھی۔

۴۔ تمام سکھ، ماسوائے چند کے، آغاز ہی میں انگریزوں سے مل گئے اور بعد میں ہندو بھی۔

۵۔ مسلمانوں نے یہ جنگ قیادت کی نااہلی کے باعث ہاری، جیت کوئی مشکل نہ تھی۔

۶۔ علامہ فضل حق خیرآبادی نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا، مگر وہ صاحبِ سیف مجاہد نہ تھے۔

۷۔ علامہ ایک ساٹھ سالہ سن رسیدہ، مگر بہت رسا نظر رکھنے والے مدبر اور سیاستدان تھے۔ اسکے باوجود انہیں میدان جنگ میں لڑ کر جام شہادت نوش نہ کر سکنے کا افسوس تھا۔

۸۔ دہلی میں جنگ آزادی چار مہینے جاری رہی[2]، علامہ کا حصہ صرف چوتھے مہینے پر مشتمل ہے۔

۹۔ علامہ وسطِ اگست میں بہادر شاہ ظفر کی دعوت پر الور کی ملازمت ترک کر کے باقاعدہ طور پر دہلی آئے۔ مگر انکا رابطہ اس سے قبل بھی تھا۔

۱۰۔ دہلی پہنچتے ہی تمام انتظامات انکے سپرد کر دیے گئے۔

---

[1] ماہنامہ تحریک، ص: ۱۷

[2] یعنی گیارہ مئی ۱۸۵۷ء سے انیس ستمبر ۱۸۵۷ء تک۔

۱۱- علامہ نے صورتحال کا فوری جائزہ لیکر کامیابی کی راہ میں رکاوٹوں اور مجاہدین کو درپیش مسائل کی تشخیص کر کے، انکا حل تجویز کردیا۔

۱۲- اس انتہائی بگڑی ہوئی صورتحال کو سنوارنے کیلئے اپنی طرف سے تمام ممکنہ خدمات پیش کردیں۔ پھر ایک ولولۂ تازہ کے ساتھ کام کا آغاز بھی کردیا۔[۱]

۱۳- انکے کام کا انداز اور مطمحِ نظر درپیش صورتحال سے نبٹنے اور فوری ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اس اسلامی ریاست کے مستقبل کو بھی تحفظ واستحکام دینا تھا

۱۴- علامہ نے انتہائی مختصر مدت میں دستورِ سلطنت بنا کر دیا،[۲] جو منظور ہوا۔

۱۵- اس دستور کی روشنی میں ملک کا نظام چلایا جانے لگا اور اہل لوگوں پر مشتمل ایک کورٹ[۳] ایڈمنسٹریشن (Court Administration) یعنی جلسہ انتظامِ فوجی وملکی تشکیل دیا گیا، جسکے ایک ممبر علامہ تھے۔[۴]

۱۶- علامہ کی دہلی آمد کے ایک ہفتے بعد ہی بننے والی اس دس رکنی کمیٹی میں بڑے اثر ورسوخ والے غداروں کو بھی رکنیت نہ ملنا، علامہ کی غیر معمولی بصیرت پر دلالت کرتا ہے۔

۱۷- کورٹ کے ممبران سے رازداری رکھنے کا حلف بھی لیا گیا تھا۔[۵]

۱۸- یہ کورٹ ہر روز پانچ گھنٹے تک اجلاس کرتی، اسکے اراکین کو شہر سے باہر جانے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔[۶]

---

۱ جیسے راجہ پٹیالہ جیسے انگریز نواز کو بھی آمادۂ تعاون واعانت کرنے کیلئے کوشش کی گئی۔

۲ دستور اور اسکے بارے میں دیگر معلومات اگلے صفحات میں ملاحظہ کیجئے۔

۳ علامہ کے ورودِ دہلی سے پہلے جو جنگی مشاورتی کونسل کام کر رہی تھی، اسے بھی "کورٹ" کہا جاتا تھا، مگر اسکا دائرہ کار جنگ سے متعلقہ امور تک محدود تھا، نہ تو وہ اتنی فعال تھی اور نہ ہی اسکے کوئی قواعد وضوابط تھے۔ ملاحظہ کیجئے "غداروں کے خطوط" ص: ۱۳۲، ۱۳۵–۱۴۰، ۱۶۲۔

۴ کورٹ کے باقی ممبران کا ذکر "غداروں کے خطوط" ص: ۲۱۸، ۲۱۹، کے حوالہ سے، جاسوس تراب علی کی رپورٹ میں گزر چکا ہے۔ کورٹ کی رازداری کے پیش نظر ناموں کی یہ فہرست حتمی نہیں، تفصیلات دستور میں ملاحظہ کیجئے۔

۵ اگلے صفحات میں دستور کا قاعدہ نمبر ۱۲ ملاحظہ کیجئے۔

۶ "غداروں کے خطوط" ص: ۱۹۶، پر ۲۵ اگست کی رپورٹ ملاحظہ کیجئے۔

۱۹- جنرل بخت خان اور سدھارا سنگھ کورٹ کے مشورے سے فوجی مہمات پر جاتے۔[1]

۲۰- لگان و چندہ وصول کرنے کیلئے بھی نئے لوگوں کا تقرر ہوا، جسکے نتیجے میں وصولیاں بڑھ گئیں۔[2]

۲۱- کورٹ نے ۲۳/اگست کو شہزادہ مرزا مغل کا کورٹ مارشل کیا[3]، جسکے نتیجہ میں شہزادے کو کورٹ سے بے دخل کر دیا گیا۔[4]

۲۲- ۱۶/اگست سے ۲۵/اگست تک یعنی صرف ایک عشرے کی مدت میں، وضعِ دستور سے شہزادے کے کورٹ مارشل تک کا سفر طے کروانے والے اس نادرِ روزگار محسن اور اسکے کارنامے کو بھلا دینا، اس قوم کی محض بدقسمتی ہے۔

۲۳- جنگ آزادی کے آخری ماہ میں غداروں اور جاسوسوں کی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔

۲۴- اواخر اگست تک قائدین جنگ آزادی کی ایک بڑی تعداد میں نفسا نفسی کی کیفیت تھی۔

۲۵- علامہ کی اپنے اردگرد پر نظر تھی اور اس کے علاوہ ذرائع ابلاغ سے بھی رابطہ تھا۔

۲۶- علامہ فضل حق نے بادشاہ، شہزادوں، فوج اور عوام، سب میں احساسِ ذمہ داری اور شعورِ تقاضائے وقت بیدار کیا۔

۲۷- ستمبر کے پہلے دو ہفتوں میں بادشاہ، شہزادہ مرزا مغل، مجاہدین اور عوام کے رویوں میں اچھی تبدیلی واضح طور پر نظر آنے لگی تھی، اور ہر طرف یہ اعلان ہونے لگے تھے کہ "جنگ میں جیت ناگزیر ہے"[5]

---

[1] "غداروں کے خطوط"، ص: ۱۹۳ پر ۲۴/اگست کی رپورٹ اور ص: ۱۹۵ پر ۲۵/اگست کی رپورٹ۔

[2] "غداروں کے خطوط"، ص: ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۱۷، ۲۳۹۔

[3] "غداروں کے خطوط"، ص: ۱۹۱۔

[4] "غداروں کے خطوط"، ص: ۱۹۶

[5] سابق صفحات میں ان تمام کے احوال میں یہ تبدیلی ملاحظہ کیجئے۔

۲۸- علامہ اور دیگر قائدین جنگ آزادی کے کرداروں کے موازنے سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ کا کردار باقی سب قائدین سے مختصر، مختلف، ممتاز اور مفید ترین تھا۔

۲۹- علامہ کا انگریزوں کے بارے میں موقف شروع سے آخر تک ایک ہی رہا۔

۳۰- علامہ فضل حق خیر آبادی انگریزوں کے اعلانیہ دشمن اور کھلم کھلا مخالف تھے۔

۳۱- قائدین جنگ آزادی میں سے اگر کسی کا نام، انگریزوں کے بڑے جاسوس تراب علی نے باغیوں کے ضمن میں بطورِ خاص لیا ہے تو وہ صرف علامہ فضل حق خیر آبادی ہیں۔ وہ انگریزوں کو اپنی رپورٹ میں تجویز کرتا ہے:

"اگر آپ مرزا الٰہی بخش (سب سے بڑے غدار) کو اسکے خط کا جواب دیں، تو اس مقصد کیلئے اپنا اثر ورسوخ استعمال کریگا، اور مولوی فضل حق صاحب اور دوسرے باغیوں کو شہر سے باہر نکال دے گا۔"[1]

۳۲- معلوم ہوا کہ علامہ فضل حق خیر آبادی ہی انگریزوں کے سب سے بڑے دشمن اور جنگ آزادی اٹھارہ سو ستاون کے ہیرو تھے۔

۳۳- علامہ فضل حق خیر آبادی کی "الثورۃ الھندیہ" میں جنرل بخت خان سمیت محاذِ دہلی کے کسی قائد کی تعریف نہیں ہے، البتہ مجاہدین کی بھرپور تعریف ہے۔

۳۴- علامہ کے بقول انکی تجاویز اور مشوروں سے پوری طرح استفادہ نہیں کیا گیا تھا۔

۳۵- علامہ دو ہفتوں بعد دو سے چھ ستمبر ۱۸۵۷ء کے درمیان واپس الور گئے[2] اور فوراً لوٹ آئے۔

۳۶- علامہ کا عدالتی بیان حقائق پر مبنی مگر قانونی پیچیدگیوں سے آگاہ ماہرِ قانون کا بیان تھا۔

۳۷- سقوطِ دہلی کے وقت بھی علامہ دہلی میں تھے۔ اسکے بعد پانچ دن یعنی ۲۴ ستمبر تک

---

[1] غداروں کے خطوط"، ص: ۲۱۳

[2] علامہ کے عدالتی بیان کے علاوہ "جیون لال کے روزنامچہ"، ص: ۲۴۶ پر ۶ ستمبر کی رپورٹ یہی دلالت کرتی ہے کہ علامہ الور گئے تھے اور انہیں دنوں گئے تھے۔

وہیں بھوکے پیاسے اپنے گھر میں بند رہے، اور پھر چھپ چھپا کر، سب قائدین سے آخر میں دہلی سے نکلے اور بڑی مشقتیں جھیل کر اپنے وطن خیر آباد پہنچے۔

5.10-علامہ نے دنیا کا مختصر ترین آئین بنایا

مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں: مولوی (فضل حق) صاحب عالم متبحر مشہور تھے، وہ الور سے ترکِ ملازمت کر کے دہلی آئے تھے۔ انہوں نے بادشاہ کیلئے ایک دستور العمل سلطنت لکھا تھا۔ جسکی ایک دفعہ یہ مشہور ہوئی تھی کہ گائے کہیں بادشاہی عملداری میں ذبح نہ ہو۔۔۔"[1]

مولوی ذکاء اللہ کی یہ بات تو درست ہے کہ "علامہ نے دستور العمل سلطنت بنایا۔" مگر یہ درست نہیں کہ ذبیحہ گاؤ کی دفعہ اسی دستور کی دفعہ ہے۔ اسلئے کہ ایسی کوئی دفعہ اس دستور میں موجود نہیں، اور یہ کہ ذبیحہ گاؤ پر پابندی دستیاب مصادر کے مطابق، علامہ کے ورودِ دہلی سے بہت پہلے ۹ رجولائی ۱۸۵۷ء کو ہی لگ گئی تھی، اور یہ پابندی بہادر شاہ ظفر نے لگائی تھی[2]۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اس آئین کے نفاذ کے بعد نہ صرف اس حکمِ پابندی کو برقرار رکھا گیا ہو بلکہ سختی سے اس پر عملدرآمد کروایا گیا ہو، کیونکہ ہر صورت جنگ میں جیت پیش نظر تھی۔ یا یہ کہ اس دفعہ کے نفاذ کے زمانے میں بھی علامہ دہلی آئے ہوں اور اس دفعہ کی خوب حمایت کی ہو کہ الور وہاں سے صرف اسی میل کے فاصلے پر ہے۔

مولوی ذکاء اللہ نے آئین نقل نہیں کیا، البتہ سقوطِ دہلی کے بعد لال قلعہ دہلی سے جو تحریری ریکارڈ قبضہ میں لیا گیا اس میں ایک دستور العمل سلطنت بھی تھا۔ اسکا اصل مسودہ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا دہلی میں محفوظ ہے۔

اس آئین کی ایک نقل سورندرا ناتھ سین نے اپنی کتاب (Eighteen Fifty Seven) میں صفحہ نمبر ۸۴ کے بعد دی ہے اور اسے دہلی کی باغی کورٹ کا آئین کہا ہے۔

[1] تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ، ص: ۶۸۷

[2] جیسا کہ پچھلے صفحات میں بادشاہ کے ذکر میں گزر چکا۔

ڈاکٹر مہدی حسین نے بھی اپنی کتاب (Bahadur Shah II and the War of 1857 in Dehli) میں صفحہ نمبر ۱۸۲ کے بعد اس آئین کی نقل دی ہے اور اس آئین کا انگریزی زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے[1] اور اسکو "جمہوریت اساس آئین" قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ علامہ فضل حق نے یہ آئین بنایا۔

جبکہ اس آئین پر آئین ساز کا نام اور تاریخ درج نہیں، مگر شواہد یہ بتاتے ہیں کہ یہ آئین اگست ۱۸۵۷ء کے آخری عشرہ کے آغاز میں بن گیا تھا[2] اور اسے علامہ فضل حق خیر آبادی نے ہی وضع کیا تھا۔ اسلئے کہ اس مسودہ کا رسم الخط اور علامہ کا رسم الخط ایک ہے[3]۔ اور یہ کہ علامہ فضل حق خیر آبادی کی شہرت ایک ماہر قانون کے طور پر رہی ہے، اور یہ کہ وہ بتیس سال تک مختلف ریاستوں کی عدالتوں میں اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔

دستور العمل سلطنت:

از آنجا کہ واسطے رفع برہمی سررشتہ اور موقوفی بدانتظامی طریقہ فوجی اور ملکی کے مقرر ہونا دستور العمل کا واجب اور مناسب اور واسطے عمل درآمد دستور العمل کے اولاً معین ہونا کورٹ کا ضروری ہے۔ اس لئے حسب ذیل قواعد لکھے جاتے ہیں:

۱۔ ایک کورٹ قائم کی جائے اور اس کا نام کورٹ ایڈمنسٹریشن بمعنی جلسۂ انتظام فوجی وملکی رکھا جائے۔

۲۔ اس جلسے میں دس آدمی مقرر کیے جائیں، اس تفصیل سے کہ چھ جنگی اور چار ملکی ہوں اور جنگیوں میں دو شخص پلٹن پیادگان سے اور دو شخص رسالہ ہائے سواراں سے اور دو سررشتہ توپ خانہ سے منتخب کیے جائیں اور ملکی چار شخص۔

---

[1] یہ ترجمہ کتاب کے آخر میں ملاحظہ کیجئے۔

[2] خیال رہے کہ تلمیذ خلدون نے "انقلاب ۱۸۵۷ء" جدید انکشافات، ص: ۵۷، پر "پریس لسٹ آف میوٹنی پیپرز"، بنڈل نمبر ۵۷، فولیو نمبر ۲۵۸ کے حوالے سے وضع آئین کی تاریخ ۱۸ اگست بتائی ہے۔

[3] رسم الخط اور مسودہ کی نقول آخر میں ملاحظہ کیجئے۔

۳- ان دس شخصوں سے ایک شخص باتفاق غلبہ آرائے پریسڈنٹ یعنی صدر جلسہ اور ایک شخص ویس پریسڈنٹ یعنی نائب صدر جلسہ مقرر ہو اور رای صدر جلسہ کی برابر دو رائے کے قرار پاوے گی اور ہر ایک سر رشتہ میں بقدر ضرورت سکتر مقرر کیے جائیں اور پانچ گھنٹے ہر روز (؟) جلسہ کورٹ کا-----

۴- ان شخصوں کے مقرر ہونے کے وقت حلف ان باتوں کا لیا جائے کہ کام کو بڑی دیانت اور امانت سے بلا رُو رعایت کمال جانفشانی سے اور غور و فکر سے سرانجام کریں گے اور کوئی دقیقہ دقائق متعلقہ انتظام سے فروگذاشت نہ کریں گے اور حیلۃً اور صراحتاً اخذ اجریا رعایت کسی طرح کی کسی لحاظ سے وقت تجویز امورِ انتظام کورٹ میں نہ کریں گے، بلکہ ہمیشہ ساعی اور سرگرم ایسے انتظام امورات سلطنت میں مصروف رہیں گے کہ جس سے استحکام ریاست اور رفاہ اور آسائش رعیت ہو اور کسی امر مجوزہ کورٹ کو بے اجازت کورٹ اور صاحب عالم قبل اجرائے اوس کے صراحتاً یا کنایتاً کسی پر ظاہر نہ کریں گے-

۵- انتخاب اشخاص کورٹ کا اس طریقے سے کہ غلبہ آرائے سے دو دو شخص پلٹن پیادگان اور رسالہ ہائے سواران سے اور سر رشتہ توپ خانہ جنگی سے جو قدیم الخدمت اور ہوشیار اور واقف کار اور لائق و عقیل ہو کئے جاویں اور اگر کوئی شخص ہوشیار، بہت عقیل و فہیم اور لائق انصرام کار کورٹ ہو اور شرط قدیم الخدمتی اوس میں نہ پائی جائے تو یہ ایک امر خاص ان صورتوں میں مانع تقرر ایسے شخص کا نہ ہوگا اور اسی طرح تقرر چار شخص ملکی کا بھی عمل میں آوے گا-

۶- بعد مقرر ہونے دس شخصوں کے اگر کوئی شخص جلسہ انتظام کورٹ میں رائے اپنی کسی امر میں ایسی خلافِ دیانت اور امانت اور محمول او پر رعایت کسی کے ہووے گا تو----- کامل غلبہ آرائے کورٹ سے وہ شخص موقوف کیا جاوے گا اور دوسرا شخص حسب قاعدہ پانچویں بمقام اوس کے انتخاب ہوگا-

جو امورات انتظام کے پیش آویں اول تجویز ان کی کورٹ میں ہوگی-----اور

بعد منظوری صاحب عالم بہادر[1] کے اطلاع رائے کورٹ سے حضور والا میں ہوتی رہے گی۔

۷۔ بعد مرتب ہونے رائے غلبہ آرائے جلسہ کورٹ سے واسطے منظوری کے پیش گاہ حضور صاحب عالم بہادر میں پیش ہونگے اور کورٹ ماتحت حکومت صاحب عالم بہادر ممدوح کے رہے گی اور کوئی امر امور انتظامی، جنگی و ملکی کے تجویز کورٹ اور بلا منظوری صاحب عالم محتشم الیہ اور بلا اطلاع حضور والا قابل اجرائی نہ ہوگا اور درصورت اختلاف رائے صاحب عالم بہادر بعد تجویز ثانی کورٹ وہ رائے بحالت اختلاف بوساطت صاحب منظم الیہ پیش گاہ حضور ظلِ سبحانی میں پیش ہو اور اس میں حکم حضور کا ناطق ہوگا۔

۸۔ کورٹ میں سوائے اشخاص مقررہ جلسہ کے بجز صاحب عالم بہادر اور حضرت ظل سبحانی کوئی شخص شریک جلسہ اور حاضر نہ ہوگا اور جب اشخاص معینہ کورٹ میں سے بعذر قوی لائق پذیرائی ایک شخص اپنے زمرہ مقرر سے حاضر جلسہ کورٹ نہ ہوسکے تو رائے غلبہ آرائے اشخاص باقی حاضرین جلسہ کورٹ کے بمنزلہ غلبہ رائے کل جلسہ کورٹ کے متصور ہوگی۔

۹۔ جب کوئی شخص کورٹ میں سے بنسبت کسی امر کے رائے اپنی پیش کرنی چاہے تو اولاً اتفاق ایک رائے دوسرے شخص کا پہلے کر کے اس وقت رائے اپنی متفق علیہ دو شخص کورٹ میں پیش کرے۔

۱۰۔ جس وقت کوئی امر کورٹ میں موافق قاعدہ نویں کے پیش ہو اول پیش کرنے والا تقریر اپنی کورٹ میں بیان کرے اور جب تک بیان اس کا تمام نہ ہو کوئی شخص اس میں دخل نہ کرے۔ اہل کورٹ میں سے اگر کسی کو کچھ اعتراض ہو تو وہ پہلے اپنا اعتراض ظاہر کرے تا تمام ہونے اوس کے بھی کوئی دخل نہ دے اگر معترض پر کوئی تیسرا شخص تقریر درباب اصلاح یا ترمیم کسی طرح کی کمی بیشی کے ساتھ پیش لاوے اور باقی اہل کورٹ کو سکوت ہو تو ہر ایک اہل کورٹ اپنی اپنی رائے علیحدہ لکھے، بعد ملاحظہ موافق قاعدہ آٹھویں کے غلبہ آراء پر عمل ہو

---

[1] بہادر شاہ ظفر مراد ہیں، اسلئے کہ یہ انکا لقب تھا۔

گا اور بعد منظوری ہر ایک سر رشتہ کے سکریٹر کے پاس بھیجی جاوے۔

۱۱۔ ہر ایک سر رشتہ فوج کے جو اشخاص حسب قاعدہ دوسرے کے منتخب کئے جاویں گے وہی اشخاص اس سر رشتہ کے منتظم اور منصرم مقرر کئے جاویں اور ان کے تحت میں چار آدمی کی کمیٹی حسب طریقہ قاعدہ چوتھے کے قرار پاوے اور بقدر ضرورت اسے اس کمیٹی میں بھی سکرٹر مقرر رہوں اور جو رائے اس کمیٹی میں غلبہ آرا سے مرتب ہوئے وہ رائے بذریعہ ان شخصوں افسر کمیٹی کے کورٹ میں پیش کی جاوے اور کورٹ سے موافق قاعدہ ساتویں کے عمل میں آوے اور یہی طریقہ ہر ایک سر رشتہ فوجی اور ملکی میں مرعی کیا جاوے۔

۱۲۔ ہر وقت بمقتضائے مصلحت کورٹ کو اصلاح اور ترمیم قواعد دستور العمل ہذا کا غلبہ آرا سے اختیار دیا جاوے۔"

آئین کی خصوصیات:

۱۔ یہ دستور اردو زبان میں لکھا جانے والا پہلا دستور ہے۔

۲۔ اس دستور کی اپنی مخصوص اصطلاحات ہیں جو اردو کے زیادہ قریب ہیں جیسے "کابینہ" کو "کورٹ" اور "جلسہ"، "ووٹ" کو "رائے"، "پریذیڈنٹ" کو "صدر جلسہ"، "وائس پریذیڈنٹ" کو "نائب صدر جلسہ"، "میٹنگ" کو "جلسہ"، "ڈیپارٹمنٹ" اور "نظام" کو "سر رشتہ" اور "سیکرٹری" کو سکتّر و سکرٹر لکھا گیا ہے۔

۳۔ یہ ایک مکمل دستور ہے۔

۴۔ یہ مختصر ترین دستور ہے۔[1]

۵۔ یہ جمہوری دستور ہے۔ اسکے تمام تر طریق کار میں جمہوریت کے اصول مدنظر رکھے گئے ہیں۔

۶۔ اس دستور میں فوج اور سول ہر دو شعبوں کو نمائندگی دی گئی ہے۔

۷۔ اس دستور کے قواعد کی روشنی میں بنائی جانے والی کابینہ کے ارکان کی اہلیت،

---

[1] مختصر ترین دستور کے طور پر مشہور امریکی آئین چار ہزار الفاظ پر مشتمل ہے۔

طریق انتخاب وموقوفی اور حلف وغیرہ کی بھی وضاحت ہے۔

۸۔ یہ کابینہ صدر مملکت (بہادر شاہ ظفر) کے ماتحت رہے گی۔

۹۔ کابینہ کے ہر رکن کے ذمہ ایک مستقل محکمہ ہے۔ جسکا انتظام و انصرام اسے چار یا حسب ضرورت سیکرٹریوں پر مشتمل کمیٹی کی مدد سے کرنا ہے۔

۱۰۔ سیکرٹریوں کی اہلیت کی شرائط اور طریق انتخاب وغیرہ ممبران کمیٹی والا ہی ہوگا

۱۱۔ اس دستور میں ضرورت و مصلحت کے مطابق اصلاح اور ترمیم کی بھی اجازت و گنجائش ہے۔

۱۲۔ یہ دستور ہنگامی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ معمول کے حالات کیلئے بھی کارآمد ہے۔

5.11- فتویٰ جہاد اور علامہ:

جنگ آزادی اٹھارہ سو ستاون کے دوران کئی فتوے دیے گئے تھے۔ چنانچہ دو فتوؤں کا ذکر مولوی ذکاء اللہ کی تاریخ[1] میں ملتا ہے۔ جسکے مطابق ایک فتوے کا چرچا کم تھا۔ جبکہ دوسرا فتویٰ، جو بخت خان کے دہلی میں ورود کے بعد والا ہے اسکا چرچا بہت زیادہ تھا۔ تیسرے فتوے کا ذکر سر سید احمد خان نے ''اسباب سرکشی ہندوستان''[2] میں کیا ہے، اس فتوے کو انہوں نے خود دیکھا تھا اور یہ عدم وجوب جہاد کا آئینہ دار تھا۔

ان معاصر اور قریبی دور کے مآخذ کے علاوہ، بعد کی ایک تصنیف ''باغی ہندوستان''[3] میں بھی ایک فتوے کا ذکر ملتا ہے۔ جو علامہ فضل حق خیر آبادی کا بتایا گیا ہے۔ مگر ان میں سے صرف ایک فتویٰ اب تک دستیاب ہوا ہے، سارے نہیں[4] اور وہ

---

[1] تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ، ص:۶۷۵/۵، بحوالہ مجموعہ مقالات، ص:۸۷، ۸۸۔

[2] اسباب سرکشی ہندوستان، ص:۱۰۶، ۱۰۷۔

[3] باغی ہندوستان، طبع اول، ص:۱۵۶

[4] جنگ آزادی ۱۸۵۷ء پر بہت سا مواد انڈیا آفس لائبریری لندن میں منتقل ہے اسکی مکمل اشاعت تک، بہت سے حقائق پردہ اخفا میں ہی رہیں گے۔

فتویٰ چھبیس جولائی ۱۸۵۷ء کو صادق الاخبار میں چھپنے والا فتویٰ ہے، جس پر دہلی کے تینتیس علماء[1] نے وجوبِ جہاد کی تصدیق میں دستخط کیے ہیں[2] اور اس فتوے کے مندرجات اور دستخط کنندگان مذکورہ بالا فتووں سے مطابقت نہیں رکھتے۔[3]

اٹھارہ سو ستاون کے تاریخی حقائق پر مشتمل جس قدر معاصر مآخذ اب تک منظر عام پر آئے ہیں، اور جن تک ہماری رسائی ہے، وہ سب تصدیق کرتے ہیں کہ علامہ وجوبِ جہاد کے نہ صرف قائل تھے بلکہ انہوں نے ہر سطح کے لوگوں (بادشاہ، شہزادوں، افواج اور رعایا) کو آمادۂ جہاد کیا،[4] اور ایک سے زائد مرتبہ فتوئے وجوبِ جہاد دیا۔ ملاحظہ کیجئے۔

○ ''مولوی صاحب جب بھی بادشاہ کے پاس آتے، بادشاہ کو مشورہ دیتے کہ جہاد کی مہم میں اپنی رعایا کی ہمت افزائی کریں اور انکے ساتھ باہر (میدان میں) بھی نکلیں، فوجی دستوں کو جس حد تک ممکن ہو بہتر معاوضہ دیں، ورنہ اگر انگریز جیت گئے تو نہ صرف خاندانِ تیموریہ بلکہ تمام مسلمان نیست و نابود ہو جائیں گے''۔[5]

○ وَقُلْتُ اِنَّ الْعِدَى لَنْ يَصْفَحُوْا اَبَدًا
فَمَا مِنَ الْحَرْبِ مِنْ بُدٍّ وَحَتْنَانٍ۔[6]

ترجمہ: میں نے کہا کہ دشمن کبھی معاف نہ کریگا اسلئے جنگ اور مقابلے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

صادق الاخبار والے فتوے پر علامہ کے دستخط نہ ہونے کی وجہ انکا ان دنوں الور میں ہونا ہے۔ غالباً اسی لیے علامہ لکھتے ہیں: ''یہ تو سب کچھ ہو ہی رہا تھا کہ بعض شہر و دیہہ سے بہادر مسلمانوں کی ایک جماعت علماء ذہّاد اور ائمہ اجتہاد سے جہاد کے وجوب کا فتویٰ

---

[1] ان علماء دہلی میں سے بیشتر وہ ہیں جنہوں نے علامہ کے مشہور فتاویٰ پر مہر و دستخط کیے تھے۔

[2] فتویٰ کتاب کے آخر میں ملاحظہ کیجئے۔

[3] تفصیلی تجزیے کیلئے دیکھئے ''باغی ہندوستان''، ص: ۲۶۳، ۲۶۶، اور ''فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون''، ص: ۶۸، ۶۹۔

[4] جیسے ڈاکٹر مہدی حسین لکھتے ہیں: (He did his utmost to promote the war) دیکھئے،
Bahadur Shah II,P,389,390-

[5] Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan,P:24

[6] قصیدہ نونیہ، شعر نمبر: ۲۱۸

لیکر، جدال وقتال کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی ۔''[1]

خیال رہے کہ ''باغی ہندوستان'' میں علامہ سے منسوب فتوے کی تصدیق کرنے والے جن چھ حضرات کے نام دیئے گئے ہیں وہ تحقیق کے مطابق سقوطِ دہلی کے وقت تک نہ صرف زندہ تھے بلکہ دہلی میں موجود تھے۔ مفتی صدرالدین آزردہ[2] اور مولوی عبدالقادر تو علمائے دہلی سے تھے۔ مولوی فیض احمد بدایونی اور ڈاکٹر مولوی وزیر علی خان[3] جہادِ آزادی کے یہ دونوں بڑے مجاہد آگرہ سے آئے تھے اور ان دنوں دہلی میں تھے۔ قاضی فیض اللہ دہلوی کوتوال دہلی تھے، انکے مستعفی ہونے پر سید مبارک شاہ رامپوری انکی جگہ کوتوال بنے اور سقوطِ دہلی کے وقت تک وہی کوتوال تھے۔ یعنی یہ سب علامہ کی دہلی میں موجودگی کے دنوں میں دہلی ہی میں تھے، اور ایک فتوے پر ان سب کے دستخطوں کی موجودگی ممکن ہے اور بہت ممکن ہے کہ یہ فتوی ستمبر ۱۸۵۷ء کے پہلے ہفتے میں دیا گیا ہو۔ نیز یہ کہ اگر باغی ہندوستان وغیرہ میں ذکر کردہ فتویٰ جہاد دستیاب ہو جائے تو جہادِ آزادی میں علامہ کی دیگر خدمات کے مقابل میں وہ ایک ادنی سی خدمت شمار ہوگا۔

5.12- فتویٰ ہنومان گڑھی اور علامہ

لکھنو کے قریب ہندوؤں کے ایک مقدس تاریخی مقام اجودھیا میں، مغل بادشاہ ظہیرالدین بابر نے رام چندر کے محل اور سیتا کی رسوئی (باورچی خانہ) منہدم کر کے ایک مسجد تعمیر کی تھی۔ ہندو اکثریت کے علاقہ میں واقع یہ مسجد رفتہ رفتہ ختم ہوگئی، کچھ ہندوؤں نے ختم کردی اور اسکے متصل ہنومان گڑھی بنالی۔

---

[1] ''باغی ہندوستان''، ص:۳۵۔

[2] مفتی صدرالدین آزردہ کے دستخط دو فتوؤں پر ثابت ہیں، ایک پر دستخط اپنی مرضی سے کیے یعنی انگریزوں سے سازباز سے قبل ۲۶؍جولائی کے ''صادق الاخبار'' والے فتوے پر، اور دوسرے پر جبراً [illegible] سازباز کے بعد وسط اگست سے سقوط دہلی کے درمیانی عرصے میں مرتب ہو[illegible]نے والے فتوے پر۔

[3] ڈاکٹر وزیر علی خان ۳۰؍اگست تک دہلی [illegible] چلے تھے اور مولوی فیض احمد بدایونی تو ۱۸؍اگست کو بلند شہر اور علیگڑھ کی آمدنی وصول کرنے کیلئے متعین ہوئے۔ پچھلے صفحات میں انکے حالات ملاحظہ کیجئے۔

نومبر ۱۸۵۵ء میں کچھ مسلمانوں نے اس مسجد کے احیاء کی کوشش کی تو ہندوؤں نے مزاحمت کی۔ جس پر مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد کیلئے نکل کھڑی ہوئی، انگریزی کمپنی ان دنوں سلطنتِ لکھنو پر قبضہ کی کوشش میں تھی۔ چنانچہ انہوں نے ہنگامہ وفساد کو اور ہوا دی۔

اودھ پر واجد علی شاہ کی حکومت تھی۔ علامہ فضل حق خیرآبادی ان دنوں وہاں صدر الصدور اور مہتمم کچہری حضور کے منصب پر فائز تھے۔ واجد علی شاہ نے اس قضیے کے حل کیلئے علامہ سمیت چار ثالثوں پر مشتمل ایک مجلسِ مصالحت تشکیل دی مگر اسکا اجلاس منعقد ہی نہ ہونے دیا گیا۔

اس دوران علماء سے استفتاء کیا گیا، انہوں نے عدمِ وجوبِ جہاد کا فتوی دیا۔ ان علماء کے ضمن میں ایک معاصر مؤرخ نے علامہ فضل حق خیرآبادی کا بھی نام لیا ہے۔ یہ مؤرخ صاحبِ ''قیصر التواریخ'' سید کمال الدین حیدر عرف سید محمد زائر ہے۔ زائر نے یہ تاریخ انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے لکھی تھی۔ اسی لئے واجد علی شاہ اس سے ناراض ہو گیا اور اس نے اسے ملازمت سے نکال دیا۔

زائر کے علاوہ کسی معاصر مؤرخ نے علامہ کا نام نہیں لیا۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ خود زائر نے جب فتوی دینے والے مفتیان کے فتوے اور دستخط نقل کیے تو ان میں نہ تو علامہ کا فتوی ہے اور نہ دستخط۔

اسی لیے ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' میں ہے: ''ان میں مولانا خیرآبادی کا نام نہ بحیثیت مجیب ہے نہ تائید وتصویب کرنے والوں میں آپ کا نام ہے۔''[1]

معلوم ہوا ہے کہ علامہ فتوی دینے والے علماء میں شامل نہ تھے۔ زائر نے انکا نام غلطی یا بدنیتی کی بنا پر شامل کیا تھا۔

زائر کے بعد نجم الغنی خان صاحب ''تاریخ اودھ'' نے ۱۹۱۰ء میں اس واقعہ کو زائر سے نقل کیا، لہذا وہ بھی قابلِ اعتبار نہیں ہے۔[2]

---

[1] علمائے ہند کا شاندار ماضی، حاشیہ صفحہ نمبر ۴۴۶، جلد چہارم

[2] تفصیل کیلئے دیکھئے ''علامہ فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون''، ص: ۱۲۹ تا ۱۴۴

5.13- سقوطِ دہلی کے بعد کے احوال:

علامہ فضل حق خیر آبادی لکھتے ہیں: ''جب نصاری شہر پر قابض ہو گئے اور کوئی لشکری وشہری (بادشاہ، شہزادے، شاہی خاندان، جنرل غوث محمد، جنرل بخت خان، جنرل سدھارا سنگھ اور فوج شہر میں[1]) باقی نہ رہا، غلہ اور پانی دشمنوں کے ظلم و استبداد کی وجہ سے ناپید ہو گیا، تو میں اپنے مکان میں پانچ شب و روز اسی حالت میں گزار کر، اپنی کتابیں، مال واسباب چھوڑ کر (بار برداری کا انتظام ممکن نہ ہونے کی وجہ سے) خدا پر بھروسہ کر کے، اہل و عیال کو ساتھ لیکر نکل کھڑا ہوا۔''[2]

سقوطِ دہلی کے بعد انگریزوں کے ظلم و استبداد کے واقعات ذکر کر کے علامہ نے کچھ اپنا حال بھی بتایا ہے: ''رہا میں، تو میں اپنے وطنِ مالوف (خیر آباد) کی طرف چلا جا رہا تھا۔ راستہ خوفناک اور رہگذر اندوہناک تھا۔ میرے اور وطن کے درمیان کئی خوف و خطرہ سے بھری ہوئی منزلیں تھیں۔ نصاری اور انکا لشکر دن رات تلاش و تجسس میں سرگرداں رہتا۔ جاٹوں کو مسافروں کے مار ڈالنے، لوٹنے، ڈاکہ ڈالنے کی کھلی چھٹی دے دی گئی تھی۔ انہوں نے سارے ناکے بند کر رکھے تھے، اور کسی گھاٹ پر کوئی کشتی یا ناؤ تک نہ چھوڑی تھی۔ کشتیوں کو پھاڑ ڈالتے، بلکہ خراب کر کے غرق کر دیتے یا جلا ڈالتے، ملاحوں کو روک دیا تھا تا کہ کوئی مسافر یا سیاح کسی وقت بھی ادھر سے نہ گزر سکے۔

خدائے مالک الملک نے مجھے اور میرے متعلقین کو ہر مصیبت و ہلاکت سے محفوظ رکھ کر، پل اور کشتی کی مدد کے بغیر، دریاؤں اور نہروں کو عبور کرا کے نجات دی اور ہم سب کو آفاتِ مسافات، مہالکِ مسالک، حوادثِ راہ، اور مصائبِ گذرگاہ سے مَصُون و مامون رکھا، اور اپنی پوری حفاظت، کامل حمایت، مکمل نعمت، اور بے شمار رحمت کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے جوار و دیار اور احباب و رشتہ دار تک پہنچایا۔ ہم خدا کی اس بے پناہ عنایت اور تمام

---

[1] ان میں سے کچھ سقوطِ دہلی سے پہلے اور کچھ فوراً بعد بھاگ نکلے۔ صفحاتِ سابقہ میں انکے احوال ملاحظہ کیجیے۔

[2] باغی ہندوستان، ص: ۲۷

آفات سے حفاظت پر اسکا شکر بجالائے۔"[1]

علامہ دہلی سے خیر آباد کس راستے سے گئے اسکی وضاحت میں علامہ شاہد خان شروانی لکھتے ہیں کہ "نواب صدر یار جنگ بہادر محمد حبیب الرحمٰن خان شروانی کا بیان ہے کہ علامہ مع متعلقین بھیکن پور ضلع علی گڑھ آکر اٹھارہ روز رہے۔ صاحبزادہ مولانا عبدالحق بھی ساتھ تھے۔ اٹھارہ روز کے بعد عم محترم نواب عبدالشکور خان رئیس بھیکن پور نے سانکرہ کے گھاٹ سے جو بھیکن پور سے آٹھ میل دور اور موصوف کے عزیزوں کی عملداری میں واقع تھا، اپنے انتظام سے بدایون اور بریلی کی طرف اتروایا تھا۔ نواب صدر یار جنگ بہادر نے مجھے وہ کمرہ بھی بتایا جس میں علامہ فروکش ہوئے تھے۔"[2]

اسکی مزید وضاحت علامہ پر قائم ہونے والے مقدمہ بغاوت کے گواہِ صفائی علی محمد خان خیر آبادی کے بیان میں بھی ملتی ہے، وہ کہتے ہیں: اگرچہ میں ان دنوں رام پور[3] میں تھا --- جب یہ رام پور سے گزرے ہیں، تو میں نے انہیں وہاں دیکھا تھا[4] ----

الغرض علیگڑھ اور پھر رامپور سے ہوتے ہوئے آپ خیر آباد پہنچے سر خیر آباد پہنچنے کے بعد کے حالات کی کوئی تفصیل دستیاب نہیں، خود علامہ نے بھی اپنی سرگرمیوں پر کوئی روشنی نہیں ڈالی، [5] حالانکہ انہوں نے لکھنو کے محاذ کے احوال کی تفصیل اور اسکے کرداروں کا تنقیدی جائزہ تک تحریر کیا ہے۔ جو مکمل طور پر ایک عینی شاہد کی تحریر ہے۔ اس تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کی انگریزوں سے نفرت بدستور باقی تھی علامہ محاذ لکھنو پر موجود تھے مگر اس محاذ پر انکی سرگرمیاں محاذ دہلی سے بہت کم تھیں اور یہ کہ یہاں انتشار کہیں زیادہ تھا اور نا اہلوں کے باعث تمام قربانیاں اکارت ہوتی چلی گئیں یہاں تک کہ انگریزوں کا مکمل تسلط ہو گیا۔[6]

---

[1] باغی ہندوستان، ص: ۵۳، ۵۵
[2] باغی ہندوستان، ص: ۲۱۶ کا حاشیہ۔
[3] بدایون، بریلی، رام پور صوبہ اتر پردیش میں ایک دوسرے کے قریب قریب واقع ہیں۔
[4] تحریک، ص: ۱۴۰
[5] حتیٰ کہ نامکمل قصیدہ نونیہ میں بھی صرف خیر آباد پہنچنے تک کے حالات ہیں۔

محاذ لکھنو پر علامہ کی موجودگی کی تائید علامہ کے مقدمے کے گواہان صفائی کے بیانات سے بھی ہوتی ہے،[1] انکے مطابق خیر آباد پہنچنے کے بعد کے حالات کچھ یوں ہیں:

- دہلی سے منتقل ہو کر تقریباً دو ماہ (اکتوبر، نومبر ۱۸۵۷ء) بعد دسمبر خیر آباد پہنچے۔
- سترہ نومبر ۱۸۵۷ء کو محاذِ لکھنو پر سرگرمی شروع ہوگئی، تو آغاز دسمبر میں علامہ لکھنو چلے گئے۔
- جب چودہ مارچ ۱۸۵۸ء کو انگریزوں نے لکھنو پر بھی مکمل قبضہ کرلیا تو علامہ واپس خیر آباد آگئے۔
- لکھنو سے واپس آکر دو تین ماہ (مارچ، اپریل، مئی ۱۸۵۸ء) تک خیر آباد ہی میں رہے۔
- مئی سے وسطِ دسمبر ۱۸۵۸ء تک کے عرصے میں علامہ مختلف مقامات پر روپوش رہے۔ گواہانِ صفائی کے مطابق ہرگاؤں، دریہ، بوندی، اور گواہانِ استغاثہ کے مطابق مئی جون میں بوندی میں، اور علامہ کے بیانِ صفائی کے مطابق وہ خیر آباد سے نکل کر چند دن کھیڑی، ہرگاؤں، تنبول، سہورپور وغیرہ میں رہے۔ کچھ دن دُرّیہ میں بھی گزارے۔
- ملکہ وکٹوریہ کا اعلانِ معافی پڑھ کر دسمبر ۱۸۵۸ء میں بریگیڈیر ٹروپ سے ملے۔
- ۲۶ / دسمبر ۱۸۵۸ء کو کرنل کلارک سے سیہا کے مقام پر ملاقات کی۔
- ۳۰ / دسمبر ۱۸۵۸ء کو ڈپٹی کمشنر ضلع کے سامنے پیش ہوئے۔
- اسکے بعد اپنے مکان خیر آباد میں مقیم رہے۔
- ۳۰ / جنوری ۱۸۵۹ء کو ڈپٹی کمشنر نے گرفتار کر کے لکھنو بھیج دیا، اور وہاں ان پر مقدمہ چلایا گیا۔
- گرفتاری کے تین ہفتے بعد ۲۲ / فروری ۱۸۵۹ء کو کیپٹن ایف۔اے۔وی تھر برن کی عدالت میں مقدمے کی ابتدائی سماعت ہوئی۔ استغاثہ کی طرف سے پانچ گواہ

---

[1] باغی ہندوستان، ص: ۱۳۰، ۱۳۱

(۱) عبدالحکیم، ایکسٹرا اسسٹنٹ دریاباد، (۲) تجمل حسین (۳) فضل حسین (۴) رام دیال (۵) مرتضی حسین، تھے۔ پھر علامہ کا بیان ہوا۔ جسکے بعد پانچ گواہانِ صفائی کے بیانات ہوئے۔ (۱) قادر بخش (۲) نبی بخش خیرآبادی (۳) علی محمد خان خیرآبادی (۴) موخان خیرآبادی (۵) احمد علی خان۔

○ کپتان تھربرن نے ۲۸ر فروری ۱۸۵۹ء کو فردِ جرم مرتب کر کے مقدمہ جوڈیشنل کمشنر اودھ کی عدالت میں منتقل کر دیا۔ جوڈیشنل کمشنر مسٹر جارج کیمبل اور میجر بارو قائم مقام کمشنر خیرآباد ڈویژن کی مشترکہ عدالت سے ۴ر مارچ ۱۸۵۹ء کو بغاوت اور قتل پر انگیخت کے الزام میں بطور شاہی قیدی تاحینِ حیات حبس بعبور دریائے شور اور تمام جائیداد کی ضبطی کی سزا سنادی گئی۔

کارروائی مقدمہ سے قبل امید کی جارہی تھی کہ علامہ بری ہو جائیں گے جیسا کہ پیروکار مقدمہ منشی کرم احمد خیرآبادی کے لکھنو سے خیرآباد میں سید اعظم علی کے نام اس خط سے معلوم ہوتا ہے جس میں ارسال میں تاخیر کے باعث بعد کے حالات بھی درج ہیں۔

''مدت یک دو روز است کہ جناب مخدوم الاخوان بحسب تقدیر مبتلائے حبس شدہ از سیتاپور بہ لکھنو برائے روبکاری صفائی روانہ کردہ شدہ اند، زبانی آیندہ ہرگاہی ہم از تحریرات آنجا ہر روزہ منکشف می شود کہ امروز فردا بفضلہٖ تعالیٰ رہائی خواہد شد۔ روز بنا برادائے شہادت صفائی، مولوی صاحب مکرم مولوی نبی بخش صاحب مشفقی مولوی قادر بخش صاحب و برخوردار مولوی سید ضامن حسین، بموجب درخواست مولوی عبدالحق (خلفِ علامہ) بمعیت ایشاں روانہ لکھنو شدہ اند و ہمگیاں را امید از خدائے کریم است۔ دیگر روز بالضرور مخلصی یافتہ، وارد دولت خانہ خواہد شد، او تعالیٰ ہم چنیں کند۔ ہمہ ہا از خورد و کلاں و ذکور و اناث چشم براہ انتظار کشادہ می باشند۔ و رنج و قلقے عظیم دارند۔ ایزد جل و علا بر جمیع کساں رحم خود فرمائند۔''

''برادر من تا دہ عشرہ بسبب عدم بہرسی حامل ایں لفافہ افتادہ ماند، حالیہ آدمی خاص

مقرر کردہ فرستادہ می شد کہ جواب شافی یابد-وحال پر ملال جناب مولوی (فضل حق) صاحب از لکھنو دریں عرصہ نوشتہ آمد-لائق گریستن، وواویلا کردن است-یعنی حبس دوام از پیش گاہ حکم صدور یافت-فواویلا واحسرتا-او تعالیٰ رحم نماید''!

ترجمہ: دو ایک روز سے بھائیوں کے مخدوم (علامہ محمد فضل حق خیر آبادی) تقدیر کے مطابق سیتا پور سے گرفتار کر کے روبکاری صفائی کے لئے لکھنؤ روانہ کردیے گئے ہیں، وہاں آنے والوں اور تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج کل میں رہائی ہو جائے گی، روز صفائی کی گواہی دینے کے لئے مولوی محترم مولوی نبی بخش صاحب، مشفقی مولوی قادر بخش صاحب، اور مولوی سید ضامن حسین صاحب، مولوی عبدالحق خیر آبادی (فرزند علامہ) کی معیت میں لکھنؤ گئے ہیں، سب کو اللہ کریم سے امید ہے کہ دوسرے دن ضرور رہائی پاکر دولت خانہ پہنچ جائیں گے، اللہ تعالیٰ اسی طرح کرے، تمام چھوٹے بڑے، مردوزن منتظر ہیں اور عظیم صدمے سے دوچار، اللہ تعالیٰ سب پر رحم فرمائے-

میرے بھائی یہ لفافہ لے جانے والا نہ ملا، اس لئے دس دن تک رکھا رہا، اب خاص آدمی مقرر کر کے بھیجا جارہا ہے-تاکہ مکمل جواب مل جائے- جناب مولوی (فضل حق) صاحب کا پر ملال حال اس عریضہ میں لکھا ہوا آیا، رونے اور واویلا کرنے کے لائق ہے، یعنی کچہری سے عمر قید کا حکم صادر ہوا ہے، افسوس اور حسرت، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے-

○ علامہ نے گورنر جنرل کے یہاں اپیل کی جو منظور نہ ہوئی، اور ڈپٹی کمشنر لکھنو نے مئی ۱۸۵۹ء کو جوڈیشنل کمشنر کی ہدایت پر انہیں لکھنو سے کلکتہ منتقل کردیا اور جب تک جزائر انڈیمان کیلئے جہاز کا انتظام نہ ہوسکا-مولانا کو کلکتے میں علی پور جیل میں رکھا گیا-

○ ادھر کلکتہ میں مولوی فضل الرحمٰن قاضی القضاۃ کلکتہ اور دیگر عمائدین کلکتہ نے ڈیڑھ سو اصحاب کے دستخط کے ساتھ حکومت کو رہائی کی درخواست لکھی، مگر حکومت نے اپنا فیصلہ نہ بدلا، اور آخر کار ۸/اکتوبر ۱۸۵۹ء کو انہیں کلکتے سے ''فائر کوئین'' نامی جہاز پر سوار کر

---

[1] ''باغی ہندوستان''، ص: ۲۲۴-

کے جزائر انڈیمان کے جنوب میں پورٹ بلیر پہنچا دیا گیا۔ انکے ساتھ متولی (Mitauli) کا راجہ لونی سنگھ بھی جلاوطن ہوا۔[1] وہاں پر قیدیوں میں علامہ کا دفتری نمبر (۳۶۸۷) تھا۔

○ جزائر انڈیمان پہنچ کر علامہ نے ۹ر جنوری ۱۸۶۰ء کو ایک درخواست وزیر ہند کے نام روانہ کی۔ علامہ کی فائل مقدمہ میں موجود کاغذات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وزیر ہند نے یہ درخواست تمام متعلقہ کاغذات کے ساتھ متعلقہ مقامی حکام کی طرف بھیجی تھی۔ جو ۳۰ر جولائی ۱۸۶۱ء کو خیر آباد ڈویژن سے چیف کمشنر اودھ لکھنو کو بھجوا دی گئی۔ جس نے ۱۲ر اگست ۱۸۶۱ء کو جواب دیا کہ اگر علامہ فضل حق کے سلسلے میں کچھ بھی رعایت کی گئی تو وہ اسکی سخت مخالفت کریں گے۔[2]

○ اسکے بعد حکومت نے کیا فیصلہ کیا تاریخ میں اسکا مستند جواب محفوظ نہیں ہے، البتہ جزائر انڈیمان میں ۲۰ر اگست ۱۸۶۱ء / ۱۲ر صفر ۱۲۷۸ھ کو علامہ فضل حق خیر آبادی کا انتقال ہو گیا۔

علامہ پر مقدمے کا قائم ہونا، عدالت کا انہیں خطرناک ترین آدمی قرار دینا، علامہ کا نہ صرف اپنے آپ کو ملزم ماننے سے انکار کرنا بلکہ رہائی کیلئے حتی الامکان کوششیں کرنا اور انگریزوں کا آخر وقت تک سخت مخالفت کرنا تقاضا کرتا ہے کہ فائل مقدمہ کا پوری طرح سے تجزیہ کیا جائے۔ تاکہ حقائق سامنے آسکیں۔ اس فائل میں سے بہت سے کاغذات سرکاری طور پر نکال لئے گئے ہیں۔ یہ فائل قومی دفتر خانہ ہند، دہلی میں محفوظ ہے۔ جناب مالک رام نے اس فائل سے بہت سا مواد نقل کیا ہے۔[3] علامہ شاہد شروانی نے بھی ''باغی ہندوستان'' میں معتد بہ حصہ نقل کیا ہے۔[4] ہماری تحقیق کی بنا انہیں پر ہے۔

---

[1] Biographical Dictionary, Vol:1,P:164

[2] ان کاغذات کیلئے دیکھئے ''باغی ہندوستان''، ص:۲۵۶-۲۵۷

[3] دیکھئے تحریک (ماہنامہ)، ص:۹ تا ۲۶

[4] دیکھئے ''باغی ہندوستان'' کی طبع چہارم، ص:۲۲۸ تا ۲۵۸

5.14-علامہ فضل حق خیر آبادی اور مقدمۂ بغاوت:

علامہ فضل حق خیر آبادی کے مقدمے کے تفصیلی تجزیے کیلئے ہم نے اسے درج ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ گرفتاری

۲۔ فردِ جرم

۳۔ فیصلہ

5.14.1- گرفتاری:

فائل مقدمہ اور اسکے متعلقات اور تمام تر عرضداشتوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کو جن الزامات کے تحت گرفتار کیا گیا تھا وہ الزامات یہ تھے:۔

۱۔ نواب خان بہادر خان، نبیرۂ حافظ رحمت خان بہادر نے جب انگریزوں کے خلاف بریلی میں بغاوت کی تو مولانا نے انکا ساتھ دیا، اور انکی طرف سے نظامتِ ''پیلی بھیت'' کا کام انجام دیا۔

۲۔ جب انگریزوں نے (۵؍مئی ۱۸۵۸ء کو) بریلی پر قبضہ کرلیا تو خان بہادر وہاں سے بھاگ گیا اور مولانا بھی وہاں سے بھاگ کر اودھ پہنچے اور خان علی خان کی طرف سے ریاست محمدی کے چکلہ دار[۱] مقرر ہوئے۔

۳۔ مولانا نے اسکے بعد ایک باغی لشکر کی کمان ہاتھ میں لی۔

علامہ کے مطابق وہ ان الزامات سے بری تھے۔ انہیں ایک دوسرے شخص سے ہم نامی اور بہت سی دیگر مماثلتوں کی بنا پر گرفتار کرلیا گیا تھا، چنانچہ علامہ نے اپنی گرفتاری پر

---

[۱] ''چکلہ دار'' سے مراد نائب ناظم ہے، ''چکلہ'' نائب ناظم کے زیرِ حکومت علاقہ کو کہتے ہیں۔ کسی کمشنری کے ناظم یا نائب صوبیدار کے ماتحت کئی نائب ناظم یا چکلہ دار ہوتے ہیں۔ دیکھئے ''باغی ہندوستان''، ص:۳۱۴

نواب رام پور نواب یوسف علی خان[1] کے نام فوری طور پر یکے بعد دیگرے تین عدد خط لکھے- ان میں سے دو ناپید ہیں، اور ایک خط ۱۸ر فروری[2] کا تحریر کردہ رضا لائبریری، رامپور میں محفوظ ہے- اس خط میں انہوں نے نواب سے درخواست کی ہے کہ وہ رئیس مالا گڑھ اسماعیل خان، جو کہ ہر دو فضل حق، انکی سرگرمیوں اور انکے فرق سے بخوبی آگاہ ہے، سے کہیں کہ وہ کمان افسر بریلی ٹرپ صاحب کے نام، محکمہ سپیشل کمشنر لکھنو میں، دوسرے شخص کی رپورٹ اور میری ان جرائم سے براءت کا حال، تفصیل کے ساتھ اپنی درخواست کے ہمراہ بھیجیں- تا کہ ان حاکموں کا شبہ دور ہو، اور مجھے رہائی ملے-

تنگیٔ وقت یا غالباً انگریزوں سے وفاداری کے باعث نواب رامپور یوسف علی خان نے انکی کوئی مدد نہ کی[3] اور بائیس فروری ۱۸۵۹ء سے مقدمے کی ابتدائی سماعت شروع ہوگئی- گواہوں اور ملزم (علامہ) کے بیانات ہوئے- علامہ اور گواہانِ صفائی کے بیانات کا اہم حصہ اس وضاحت میں تھا کہ علامہ وہ فضل حق نہیں جنکے شبہ میں انکو گرفتار کیا گیا ہے-

دوسرے فضل حق کے بارے میں علامہ کے خط بنام نواب رامپور میں مذکور ہے کہ "میر فضل حق شاہجہان پور کے سادات سے ہیں وہ پہلے "پیلی بھیت" میں سررشتہ داری

---

[1] نواب یوسف علی خان نے جنگ آزادی میں سقوطِ دہلی سے قبل بادشاہ کا اور بعد میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا اور اس ریاست میں علامہ ۱۸۴۰ء سے ۱۸۴۸ء تک بطور عالم فاضل، استاد اور ماہر قانون دان کے مختلف مناصب پر فائز رہے تھے- اسلئے یہ نواب انگریزوں کو علامہ کی براءت کی یقین دہانی کرانے کا موثر ترین ذریعہ تھا-

[2] یہ خط مولانا امتیاز علی عرشی رامپوری نے دریافت کیا تھا وہ رضا لائبریری میں ملازم تھے اس خط کے بارے میں بعض محققین نے ثابت کیا ہے کہ یہ علامہ کا خط نہیں- انکے مطابق فوجداری مقدمہ کے قیدی کو یہ سہولتیں میسر نہیں ہوتی ہیں- اور اس پر علامہ کے دستخط کی بجائے مہر ہے، اور خط کا رسم الخط بھی علامہ کا نہیں ہے- دیکھیے فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون، ص: ۷ تا ۱۱- اور باغی ہندوستان، ص: ۲۶۶، ۲۶۷، اور ص: ۴۴۰- جبکہ ہماری تحقیق یہ ہے کہ خط کے مندرجات ثابت کرتے ہیں کہ یہ علامہ کا لکھا ہوا یا لکھوایا ہوا خط ہے، گو کہ حتمی بات اصل خط کا رسم الخط دیکھنے سے معلوم ہوگی- جو تا حال میسر نہیں- خط کا مضمون آخر میں ملاحظہ کیجیے-

[3] علامہ اپنے قصیدہ دالیہ میں شعر نمبر ۴۵ میں کہتے ہیں: "جن لوگوں سے مجھے امیدیں تھیں وہ اعراض کر گئے-" یہ یقیناً نواب رام پور کی طرف اشارہ ہے-

کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ کچھ عرصہ آنولہ اور پیلی بھیت میں تحصیلدار رہے، اور پھر بریلی کے خان بہادر خان[1] کی طرف سے غدر کے آغاز پر پیلی بھیت کے ناظم ہو گئے اور بریلی پر انگریزوں کے قبضے کے بعد سلطنت اودھ پہنچے اور خان علی خان کی طرف سے ''محمدی'' کے چکلہ دار ہو گئے۔ کچھ عرصہ پہلے باغی لشکر کی قیادت کرتے ہوئے شہزادہ فیروز شاہ کے ساتھ جمن کی طرف فرار ہو گئے۔ انکے رشتہ دار ایسٹ انڈیا کمپنی میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ چنانچہ انکا حقیقی بھائی مولوی مبین سہارن پور میں ڈپٹی کلکٹر تھا۔

خانہ خراب اخبار والے اس تفصیل سے ناواقف ہیں کہ وہ کوئی دوسرا شخص ہے اور فدوی خیرآباد کے مشائخ سے ایک دوسرا شخص ہے۔ اسلئے اخبار میں پیلی بھیت کی نظامت، محمدی کی چکلہ داری، لشکر کی قیادت اور فیروز شاہ کے ساتھ جمن کی طرف فرار ہونے کی خبر لکھی ہے، اور اسکے ساتھ کچھ علامات فدوی کی شامل کر دی ہیں کہ اسکا حقیقی بھائی سرکار مہاراجہ پٹیالہ کا ملازم ہے اور اسکا دوسرا بھائی سہارنپور میں ڈپٹی کلکٹر ہے اور یہاں کے حاکموں نے اسی مولوی فضل حق کے شبہ میں جو فدوی کا ہم نام ہے اور بعض علامات میں شریک ہے، فدوی کو بغیر کسی جرم کے قید میں ڈال دیا ہے۔''

علامہ کے مقدمے کی فائل بھی میر فضل حق شاہجہان پوری کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کرتی ہے۔ مثلاً گواہِ استغاثہ تجمل حسین بیان کرتا ہے: ''ایک اور فضل حق بھی ہیں۔ میں جس زمانے میں بونڈی کے باغی کیمپ میں تھا۔ وہ بھی دو دن کیلئے وہاں آیا تھا اور اسکے بعد خان علی خان ناظم شاہجہان پوری کے پاس واپس چلا گیا''۔[2]

گواہِ صفائی قادر بخش نے اپنے بیان میں کہا: ''میں نہیں جانتا کہ مولوی فضل حق، بیگم (حضرت محل) کے ملازم تھے، ایک اور فضل حق سہارنپور کا رہنے والا تھا۔ وہ محمدی کا چکلہ دار تھا، اور میں نے سنا ہے کہ وہ فیروز شاہ (ابن بہادر شاہ ظفر) کے ساتھ چلا گیا تھا۔

---

[1] انکا مختصر ذکر قائدین جنگ آزادی میں گزر چکا ہے۔

[2] تحریک، ص: ۱۰

میں نے نہیں سنا کہ ان مولوی فضل حق نے کسی شخص کو گمراہ کر کے اسے بغاوت پر آمادہ کیا ہو“۔[1]

دوسرے گواہِ صفائی نبی بخش خیر آبادی نے بیان دیا: ”میں نے نہیں سنا کہ یہ بریلی کے نواب (خان بہادر خان) یا بیگم (حضرت محل) کے ملازم رہے ہیں---- میں نے نہیں سنا کہ مولوی فضل حق نے کسی کو گمراہ کر کے اسے باغی بنایا ہو یا خود انہوں نے خان بہادر خان کی ملازمت اختیار کر لی ہو- ہاں میں نے سنا ہے کہ ایک اور فضل حق شاہجہان پور کا رہنے والا تھا، وہ خان بہادر خان کا ملازم تھا، اور فیروز شاہ کے ساتھ بھی گیا تھا“۔[2]

علامہ فضل حق خیر آبادی اپنے عدالتی بیان میں کہتے ہیں: ”دسمبر ۱۸۵۷ء میں، میں نے خیر آباد کی راہ لی- جب سے میں اپنے مکان پر مقیم ہوں نہ میں نے کسی کی ملازمت کی، نہ باغیوں میں شامل ہوا---- میں خیر آباد سے اسلئے نکلا تھا، کیونکہ یہاں کے تمام باشندے بیگم (حضرت محل) کے ساتھ بھاگ گئے تھے، میں یہاں سے نکل کر چند دن کھیڑی، ہر گاؤں، تنبول، سہور پور وغیرہ میں رہا- کچھ دن دُرّبہ میں بھی گزارے---- فضل حق ایک اور شخص کا نام ہے مجھے اسکی جگہ گرفتار کر لیا گیا ہے- وہ آجکل (شہزادہ) فیروز شاہ (ابن بہادر شاہ ظفر) کے ساتھ ہے- یہ (فضل حق) سابق میں آنولہ کا تحصیلدار تھا اور اس نے خان بہادر خان اور بیگم (حضرت محل) کی ملازمت بھی کی ہے- وہ ذات کا سید اور شاہجہان پور کا رہنے والا ہے“۔[3]

یونہی کپتان تھر برن کی تحریر کردہ فردِ جرم پر عدالت جوڈیشنل کمشنر اودھ نے چار مارچ ۱۸۵۹ء کو جو فیصلہ صادر کیا، اسکی نقل میں بھی دوسرے فضل حق کا یوں ذکر ہے: ”اس (ملزم) نے مقدمے کے دوران میں ایک موقع پر یہ صفائی پیش کی تھی کہ اودھ میں دو مشہور فضل حق ہیں، لیکن یہ بات صاف ہوگئی ہے کہ وہ دوسرا شخص سابق میں ضلع بریلی کا تحصیلدار

---

[1] تحریک، ص: ۱۳ تا ۱۴-

[2] مرجع سابق، ص: ۱۴

[3] مرجع سابق، ص: ۱۲- باغی ہندوستان، ص: ۲۵۱

تھا اور پچھلے ایام میں چکلہ دار اور باغیوں کا سرغنہ رہا ہے"۔۔۔۔[1]

علامہ کی فائل مقدمہ میں موجود کاغذات کی فہرست میں نمبر (۶) پر مورخہ ۱۶ رجون ۱۸۵۸ء کے اخبار کا ترجمہ، اور نمبر (۹) پر فارسی کے اخبار کے اقتباسات کا ذکر، نواب رام پور کے نام خط میں مذکور علامہ کی اس بات کی تائید ہے کہ اخبار میں غیر محقق خبر کا چھپنا انکی گرفتاری کا باعث بنا۔ خیال رہے کہ ان کاغذات سمیت بہت سے دیگر کاغذات سرکاری طور پر اس فائل سے نکالے ہوئے ہیں۔[2]

سید معین الحق اپنی کتاب "دی گریٹ ریوولیوشن آف ۱۸۵۷ء" کے صفحہ ۵۱۵ پر "نینی تال بھیجی جانے والی فوجی مہموں" کے عنوان کے تحت نقل کرتے ہیں: ۱۰ ر فروری کو فضل حق نے سانده کی جانب مارچ کیا تھا اور عنقریب ان تک پہنچنے والا تھا۔ اور اسی کے صفحہ ۵۱۶ پر ہے: جبکہ فضل حق کو "المورہ" سے ممکنہ حملے کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

اودھ کے چیف کمشنر کا سیکرٹری ہمیر پور کے کلکٹر کے نام ۸ ر دسمبر ۱۸۵۸ء کو اپنے سرکاری مراسلے میں لکھتا ہے: "باغی "بسوا" میں جو لکھنو سے شمال مغرب میں پچاس میل کے فاصلے پر ہے، شکست کھا کر پانچ دسمبر کو گنگا فرار ہو گئے۔۔۔ انکی تعداد نو سو سوار، جن میں چار سو پوری طرح مسلح ہیں اور باقی سپاہیوں کے پاس اسلحہ کافی نہیں ہے۔ تین سو پیدل وغیرہ تھے۔ ان میں سے سو عورتیں، چھ ہاتھی، ایک توپ جس کا نام گروہ ہے۔ اس جماعت کے لیڈر فیروز شاہ شہزادہ دہلی، لکڑ شاہ، گلاب شاہ عرف پیر جی، محسن علی خان ساکن منو شمس آباد فرخ آباد (جو خود کو یورپین ظاہر کرتا ہے) اور مولوی فضل حق سابق سرشتہ دار کمشنر دہلی جس کے بہت سے اعزہ اعلیٰ مناصب حکومت پر ہیں اور جسکا بھائی پٹیالہ میں راجہ ہری سنگھ کا ملازم ہے۔"[3]

---

[1] تحریک، ص:۱۶، باغی ہندوستان، ص:۲۵۵۔

[2] دیکھئے اصل فائل یا باغی ہندوستان، ص:۲۴۸ تا ۲۵۰

[3] فریڈم سٹرگل ان اتر پردیش، ص:۲/۵۱۳، ۵/۸۱۰، بحوالہ فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون، ص:۸۶، ۸۷

یہی سیکرٹری گیارہ دسمبر ۱۸۵۸ء کو گورنمنٹ آف انڈیا کے سیکرٹری کے نام اپنے ایک سرکاری مراسلے میں لکھتا ہے: ''مندرجہ ذیل لوگوں کے چلے جانے کے بعد حکومت کو قیام امن میں کافی سہولت ہو رہی ہے، فیروز شاہ لکڑ شاہ، مولوی فضل حق، جو ہماری حکومت کا دشمن جان ہے، حالانکہ حکومت نے اسے اور اسکے اعزہ کو اعلیٰ مناصب عطا کئے تھے''۔ ۱

لکھنو چیف کورٹ میں غدر سے متعلق فائل میں ٹھیک اسی دور کے ایک حاکم کا مراسلہ ہے جس میں محمدی (ضلع لکھم پور کھیڑی) کے قرب و جوار میں مولانا فضل حق اور انکے رفقائے جہاد کی سرگرمیوں کے تجسس کی جو کوشش برطانوی حکام کر رہے تھے اسکا ذکر ہے اور لکھا ہے کہ: ''کچھ لوگ مولوی فضل حق کی صحیح خبر لانے کیلئے بھیجے گئے ہیں جو اپنے متبعین کے ساتھ شاہ آباد کی طرف روانہ ہوئے ہیں''۔ ۲

''دی گریٹ ریوولیوشن'' اور ''فریڈم سٹرگل'' کے مذکورہ بالا اقتباسات کے مندرجات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو لشکر کی قیادت، کسی سپہ سالار کے زیر کمان ہونا، میدان جنگ میں چستی و سرگرمی، فیروز شاہ و دیگر مجاہد قائدین کی ہمراہی، محمدی میں سرگرمیٔ جہاد جیسے نکات یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ تمام کوائف فضل حق شاہجہانپوری کے ہیں نہ کہ فضل حق خیر آبادی کے، جو حکومت کے دشمن جان ہونے اور اعزہ کے اعلیٰ مناصب پر فائز ہونے کی وجہ سے انکے مماثل تھے۔

معلوم ہوا کہ جن الزامات کے تحت علامہ گرفتار ہوئے تھے وہ ان سے بری تھے۔ عدالت نے یہ تو مان لیا کہ اودھ میں دو مشہور فضل حق ہیں مگر یہ دوسری بات نہ مانی کہ یہ تمام کارنامے ان میر فضل حق شاہجہان پوری کی جہادی سرگرمیوں کا ایک حصہ تھے، جو انگریزوں سے جہاد کرتے ہوئے جمنا کے پار بہت سے ان دیگر راہنماؤں کی طرح روپوش ہو گئے جنکے انجام سے تاریخ خاموش ہے۔

---

۱ فریڈم سٹرگل ان اتر پردیش، ص: ۵۶۵ بحوالہ فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون، ص: ۸۷، ۸۸

۲ مرجع سابق، ص: ۵۱۸ بحوالہ مرجع سابق، ص: ۸۸

یونہی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یا تو عدالت اس فرق کی تحقیق میں ناکام رہی، یا یہ انگریزوں کی طرف سے تجاہل عارفانہ تھا، جو مسلمانوں کو جرم، بے جرم مار مکانے کے سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

علامہ اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں: ''اس شرمناک رویے کا تنہا میں ہی شکار نہ تھا، بلکہ بہت سی مخلوق سے اس سے بڑھ چڑھ کر ناروا سلوک روا رکھا گیا۔ انہوں نے عہد و پیمان توڑ کر ہزاروں مخلوق خدا کو پھانسی، قتل، جلاوطنی، قید اور حبس میں بلا تاخیر مبتلا کر دیا۔ وعدہ خلافی کر کے بیشمار نفسوں اور لاتعداد نفیس چیزوں کو تباہ کر ڈالا۔ اس طرح خون ناحق شمار سے آگے بڑھ گیا۔ سینکڑوں اور ہزاروں سے گنتی نہیں ہو سکتی۔''[1]

مزید لکھتے ہیں: ''مکر و تلبیس سے نصاری نے جب مجھے قید کر لیا۔''[2]

بہر حال علامہ فضل حق خیر آبادی نے ہر ممکنہ کوشش کی کہ وہ یہ بات ثابت کر سکیں کہ وہ ان الزامات سے بری ہیں اور بے جرم ظلم کا شکار ہونے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

<u>علامہ کا عدالت میں بیان:</u>

''میں راجہ الور کے ہاں ملازم تھا اور بغاوت شروع ہونے کے زمانے میں اسی کے پاس تھا۔ راجہ بنے سنگھ کی وفات کے بعد ایک مہینے تک میں الور میں رہا۔ میں اگست ۱۸۵۷ء میں الور سے روانہ ہوا اور دہلی آیا وہاں میں پندرہ دن رہا اور پھر واپس الور چلا گیا۔ میں نے اپنے اہل و عیال کو یہاں الور میں چھوڑا اور دسمبر ۱۸۵۷ء میں خیر آباد کی راہ لی جب سے میں اپنے مکان پر مقیم ہوں، نہ میں نے کسی کی ملازمت کی، نہ باغیوں میں شامل ہوا۔ میر فتح حسین، محمد حسین اور احمد علی خان میرے گواہ ہیں، نبی بخش اور قادر بخش، امام علی، علی محمد اور ممو خان خیر آباد کے رہنے والے میرے چال چلن سے واقف ہیں۔ میں خیر آباد سے اس لیے نکلا تھا کیونکہ یہاں کے تمام باشندے بیگم (حضرت محل) کے ساتھ بھاگ گئے تھے میں یہاں سے نکل کر چند دن کھیٹری، ہرگاؤں، تنبول، سہور پور وغیرہ میں رہا۔ کچھ دن

---

[1] باغی ہندوستان، ص: ۷۵

[2] مرجع سابق، ص: ۷۷

ڈریہ میں بھی گزارے-۲۶/دسمبر ۱۸۵۸ء کو میں نے کرنیل کلاک سے سیہا کے مقام پر ملاقات کی، اس سے پہلے میں بریگیڈیر ٹروپ سے مل چکا تھا- بریگیڈیر ہی نے مجھے کرنیل کے پاس بھیجا تھا- کرنیل کلاک نے ایک روبکار لکھی اور حکم دیا کہ اسے ڈپٹی کمشنر ضلع کی تحویل میں دے دیا جائے- میں ۳۰/دسمبر کو ڈپٹی کمشنر کے سامنے حاضر ہوا اور اپنے مکان ہی پر ٹھہرا رہا- ۳۰/جنوری ۱۸۵۹ء کو ڈپٹی کمشنر نے مجھے بلا بھیجا اور لکھنو روانہ کر دیا-

فضل حق ایک اور شخص کا نام ہے- مجھے اس کی جگہ گرفتار کر لیا گیا ہے- وہ آج کل (شہزادہ) فیروز شاہ (بن بہادر شاہ ظفر) کے ساتھ ہے- یہ (فضل حق) سابق میں آنولہ کا تحصیلدار تھا اور اس نے خان بہادر خان اور بیگم (حضرت محل) کی ملازمت بھی کی ہے- وہ ذات کا سید اور شاہجہان پور کا رہنے والا ہے-"

5.14.2-فردِ جرم:

مقدمے کی ابتدائی سماعت کے بعد کپتان، ایف-اے-وی-تھربرن نے ۲۸/فروری ۱۸۵۹ء کو گواہان استغاثہ کے بیانات کی روشنی میں فرد جرم مرتب کی، وہ گرفتاری کا باعث بننے والے الزامات سے مختلف تھی- علامہ اس میں ملوث دکھائی دیتے ہیں، مگر علامہ نے اس فردِ جرم کا انکار کر دیا- وہ فردِ جرم یہ تھی-

(۱) ملزم مولوی فضل حق نے مئی ۱۸۵۸ء میں بوندی کے مقام پر باغی سرغنہ ممّو خان کے مشوروں میں نمایاں حصہ لیا- دوسرے لفظوں میں وہ خود باغیوں کا سردار تھا اور لوگوں کو بغاوت پر اکساتا رہا-

(۲) ۲/مئی ۱۸۵۸ء میں بوندی کے مقام پر وہ لوگوں کو قتل پر اکساتا رہا- مثلاً سرغنہ ممّو خان کو ایک سرکاری ملازم عبدالحکیم کے قتل کا مشورہ دیا-

تشریح:

فروری ۱۸۵۸ء میں باغیوں نے ایک سرکاری ملازم عبدالحکیم کو گرفتار کر لیا اور اسے بیگم اور ممّو خان کے پاس لے گئے، جو ان دنوں قلعہ بوندی کے اندر اور اسکے گردونواح

میں پڑاؤ ڈالے تھے۔ عبدالحکیم کے ساتھ ہی ایک اور شخص مرتضیٰ حسین بھی گرفتار ہوا تھا۔ جو اگرچہ سرکاری ملازم تو نہیں تھا لیکن چونکہ وہ انگریزوں کا خیر خواہ تھا، اسلئے باغیوں کی آنکھ میں کھٹکتا تھا۔ جب یہ دونوں شخص ممّو خان کے سامنے پیش ہوئے تو ملزم نے جو وہاں موجود تھا قرآن کی آیتیں پڑھیں اور یہ رائے ظاہر کی کہ یہ دونوں موت کے سزاوار ہیں۔ شہادت سے ثابت ہے کہ فضل حق ملزم کا ممو خان پر بہت اثر تھا۔ یہ اسکے مشیر تھے، اور اس حیثیت سے باغی فوج میں گویا سرغنہ تھے۔ انہوں نے ممو خان پر اپنے اثر و رسوخ کو عبدالحکیم اور مرتضیٰ حسین کے خلاف استعمال کیا۔

اگرچہ ان دونوں نے بعد کو قید سے رہائی حاصل کر لی لیکن یہ فضل حق کے وہاں سے چلے جانے کے بعد ہوئی، یعنی جب باغی سرغنے (ممو خان) نے انہیں مولوی احمد اللہ شاہ کی جائیداد ضبط کرنے کو بھیج دیا تھا۔"[1]

○ تمام گواہان استغاثہ، گواہ صفائی احمد علی کے بیانات اور مقدمے کا فیصلہ ہو جانے کے فوراً بعد علامہ کی گورنر جنرل اور ۹ رجنوری ۱۸۶۰ء کو وزیر ہند کے نام درخواستوں سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ بوندی گئے تھے۔

○ عبدالحکیم اور مرتضیٰ حسین شیعان کی انگریز دوستی پر علامہ کی ان پر تنقید اور تنبیہ بھی درست واقعہ ہے بایں کہ علامہ نے اپنی خودنوشت میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور اندازِ جرح بھی دلالت کرتا ہے کہ یہ گفتگو علامہ ہی کی ہے، ملاحظہ کیجئے:

۱۔ علامہ لکھتے ہیں: "حاکمِ نصرانی کے سامنے میری چغلی ایسے دو مرتد، جھگڑالو، تندخو افراد نے کھائی،[2] جو مجھ سے قرآن کی محکم آیت[3] میں مجادلہ کرتے تھے، جس کا حکم یہ تھا

---

[1] دیکھئے "باغی ہندوستان"، ص:۲۵۲، اور تحریک، ص:۱۵

[2] "خدنگِ غدر" کا مصنف غدار معین الدین لکھتا ہے انگریزوں نے امن وامان قائم کر کے جب عدالتیں کھولیں تو "ہر شخص جسے کسی کے ساتھ دشمنی تھی، وہ اسکا نام بتا دیتا تھا۔ ہر طرف جھوٹے گواہ کھڑے ہو گئے۔" حتیٰ کہ مصنف اسی صورتحال سے بچنے کیلئے حجاز کو فرار ہو گیا۔ (غدر کی صبح شام، ص:۸۹)

[3] وہ آیت یہ ہے: يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَـٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظَّـٰلِمِينَ ○ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے کے حاشیے کی ابتدا میں)

کہ نصاری کا دوست بھی نصرانی ہے، وہ دونوں نصاری کی مودت ومحبت پر مصر تھے، انہوں نے مرتد ہو کر کفر کو ایمان سے بدل لیا تھا۔"[1]

۲۔ جبکہ گواہ استغاثہ رام دیال کا کہنا ہے کہ "جب عبدالحکیم اور مرتضی حسین کو ممو خان اور مولوی فضل حق کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے (یعنی مولوی فضل حق نے) ان دونوں سے پوچھا کہ تم انگریزوں کی ملازمت کیوں کرتے ہو، عبدالحکیم نے جواب دیا کہ میں تو انکا ملازم ہوں اور انہی کے ساتھ رہتا ہوں۔ مرتضی حسین نے مولوی فضل حق کو قرآن سے کوئی جواب دیا تھا۔۔۔۔ میرے سامنے کوئی فتوی نہیں دیا گیا، میرے آنے سے پہلے شاید دیا گیا ہو۔"[2]

۳۔ دوسرے استغاثہ مرتضی حسین نے کہا: "مولوی فضل حق نے مجھ سے پوچھا: کیا تم پڑھ سکتے ہو، میں نے ہاں میں جواب دیا۔ اس پر انہوں نے مجھ سے کہا کہ شرعی لحاظ سے تم مرتد ہو، مرتد کا قتل جائز ہے۔ انہوں نے مجھے مرتد اسلیے کہا، کیونکہ میں حکومت (انگریزی) کا ملازم تھا۔"[3]

○ چنانچہ علامہ کی بونڈی میں موجودگی، عبدالحکیم اور مرتضی حسین سے مذکورہ بالا گفتگو اور انگریزوں سے انکی نفرت ثابت و محقق بات ہے، مگر عدالت یہ الزام ثابت نہیں کر سکی کہ علامہ ممو خان کے ملازم یا مشیر تھے اور انہوں نے بغاوت میں حصہ لیتے ہوئے، باغیوں کے سردار یا مشیر کی حیثیت سے عبدالحکیم وغیرہ کے قتل کا مشورہ دیا تھا۔ اسلئے کہ گواہان استغاثہ کے بیانات میں بہت تضاد تھا، بلکہ انکے بیانات تو بونڈی میں علامہ کے عرصہ قیام پر بھی شدید تضاد رکھتے ہیں نیز عبدالحکیم کے علاوہ استغاثہ کے تمام گواہوں نے کسی قسم کے فتوی قتل سے بھی لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔

(سابقہ بقیہ حاشیہ) ترجمہ: اے ایمان والو! یہود ونصاری کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے بیشک اللہ بے انصافوں کو راہ نہیں دیتا۔ (المائدہ: ۵۱)

[1] باغی ہندوستان، ص: ۷۳، ۷۵

[2] تحریک، ص: ۱۱

[3] تحریک، ص: ۱۱

۱- اسی لئے کپتان تھربرن کی تحریر کردہ فردِ جرم پر عدالت اودھ اپنے فیصلے میں لکھتی ہے: ''یہ بات مشکوک ہے کہ آیا ملزم کسی باقاعدہ عہدے پر فائز تھا، یا اس مجلس شوری کی کوئی رسمی حیثیت بھی تھی یا نہیں-''[۱]

۲- علامہ بھی اپنے بیان میں اس بات پر مصر ہیں کہ ''نہ میں نے کسی کی ملازمت کی، نہ باغیوں میں شامل ہوا-''

○ تو جب انہوں نے اس عرصہ میں کسی کی ملازمت نہیں کی تو وہ نہ باغی ٹھہرے اور نہ ہی باغیوں کے سردار، اور چونکہ وہ ممو خان کے مشیر نہ تھے اسلئے انگریزوں کی دوستی کے دعویدار افراد کیلئے، انکا دیا ہوا فتویٰ جوازِ قتل بھی زمرہ بغاوت میں نہ آیا- تو بنابرایں ان پر قائم ہونے والا مقدمہ بے بنیاد ٹھہرا-

○ حقیقت بھی یہی ہے کہ فردِ جرم میں علامہ پر عائد کردہ الزامات غلط تھے اور مقدمہ بے بنیاد تھا- اب تک دستیاب ہونے والے تاریخی حقائق بھی اس حقیقت کی تصدیق ہیں اور فائل مقدمہ وغیرہ میں بھی جا بجا اسکی تائید ملتی ہے-

۱- جیسے علامہ کا عدالتی بیان جو پیچھے گزر چکا ہے اِس فرد جرم کی تغلیط کرتا ہے، اس میں علامہ نے جہادِ آزادی میں محاذِ دہلی پر اپنی موجودگی سے متعلق جتنا کچھ کہا، تمام اصل مآخذ نے اسکی تصدیق کی[۲] اور علامہ کے بیان سے مماثلت واتفاق کے باعث یہ مآخذ مزید مستند اور معتبر ہوگئے- دہلی سے متعلقہ بیان کے حرف حرف کی سچائی وحقانیت کا تقاضا ہے کہ علامہ کے بیان کے اس حصے کو بھی تسلیم کیا جائے -- جس میں وہ کہتے ہیں:

''نہ میں نے کسی کی ملازمت کی، نہ باغیوں میں شامل ہوا---- میں خیرآباد سے اسلئے نکلا تھا، کیونکہ یہاں کے تمام باشندے بیگم (حضرتِ محل) کے ساتھ بھاگ گئے تھے-''

---

۱ تحریک، ص:۱۶۱

۲ ملاحظہ کیجئے پچھلے صفحات میں علامہ کا جنگ آزادی میں حصہ-

۲- جیسا کہ وہ فیصلہ ہو جانے کے بعد اپنی اپیل میں بھی لکھتے ہیں: ''مئی ۱۸۵۸ء میں احمد اللہ کے ظلم وستم سے جان بچانے کی خاطر بھاگ کر بوندی گیا- اسکے بعد مسیح الزمان نے مجھے پکڑ کر قید کر دیا، کیونکہ میں نے اسکے ساتھ بغاوت میں شریک ہونے سے انکار کر دیا تھا---- خود بعض باغیوں نے مجھ پر ظلم توڑے تھے-''[1]

۳- ۹ر جنوری ۱۸۶۰ء کو وزیر ہند کے نام انڈیمان سے اپیل بھیجی، اس میں بھی یہی ہے: ''میں مئی ۱۸۵۸ء تک خیر آباد میں رہا، وہاں سے ہمیں ایک شخص احمد اللہ شیخ کے تشدد مجرمانہ کی بدولت بھاگ کے بوندی جانا پڑا- وہاں ہماری جان خطرے میں تھی- بوندی میں دو شخص، عبدالحکیم اور مرتضیٰ حسین میرے خلاف ہو گئے- یہ دونوں شیعہ تھے- مجھے نقصان پہنچانے کی خاطر ان دونوں نے بیان دیا کہ انہوں نے سنا تھا کہ میں ممّو خان اور دوسرے باغیوں کے مشوروں میں شامل تھا، اور قتل کے جواز کے فتوے دیتا تھا- بات صرف اتنی ہے کہ جب ہم بھاگ کر بوندی آرہے تھے تو ایک باغی سرغنے مسیح الزمان نے ہمیں راستے میں گرفتار کر لیا- اس نے ہمارے ساتھ بہت سختی کا سلوک کیا اور ہمیں کھیڑی میں نظر بند کر دیا- خوش قسمتی سے کھیڑی کے باشندے مجھے جانتے تھے- ان لوگوں کے کہنے پر مسیح الزمان نے ہمیں رہا کر دیا- اس سے معلوم ہوگا کہ اگر کسی طرح کا میرا باغیوں سے تعلق پیدا ہوا بھی، تو میری مرضی کے خلاف تھا-''[2]

○ نواب احمد علی خان عرف ممّو خان کی نااہلیت بھی فردِ جرم کے غلط ہونے پر دلیل ہے- علامہ کی خود نوشت میں ممّو خان کے بارے میں رائے یہ ذلالت کرتی ہے کہ علامہ، ممّو خان کے مشیر ہرگز نہ تھے- وہ لکھتے ہیں:

۱- ''بیگم (حضرت محل) نے انتظامِ رعایا اور حصولِ خراج کیلئے شہروں اور قصبات و دیہات میں عامل بھیج دیے---- لیکن یہ تمام امور مہمہ اور انکا اہتمام وانصرام ایسے ذلیل، غافل اور متحیر عامل کو سونپا گیا تھا جو کسی طرح اسکا اہل نہ تھا- وہ صحیح مشورے سے گریزاں اور

---

۱ تحریک، ص: ۱۷ تا ۱۸

۲ مرجع سابق، ص: ۲۲

جہل سے ہم کنار تھا- آسان بات کو سخت دشوار اور دشوار کو آسان سمجھتا، وہ ذلیل احمق اور بزدل تھا- اس نے مکالمت اور مشاورت، مجالست اور منادمت کیلئے احمق، جاہل اور ذلیل طبقہ کو چن رکھا تھا- وہ نخوت وغرور کی بنا پر شریف سرداروں اور عقلمند راہنماؤں سے بچتا اور اپنے ہی اہل خاندان اور اعزہ میں سے جاہلوں اور احمقوں کو مصاحب و حاکم بناتا- چنانچہ اس ناتجربہ کار نے ان لشکروں پر کمین، ذلیل، بزدل اور رذیل لوگوں کو سردار بنادیا- وہ بڑے ہی لالچی تھے جو کچھ لشکریوں کو خوراک وغیرہ دی جاتی کھاجاتے- وہ بددیانت تھے---- جب نصاری اس مرصد (نواب گنج ضلع بارہ بنکی) کی طرف متوجہ ہوئے جو دارالسلطنت (لکھنو) سے جانب شمال آٹھ میل کے فاصلے پر واقع تھا، اور جس میں سوار، پیادے اور وہ رذیل و ذلیل قائدِ عظیم بھی تھا- تو وہ کمین قائد ان کی آمد کی خبر سن کر ہی اپنے ذلیل سرداروں کے ساتھ بھاگ گیا- بہادر ہندوؤں کی تھوڑی سی تعداد اپنے گاؤں کے مکھیا کے ساتھ مقابلے پر ڈٹ گئی- یہ سو سے زیادہ نہ تھے- دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اتار کر خود بھی کٹ گئے- وہ فرار کی عار برداشت نہیں کر سکتے تھے، اور بھگوڑے قائد کی طرف سے کافی لشکر اور ساز وسامان کے ہوتے ہوئے بھی انہیں کوئی مدد نہیں پہنچ سکی تھی- نصاری نے جب اس گاؤں کو جس میں وہ نامرد خائن عامل نگہداشت کیلئے موجود تھا، خالی اور ویران پایا تو اس پر قبضہ جما کر اپنا مضبوط ومحفوظ قلعہ بنالیا-''[1]

۲- ممو خان کی نااہلی ایک تاریخی حقیقت ہے- اسی لیے سید معین الحق نے اپنی کتاب میں ''ممو خان نے احمد اللہ شاہ کی مخالفت کی'' کا باقاعدہ عنوان بنایا ہے، اور اس میں لکھا ہے ---''لیکن ممو خان کی نااہلیت نے انتظامی مشینری کو بے اثر اور ناکام کردیا- حضرت محل بے بس تھی- یہ اودھ کے انقلابیوں کی بدقسمتی تھی کہ انتظام وانصرام نااہل لوگوں کے ہاتھ میں تھا، جو اعلانیہ طور پر احمد اللہ شاہ کے دشمن تھے---''[2]

---

[1] باغی ہندوستان، ص:۶۳ تا ۶۷-

[2] The Great Revolution of 1857. P,479,480- الغرض دہلی اور لکھنو کے محاذوں پر شکست سے دوچار ہونے کے بعد جو قیادت نااہلوں کے ہاتھ میں تھی اور انتشار پہلے سے کہیں زیادہ تھا-

○ مذکورہ بالا مولوی احمد اللہ شاہ کا ذکر بھی اس فردِ جرم کی تغلیط کرتا ہے- اس لئے کہ فردِ جرم کی تشریح میں لکھا ہے کہ عبدالحکیم اور مرتضیٰ حسین کو رہائی ان دنوں میں ملی "جب باغی سرغنے مموخان نے مولوی فضل حق کو مولوی احمد اللہ شاہ کی جائیداد ضبط کرنے کو بھیج دیا تھا-"

۱- مولوی احمد اللہ شاہ کی جائیداد ضبط کرنے کیلئے علامہ کا جانا یا انکا بھیجا جانا نہ صرف یہ کہ ثابت نہیں ہے بلکہ ناممکن ہے اسلئے کہ عدالت بھی یہ بات مان چکی تھی کہ "ملزم تو کبھی صاحبِ سیف رہا ہی نہیں، بلکہ اسکی ہمیشہ صاحب رائے و مشورہ کی حیثیت سے شہرت رہی ہے-" تو ضبطی جائیداد جیسی مہمات پر علامہ جیسا ساٹھ سالہ بوڑھا شخص کیسے جا سکتا ہے، اور پھر اس مولوی احمد اللہ شاہ کی جائیداد کی ضبطی، جسکی تعریف میں علامہ یوں رقمطراز ہیں:

۲- "اس موقع پر متسلط نصاریٰ سے قتال کیلئے دوسری طرف کا ایک عامل (احمد اللہ شاہ مدراسی) اٹھ کھڑا ہوا- اس نے خیرات و مبرات اور سعادات و حسنات کا کافی ذخیرہ اپنے اندر جمع کر لیا تھا- وہ بڑا ہی پاک طینت، صاف باطن، متقی، پرہیزگار، بہادر اور رسول ملاحم اور نبی مراحم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمنام تھا- اس نے نصاریٰ کے لشکر پر حملہ کر کے پہلے ہی حملہ میں شکست دیدی---- ادھر اس نیک سرشت بہادر عامل سے ایک دیہاتی کافر زمیندار نے بڑا داؤ کھیلا---- تو اس زمین دار کی قسموں پر بھروسہ کر کے اس دیانتدار عامل نے اپنے تھوڑے سے بہادروں کے ساتھ دشمن پر حملہ کر دیا---- وہ خدا پرست عامل معرکہ میں گر کر شہید ہوا، اور اسکی ساری جماعت نے بھی اسی کے نقشِ قدم پر چل کر جامِ شہادت نوش کیا- ان سب ابرار و اخیار کی شہادت کے بعد----"[۱]

۳- انہیں کے بارے میں غلام رسول مہر لکھتے ہیں: "ایک روایت کے مطابق علامہ کا لکھنو کی ملازمت ترک کرنا مولانا احمد اللہ شاہ سے بات چیت کا نتیجہ تھا-"[۲]

۴- انگریز مصنفین کے حوالے سے پنڈت سندر لال لکھتے ہیں: "لکھنو شہر کے اندر انقلاب کا سب سے قابل رہنما مولوی احمد شاہ تھا-"[۳]

---

[۱] باغی ہندوستان، ص: ۶۷، ۶۹
[۲] ۱۸۵۷ء کے مجاہد از غلام رسول مہر، ص: ۲۰۲
[۳] دیکھئے "سن ستاون از پنڈت سندر لال، ص: ۱۹۰

الغرض یہ تمام دلائل اس حقیقت کا اثبات و اعلان ہیں کہ فردِ جرم میں علامہ پر لگائے جانے والے الزامات غلط ہیں، اور علامہ کا اس فردِ جرم سے انکار اور اسکی بنا پر سنائی جانے والی سزا کے خلاف دو بار اپیل کرنا، رہائی و نجات کی آس لگائے رکھنا، خود کو مظلوم و مبتلائے آزمائش گردانا اور رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض و التجا کرنا، نہ صرف درست تھا[1] بلکہ انگریز کے ظلم و بربریت اور جھوٹ و مکر کے خلاف آخر وقت تک لڑنا اور اسکے غاصب و مکار ہونے پر مہر ثبت کرنا تھا۔

5.14.3- فیصلہ:

۴/ مارچ ۱۸۵۹ء کو کمشنر خیر آباد در جوڈیشنل کمشنر اودھ کی عدالت مشترکہ نے مقدمے کے جملہ کوائف، گواہوں کے بیانات اور کپتان تھربرن کی تحریر کردہ فردِ جرم کی روشنی میں درج ذیل فیصلہ صادر کیا، اور اس میں علامہ کی محاذِ دہلی کی سرگرمیوں کا ذکر بھی شامل کر دیا، ملاحظہ کیجئے:

''مولوی فضل حق پر الزام یہ تھا:

○ الزام: بغاوت اور قتل پر انگیخت

تشریح: (۱) وہ ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء کے دوران میں بغاوت کا سرغنہ رہا، اور دہلی اور اودھ اور دوسرے مقامات پر اس نے لوگوں کو بغاوت اور قتل کی ترغیب دی۔

تشریح: (۲) اس نے بوندی کے مقام پر مئی ۱۸۵۸ء میں باغیوں کے سرغنے ممو خان کی مجلس مشاورت میں نمایاں حصہ لیا۔

تشریح: (۳) اس نے بوندی کے مقام پر مئی ۱۸۵۸ء میں ایک سرکاری ملازم عبدالحکیم کو قتل کرنے کی ترغیب دی۔

○ ملزم نے جرم سے انکار کیا اور سماعت شروع ہوئی۔

عدالت کے سامنے ملزم مندرجہ ذیل امور میں مجرم ثابت ہوا۔

---

[1] بلکہ واجب اور سنتِ حضرت یوسف علیہ السلام ہے (سورہ یوسف: ۵۲،۲۶) اور اپنی براءت ثابت نہ کرنا خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

(۱) ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء میں اس نے لوگوں کو بغاوت پر اکسایا۔

(۲) ۱۸۵۸ء میں بوندی کے مقام پر اس نے باغیوں کے، جو وہاں پڑاؤ ڈالے جمع تھے اور بالخصوص باغی سرغنے ممو خان کے مشوروں میں خاص سرگرمی دکھائی۔ ان ہی ایام میں اس نے ایسے فتوے دیے جن کا مقصد قتل کی ترغیب دینا تھا۔

۴ر مارچ ۱۸۵۹ء کو اسے بطور شاہی قیدی حبسِ حیات جبس بعبور دریائے شور اور اس کی تمام جائیداد کی ضبطی کی سزا دی گئی۔

○ نقل فیصلہ:

ملزم کے مقدمہ کے دو پہلو ہیں۔ یہ تو معلوم ہی تھا کہ وہ ۱۸۵۸ء میں اودھ کے باغی سرغنوں کا خاص مشیر تھا لیکن اس کی گرفتاری کے بعد دہلی سے اس کے پرانے تعلقات کے باعث وہاں کے حکام سے بھی اس سے متعلق استصواب کیا گیا تو کمشنر دہلی نے اس کے جو حالات تحریر کیے، ان سے معلوم ہوا کہ ۱۸۵۷ء میں دہلی میں بھی اس کی سرگرمیاں بعینہٖ اسی قسم کی تھیں لیکن جہاں تک قیام دہلی کے زمانے میں اس کے چال چلن کا تعلق ہے، وہاں کے گواہ عدالت کے سامنے نہیں، نہ ملزم کو ان گواہوں پر جرح کرنے اور عائد کردہ الزامات کی جواب دہی کا موقع دیا گیا ہے البتہ جہاں تک اودھ کا تعلق ہے اگر یہ مقدمہ ثابت ہو جائے تو پھر ملزم کے عام چال چلن اور رویے کے لیے دہلی کی شہادت بھی تائیدی اور توثیقی حیثیت سے تسلیم کی جا سکتی ہے۔

○ اس پر الزام یہ لگائے گئے ہیں:

اول: پوری بغاوت کے دوران میں بالعموم لوگوں کا بھڑکانا اور

دوم: ۱۸۵۸ء میں بالخصوص اودھ میں بغاوت پر اُکسانا۔

اس امر کی قوی شہادت موجود ہے کہ ایک موقع پر اس نے قتل کی شہہ دی، جو براہِ راست قتل کے مترادف تھی، لیکن چونکہ جن اشخاص کے قتل کی کوشش کی گئی تھی، وہ واقعی قتل نہیں کیے گئے تھے، اس لیے عدالت نے ملزم کے خلاف یہ جرم تسلیم نہیں کیا، بلکہ اس بات کا

بھی یقین نہیں کہ انجام کار ملزم نے ان اشخاص کی رہائی کے لیے بھی اپنی رضامندی کا اظہار نہ کر دیا ہو۔

بہر حال عدالت کی نظر میں یہ ثابت ہے کہ اس موقع پر ملزم نے بلاضرورت مستعدی دکھاتے ہوئے صراحت سے ایسا فتوی دیا، جس کا مقصد قتل کی ترغیب دینا تھا۔ اس نے قرآن کی آیات پڑھیں اور ان کے من مانے معنی کیے اور اصرار کیا کہ انگریزوں کے ملازم کافر اور مرتد ہیں، اور اس لیے شریعت کے نزدیک ان کی سزا قتل ہے، بلکہ اس نے باغی سردار سے یہاں تک کہا کہ اگر تم انہیں قتل نہیں کرتے تو خود خدا کی نظر میں مجرم ہو۔ ہم نے اس شبہ کا فائدہ ملزم کو دیا ہے کہ ممکن ہے اس نے اس خاص موقع پر جن خیالات کا اظہار کیا تھا، ان سے اس کا مقصد یہ ہو کہ یہ اشخاص انگریزی ملازمت ترک کر کے باغیوں کے ساتھ مل جائیں لیکن اس میں شک نہیں کہ ایسے معتقدات (فتووں) کا اصلی مقصد قتل کی ترغیب دینا ہے، جس کی متعدد مثالیں اس بغاوت کے دوران میں ملتی ہیں۔

دہلی میں بھی اس کا یہی کام تھا اور اودھ میں بھی اس نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اس نے مقدمے کے دوران میں ایک موقع پر یہ صفائی پیش کی تھی کہ اودھ میں دو مشہور فضل حق ہیں۔ لیکن یہ بات صاف ہو گئی ہے کہ وہ دوسرا شخص سابق میں ضلع بریلی کا تحصیلدار تھا اور پچھلے ایام میں چکلہ دار اور باغیوں کا سرغنہ رہا ہے۔ لیکن ملزم تو کبھی صاحب سیف رہا ہی نہیں، بلکہ اس کی ہمیشہ صاحب رائے و مشورہ کی حیثیت سے شہرت رہی ہے اور وہ بونڈی کے مقام پر باغیوں کی مجلس شوریٰ (پریوی کونسل) کا اہم رکن تھا۔ یہ بات مشکوک ہے کہ آیا ملزم کسی باقاعدہ عہدے پر فائز تھا، یا اس مجلس شوریٰ کی کوئی رسمی حیثیت بھی تھی یا نہیں، لیکن اس سے متعلق تو کوئی شبہ نہیں اور یہ بات ان ایام میں خاص طور پر مشہور تھی کہ چند آدمی بیگم (حضرت محل) کے مشیرانِ خاص ہیں۔ باغی فوج میں ان کی ''اربعہ شوریٰ'' کے نام سے شہرت تھی، بلکہ کبھی کبھی انہیں ''کچہری پارلیمنٹ'' کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا، اس شوریٰ میں ملزم بہت ممتاز تھا۔

یہ بات بھی قطعی شہادتوں سے ثابت ہوگئی ہے کہ ملزم سردار ممو خان کا خاص معتمد علیہ تھا، اور وہ اکثر ان سے مشورہ کرتا رہتا تھا، جیسا کہ اس موقع پر بھی ہوا جب اس نے قتل کا فتوی دیا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ملزم بہت قابل آدمی ہے لیکن جس طرح اوپر بیان ہوا، اس نے بہیمانہ ہوس یا مذہبی تعصب کے باعث باغیوں سے اپنا رشتہ جوڑا اور ان کا مشیر بن گیا۔ وہ خطرناک ترین آدمی ہے جو کسی وقت بھی بے حد نقصان پہنچا سکتا ہے اور اس لیے انصاف اور امن عامہ کا یہ تقاضا ہے کہ اسے ملک بدر کر دیا جائے۔

وہ اودھ کا باشندہ ہے، اور ایک ایسے خاندان کا فرد ہے جو انگریزی حکومت کا ساختہ پرداختہ ہے۔ بلکہ ایک زمانے میں وہ خود بھی سرکاری ملازمت میں اچھے بڑے عہدے پر متمکن تھا لیکن گذشتہ کئی برس سے وہ انگریزی ملازمت ترک کر کے اودھ، رام پور، الور وغیرہ متعدد دیسی ریاستوں میں معقول عہدوں پر ممتاز رہا ہے۔ اس کی ہمیشہ بہت شہرت رہی ہے۔ جن گواہوں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا وہ بھی مولوی فضل حق کا نام اکثر سنتے آئے تھے۔ بغاوت شروع ہونے کے وقت وہ الور میں ملازم تھا۔ یہاں سے وہ دیدہ دانستہ دہلی آیا اور اس کے بعد وہ باغیوں اور بغاوت کے قدم بقدم چلتا رہا۔ ایسے شخص کو سخت ترین سزا ملنا چاہیے اور اسے خاص طور پر ہندوستان سے خارج کر دینا چاہیے۔

ملزم کے بڑھاپے اور سماج میں اس کی نمایاں حیثیت اور اودھ کا باشندہ ہونے اور اسکے سرکار انگریزی کا نہیں بلکہ گذشتہ کئی برس سے دیسی ریاستوں کا ملازم ہونے کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ اس سے عام قیدی کی جگہ سیاسی قیدی کا سا سلوک کیا جائے۔"[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کی گرفتاری کے بعد انکی شہرت، دارالحکومت دہلی سے انکا تعلق اور دہلی میں انکی ممتاز حیثیت کے باعث جب کمشنر دہلی سے استصواب کیا گیا،

---

[1] تحریک، ص: ۱۵ تا ۱۷۔

تو کمشنر دہلی نے جواباً علامہ کے حالات پر مشتمل ایک خط اور علامہ کی تحریر کردہ فارسی زبان میں ایک تحریر، ۲۶ر فروری ۱۸۵۹ء کو دہلی سے ارسال کی[1]۔ اسکے پہنچنے تک عدالت لکھنو کارروائی مکمل کر کے فردِ جرم تحریر کر چکی تھی اور مقدمہ ۲۸ر فروری کو اودھ منتقل ہو چکا تھا۔ چنانچہ ۴ر مارچ ۱۸۵۹ء کو اودھ وخیر آبادکی مشترکہ عدالت نے جب فیصلہ صادر کیا تو انکی دہلی کی سرگرمیوں کا بھی حوالہ شامل کر لیا۔ مگر گواہ اور ثبوت نہ پیش کر سکی۔

علامہ اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں: ''مدعی اور منازع کے بغیر ان (علامہ) پر فیصلہ صادر کر دیا گیا۔''[2]

کچھ ایسا ہی تبصرہ سید عاشور کاظمی نے، بہادر شاہ کے مقدمے میں انگریزوں کے طریقِ کار پر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: ''اس مقدمے میں وہی قاتل، وہی شاہد، وہی منصف تھے۔''[3]

بایں ہمہ وجوہ علامہ کا خود کو مجرم نہ ماننا، فردِ جرم کے مندرجات سے انکار کرنا، صرف مئی ۱۸۵۸ء میں بمقام بونڈی مموخان کے مشیر ہونے کی حیثیت سے لگائے جانے والے الزامات سے انکار تھا نہ کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اپنے حصے سے۔ اسلئے کہ جہاد آزادی ۱۸۵۷ء کے مرکز پر اپنی آمد اور موجودگی کا اعتراف وذکر تو علامہ نے اپنے بیان میں خود کیا تھا۔ مگر یوں کہ وہ حقیقت پر بھی مبنی تھا اور گرفت کا باعث بھی نہ بن سکا۔ اسلئے کہ وہ ایک ماہر قانون دان علامہ فضل حق خیر آبادی کا بیان تھا۔

5.15- علامہ کا جرم

تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ علامہ میدان جنگ میں لڑنے والے صاحب سیف نہ تھے، اور جو الزامات ان پر لگائے گئے تھے۔ وہ ان سے بھی بری تھے۔ ویسے بھی وہ جرم کوئی اتنے بڑے نہ تھے کہ عدالت انکو بری کرنا تو کجا انکے ساتھ کوئی رعایت بھی نہیں کرنا چاہتی

---

[1] دیکھیے باغی ہندوستان، ص: ۲۴۹، پر فہرست کاغذات فائل مقدمہ۔

[2] باغی ہندوستان، ص: ۲۹

[3] ملاحظہ کیجئے ''غداروں کے خطوط''، ص: ۴۷، پر سید عاشور کاظمی کا تحریر کردہ دیباچہ۔

تھی، بلکہ اپنے فیصلے میں لکھا کہ ''----وہ خطرناک ترین آدمی ہے جو کسی وقت بھی بے حد نقصان پہنچا سکتا ہے اور اسلئے انصاف اور امن عامہ کا یہ تقاضا ہے کہ اسے ملک بدر کر دیا جائے ----ایسے شخص کو سخت ترین سزا ملنا چاہیے اور اسے خاص طور پر ہندوستان سے خارج کر دینا چاہیے-''[1]

تحقیق طلب بات یہ ہے کہ آخر وہ کونسا جرم تھا جو اتنا بڑا تھا کہ قابل معافی نہ تھا اور اسکا مرتکب خطرناک ترین آدمی ہے اور اسے سخت ترین سزا ملنی چاہیے- اسکا مختصر جواب تو عدالت کے فیصلے میں ہے-[2]

اور اسکی تفصیل علامہ کی خود نوشت اور قصائد عربیہ میں کچھ یوں ہے:

- ''میں مسافرت و غربت، اضطراب و مصیبت کی زندگی بسر کر رہا تھا، اور میرا اشتیاق و رغبت اپنے گھر، اہل و عیال، پڑوسی اور احباب تک پہنچنے کیلئے بڑھ رہا تھا کہ امن و امان کا وہی پروان[3] جسے قسموں سے مؤکد کیا گیا تھا، نظر پڑا- اس پر بھروسہ کر کے اپنے اہل و وطن میں پہنچ گیا-[4]
- ہمارے ساتھیوں میں دوسرے روپوش لوگ بھی واپس آ گئے مگر نصاری نے صرف مجھی کو قید میں ڈال دیا-[5]
- جن کو پکڑ لیا انکو قتل و ہلاک کیا حالانکہ جو جرم ان پر لگائے گئے تھے ان سے وہ بری تھے-[6]
- ''اس شرمناک رویے کا تنہا میں ہی شکار نہ بنا تھا، بلکہ بہت سی مخلوق سے اس سے بڑھ چڑھ کر ناروا سلوک روا رکھا گیا تھا، انہوں نے عہد و پیمان (ملکہ کا اعلان معافی) توڑ کر

---

[1] تحریک، ص:۱۶
[2] مرجع سابق، ص:۱۶، ۱۷-
[3] ملکہ وکٹوریہ کا اعلان معافی-
[4] باغی ہندوستان، ص:۷۳
[5] دیکھیے باغی ہندوستان، ص:۱۱۰، ۱۱۱، پر قصائد فتنۃ الھند میں سے قصیدہ دالیہ، شعر نمبر:۴۰
[6] باغی ہندوستان، ص:۹۷، قصیدہ ہمزیہ، شعر نمبر:۱۰۱

ہزاروں مخلوق خدا کو پھانسی، قتل، جلاوطنی، قید اور حبس میں بلا تاخیر مبتلا کر دیا۔ وعدہ خلافی کر کے بیشمار نفسوں اور لاتعداد نفیس چیزوں کو تباہ کر ڈالا۔ اس طرح خون ناحق شمار سے آگے بڑھ گیا۔ سینکڑوں اور ہزاروں سے گنتی نہیں ہو سکتی۔"[1]

- جب میں قیدی بن کر بھی انکا اطاعت گزار نہ بنا تو انکی طرف سے رنج و تکلیف میں اور بھی زیادتی کر دی گئی۔[2]
- مجھے تکلیف پہنچانے کیلئے نصاریٰ نے ایسے زندیقوں کو آمادہ کیا جو انکے مقرب ہیں اور وہ بھی جن سے انکے الحاد کی وجہ سے محبت کرتے ہیں۔[3]
- وہ غصے میں آپے سے باہر ہو گئے اور میری اذیت رسانی میں ہر ممکن جدو جہد سے کام لیا، پوری پوری دشمنی برتی، اور بغض و کینہ کا کھلا مظاہرہ کیا۔[4]
- اسکا (علامہ کا) قصور صرف ایمان اور اسلام پر مضبوطی سے قائم رہنا اور علمائے اعلام میں شمار ہونا ہے۔ اس سے ان ظالموں کا مقصد نشانِ درس و تدریس کو مٹانا اور علم کے جھنڈے کو نیچے گرانا ہے۔ وہ صفحاتِ قرطاس سے بھی نام و نشان مٹانا چاہتے ہیں۔[5]
- میرا معاملہ ایسے ظالم و حاکم کے سپرد کر دیا جو مظلوم پر رحم کرنا ہی نہ جانتا تھا، اور میری چغلی ایسے دو مرتد، جھگڑالو، تند خو افراد نے کھائی جو مجھ سے قرآن کی محکم آیت میں مجادلہ کرتے تھے۔ جسکا حکم تھا کہ نصاریٰ کا دوست بھی نصرانی ہے۔ وہ دونوں نصاریٰ کی مودت و محبت پر مصر تھے انہوں نے مرتد ہو کر کفر کو ایمان سے بدل لیا تھا۔[6]
- میں نے اسکے سوا کوئی گناہ نہیں کیا کہ ان سے کسی قسم کی محبت و دلچسپی نہیں رکھی۔[7]

---

[1] باغی ہندوستان، ص: ۷۵
[2] باغی ہندوستان، ص: ۸۷، قصیدہ ہمزیہ، شعر نمبر: ۱۵
[3] باغی ہندوستان، ص: ۱۱۳، قصیدہ دالیہ، شعر نمبر: ۶۳
[4] باغی ہندوستان، ص: ۱۱۵، قصیدہ دالیہ، شعر نمبر: ۶۴
[5] باغی ہندوستان، ص: ۲۹
[6] باغی ہندوستان، ص: ۷۴، ۷۵۔
[7] باغی ہندوستان، ص: ۹۷، قصیدہ ہمزیہ، شعر نمبر: ۱۰۹

O اور بات یہ ہے کہ نص قرآنی سے انکی محبت کفر ہے- حق پرست انسان کو اس میں نزاع نہیں ہوسکتا۔[1]

O ان سے محبت روا کیسے رکھی جاسکتی ہے جبکہ آسمان وزمین جس کی وجہ سے پیدا کیے گئے اس ذات گرامی کے یہ نصاری دشمن ہیں۔[2]

معلوم ہوا کہ ایمان واسلام پر مضبوطی سے قائم رہنا، علمائے اعلام میں شمار ہونا، نصاری سے محبت ودوستی کو کفر جاننا اور باعث تکوین دو جہاں، سرورِ سروراں محمدِ مصطفیٰ ﷺ سے محبت رکھنا ہی نا قابل معافی اور بڑا جرم ہے-

اسی لئے عدالت نے لکھا: ''ملزم بہت قابل آدمی ہے- اس نے بہیمانہ ہوس یا مذہبی تعصب کے باعث باغیوں سے اپنا رشتہ جوڑا اور انکا مشیر بن گیا----- وہ متعدد دیسی ریاستوں میں معقول عہدوں پر ممتاز رہا ہے- اسکی ہمیشہ بہت شہرت رہی ہے- جن گواہوں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا- وہ بھی مولوی فضل حق کا نام اکثر سنتے آئے تھے- بغاوت شروع ہونے کے وقت وہ الور میں ملازم تھا- یہاں سے دیدہ ودانستہ دہلی آیا اور اس کے بعد وہ باغیوں اور بغاوت کے قدم بقدم چلتا رہا-''[3]

یقیناً ایسا شخص پورے ہندوستان میں عیسائیت رائج کرنے جیسے عزائم کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ تھا- ایسے خطرناک ترین آدمی سے بچاؤ، پھانسی یا ہمیشہ کی جلاوطنی سے ہی ممکن تھا-

---

[1] باغی ہندوستان، ص:۹۷، قصیدہ ہمزیہ، شعر نمبر:۱۱۰

[2] باغی ہندوستان، ص:۹۷، قصیدہ ہمزیہ، شعر نمبر:۱۱۱

[3] تحریک، ص:۱۶ تا ۱۷-

5.16- حقائق بیانی شعراء کی زبانی:

وہ شہید جنگِ آزادی علمبردارِ حق
اسکا اعلانِ جہادِ عام باطل کے خلاف
کاش! کچھ عالم نہ دیتے ساتھ اگر انگریز کا
وہ مجاہد وہ سپہ سالارِ حق وہ بخت خان

فضل حق کا نام ہے اک مستقل کردارِ حق
کسقدر دو ٹوک تھا اور کسقدر تھا واشگاف
ہند میں ہوتا علم اونچا نہ سر انگریز کا
فضلِ حق کی داستاں میں ہے وہ جزوِ داستاں

(مذاق العیشی فیروز پوری)

سامراجی طاقتوں کا توڑ کر زورِ جنوں
وہ خطیبِ حریت، شعلہ نوا، جوش آفریں
اس نے سمجھایا "نہیں ممکن نظیر مصطفیٰ"
مردِ حر، غازی، مجاہد، حق پرست و فضل حق

اس نے پیدا کی تھی آزادی کی ہر دل میں لگن
جامع دہلی کو گرماتا رہا جس کا سخن
گونجتا ہے آج تک یہ نعرۂ باطل شکن
تھا کتابِ حریت کا بے گماں پہلا ورق

(امیر البیان سہروردی)

جب پڑی افتاد ملت پر، غیور قوم نے
کالا پانی میں بھی جاری محفلیں علمی رہیں
داد پاتے تھے سخن کی اس سے مومن اور منیر

پاؤں کی ٹھوکر پر رکھ دی نوکری اچھی بھلی
چین سے بیٹھے کہاں اسکی طبیعت مَن چلی
شاعری غالب کی اسکی رائے سے پھولی پھلی

(سید عارف محجور رضوی)

باب 6

عکس ونمونہ جات

6.1 نقل استفتاء از اخبار الظفر دہلی اردو

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ اب جو انگریز دہلی پر چڑھ آئے اور اہل اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں اس صورت میں اب شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں اور اگر فرض ہے تو وہ فرض عین ہے یا نہیں اور لوگ جو اور شہروں اور بستیوں کے رہنے والے ہیں ان کو بھی جہاد چاہیے یا نہیں۔ بیان کرو اللہ تم کو جزائے خیر دے۔

جواب: درصورت مرقومہ فرض عین ہے اوپر تمام اس شہر کے لوگوں کے اور استطاعت ضرور ہے اس کی فرضیت کے واسطے، چنانچہ اب اس شہر والوں کو طاقت مقابلہ اور لڑائی کی ہے بسبب کثرتِ اجتماع افواج کے اور مہیّا اور موجود ہونے آلات حرب کے تو فرض عین ہونے میں کیا شک رہا۔ اور اطراف و حوالی کے لوگوں پر جو دور ہیں باوجود خبر کے فرض کفایہ ہے، ہاں اگر اس شہر کے لوگ باہر ہو جائیں مقابلے سے یا سستی کریں اور مقابلہ نہ کریں، تو اس صورت میں ان پر بھی فرض ہو جاوے گا اور اسی طرح اور اسی ترتیب سے سارے اہل زمین پر شرقاً اور غرباً فرض عین ہو گا اور جو عدو ان بستیوں پر ہجوم اور قتل اور غارت کا ارادہ کریں تو اس بستی والوں پر بھی فرض ہو جائے گا بشرطیکہ ان کی طاقت کے۔

العبد المجیب احقر نور جمال عفی عنہ

اس جواب کے نیچے حسب ذیل ۳۳ علماء کے دستخط ہیں:۔

۱۔ محمد نذیر حسین۔	۲۔ رحمت اللہ۔	۳۔ مفتی صدر الدین۔
۴۔ مفتی اکرام الدین معروف سید رحمت علی۔	۵۔ محمد میر خان (یا میر محمد خان)	۶۔ عبد القادر۔
۷۔ احمد سعید احمدی۔	۸۔ محمد ضیاء الدین۔	۹۔ محمد عبد الکریم۔
۱۰۔ سکندر علی۔	۱۱۔ محمد کریم اللہ	۱۲۔ مولوی عبد الغنی۔
۱۳۔ محمد علی۔	۱۴۔ فرید الدین۔	۱۵۔ محمد سرفراز۔

۱۶-سید محبوب علی جعفری۔ ۱۷-محمد حامی الدین۔ ۱۸-سید احمد علی۔

۱۹-الٰہی بخش۔ ۲۰-محمد انصار علی۔ ۲۱-مولوی سعید الدین۔

۲۲-حفیظ اللہ خان۔ ۲۴-محمد نور الحق۔ ۲۵-حیدر علی۔

۲۶-سیف الرحمٰن۔ ۲۷-اللہ الغنی وانتم الفقراء۔ ۲۸-سید عبد الحمید۔

۲۹-محمد ہاشم۔ ۳۰-محمد امداد علی۔

۳۱-محمد مصطفے خان ولد حیدر شاہ نقشبندی۔

۳۲-سراج العلماء ضیاء الفقہاء مفتی عدالت العالیہ محمد رحمت علی صاحب۔

۳۳-سید محمد (یا حافظ کو مربع لکھ کر بیچ میں نام لکھا ہے)۔

۳۴-خادم شرع شریف رسول الثقلین قاضی القضاۃ محمد علی حسینی۔

6.2 رام پور کے نواب یوسف علی خان کے نام خط۔

جناب عالی جناب نواب صاحب خداوند نعمت، فیاض زمان، ملاف ومعاذ علمائے دوراں دام اقبالہ۔

بعزّ عرض می رساند کہ پیش ازیں دو تا عریضۂ عقیدت مشتمل بر ابتلائے خویش ارسال عالی جناب کردہ ام، بنظر اشرف گذشتہ کاشف فحاوئ مندرجہ شدہ باشد، ذم روبکاری ایں جا واضح شد کہ فدوی را بعلّت نوکری خان بہادر خان ونظامت پیلی بھیت وچکلہ داری محمدی وافسری لشکر باغی ماخوذ کردہ اند، حال آنکہ فدوی ازیں ہر سہ امر محض بری است ومنشاءِ مواخذہ انست کہ شخصے میر فضل حق نام از سادات شاہجہان پور کہ قبل ازیں در سرکار ابد قرار بندگان عالی ملازم ماندہ بسر رشتہ داری پیلی بھیت مامور شدہ، وزمانے تحصیلدار آنولہ پیلی بھیت ماندہ بود، دور ابتدائے غدر از طرف خان بہادر خان ناظم پیلی بھیت گردید وبعد فتح بریلی در ملک اودھ رسیدہ از طرف خان علی خان چکلہ دار محمدی شدہ۔ پس از زمانے بافسری کدامی لشکر باغی ہمراہ فیروز شاہ آں طرف جمن فرار کرد۔ عزیزان او در سرکار کمپنی بعہد ہائے

جلیلہ ماموراند- چنانچہ برادرِ حقیقی او مولوی مبین ڈپٹی کلکٹر سہارن پور بود-

مہتمانِ اخبار خانہ خراب ناواقف ازیں تفصیل کہ او شخصے دیگر است و فدوی از شیوخ خیرآباد شخصے دیگر، در اخبار نامہا حال نظامت پیلی بھیت و محمدی و افسری لشکر و فرار او بافیروز شاہ آن طرف جمن نوشتہ بعض علامات فدوی افزودند کہ برادر حقیقی او در سرکارِ مہاراجہ پٹیالہ نوکر و برادرِ دیگرش در سہارنپور ڈپٹی کلکٹر است، و ... کمانِ ایں ج... اشتباہ ہماں مولوی فضلِ حق کہ ہمنام و در بعضے علامات شریکِ فدوی است ، فدوی را محض بے جرم مقید ... دہ اند-

لہذا عرض رسانست کہ اسمٰعیل خان رئیس ... گڑھ دریں رو... ہا واردِ آن دیار اند، واز حال فدوی و مولوی فضل حق شاہجہان پوری مذکور بخوبی واقف- بایشاں ایما رود، تا ایشاں کیفیتِ تفصیلی مشارٌ الیہ و حالِ عبورِ او دریائے جمن راہمراہِ فیروز شاہ و حالِ بے جرمی فدوی نوشتہ مع عرضی خود بنام ترب صاحب، کمان افسرِ بریلی متضمن درخواست ارسال کیفیت مذکور بذریعہ چٹھی خود محکمہ اسپیشل کمشنر لکھنؤ خدمت بترب صاحب موصوف روانہ دارند[1] و در کیفیت تغائرِ بسیار میانِ فدوی و فضلِ حق شاہ جہانپوری ثابت سازند، و نوکر بنودنِ فدوی بسرکار کدامی باغی و افسر بنودنِ فدوی بکرامی لشکر و ناظم نماندانِ فدوی بعلاقۂ پیلی بھیت و محمدی، ایں جملہ امور واقعی اوست، بوجہ احسن ثبت کنند، تا صاحب موصوف عرضی و کیفیت مرسلۂ ایشاں راہمراہ چٹھی خود دریں جا روانہ فرمایند و بواسطہ آں چٹھی و کیفیت اشتبا... حکامِ ایں جا رفع شود و نمک خوارِ قدیم رہائی یافتہ بدعائے ترقی و جاہ (مشغول) گردد- از پرورشِ خاوندانہ و مواساتِ کریمانہ امیدوار است توجہ بسیار بحالِ زوال مبذول شود و بعجلت ہر چہ تمامتر اثر اجابت مسئول ظاہر گردد، واجب بود، عرض نمود-

آفتاب ترقی جاہ و جلال ہموارہ تاباں باد

ترقی خواہ

۱۸ر فروری　　　عرضی مہر (فضل حق ۱۲۲۴)

نمک خوارِ قدیم

---

[1] یہاں عبارت کچھ گنجلک ہے-

6.3 تضمین حرماںؔ[1] خیرآبادی برنعت حضرت رضا بریلوی

وصفت زبشر ہم ناممکن ہستی ممدوح خداجانا
من یا ہے بچاز کرت تسدن تو ہے پرکھن ہارے کیا جانا
کہتی ہے یہی چشم باطن، میں نے تو تجھے یکتا جانا
لم یات نظیرک فی نظرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا

جگ راج کا تاج تورے سر سو ہے تجھکو شہ دوسرا جانا

رحم اے شافع روز جزا، شد غرقۂ بحر گنہ دلِ ما
من کوان لوگ کا روگ لگا جن چاہے نہ آپ ملیں نہ خدا
کرتا ہوں یہی دن رات دعا اے ساقیٔ چشمۂ کوثر آ
الموج علا والبحر طغیٰ من بیکس و طوفاں ہوش رُبا

منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا، موری نیا پار لگا جانا

من تیرہ نصیب سیاہ عمل ، دارم ہمہ عقدۂ لاینحل
نہ تو کام کی آس نہ کام کا بل، مورے چت کو دھیر نہیں ایک پل
اب تو چاہے تو مجھے کل، تر ہو سوکھی ہوئی یہ کشتِ عمل
لک بدر فی الوجہ الاجمل ، خط ہالۂ مہ زلف ابراجل

تورے چندن چندر پرو کنڈل، رحمت کی بھرن برسا جانا

---

[1] علامہ فضل حق خیرآبادی کی صاحبزادی بی بی سعید النساء کا تخلص ہے۔

تاچند کشم بہ فراقِ تو غم، تا کے خوردنوش سرشک الم
مہراج کاراج بڑھے جم جم، سدھ کا ہے بساردئی پیتم،
میں تشنۂ شوق ہوں تیری قسم، تپ ہجر سے اب لبوں پہ ہے دم
انافی عطش وّ سخاک اتم، اے گیسوئے پاک اے ابرِ کرم
برسن ہارے رِم جھم رِم جھم، دو بوند ادھر بھی گرا جانا

بگذشت بہ لہو و لعب طفلی، ایام شباب بہ ہجرِ نبی
اب تیرے نیت کی لاگ لگی، پاچھے پران نکس جائی
جز تیرے نہیں دنیا میں کوئی، جو روز دہاں جائے قطعی،
یا شمس نظرتِ الیٰ لیلی چو بہ طیبہ رسی عرضے بکُنی،
تورے جوت کی جھل جھل جگ میں رچی، مری شب نے نہ دن ہونا جانا

از گردشِ بخت و جفائے فلک، ہستم درامن و اماں اینک
اب جات رہی جیرا کی کسک، نہ وہ ٹیس نہ پیر نہ دکھ نہ تپک
لیکن یہ مزا ہے، اسی در تک، اسمیں نہیں شک اسمیں نہیں شک
یا قافلتی زیدی اجلک رحمے بر حسرتِ تشنہ لبک
مورا جیرا لرجے درک درک، طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا

یا شاہ خبر گیرامت زارم بارست غم فرقت
ملجائے دئی توری کارن مت مورے سیس سورا ہے پیل کوست
حسرت ہے اگر تو یہی حسرت، کہ وہیں بھول جائے مجھے قسمت
واہاً لسو یعاتِ ذہبت آں عہد حضورِ بار گہت
جب یاد آوت موہے کرنہ پرت، دردا وہ مدینے کا جانا

چہ کنم شکر کرم تو دا ، نہ دہن دارم نہ زباں بخدا

داتا تو راج بڑھاوے سوا، حرماں کی بھی تسدن ہے، یہ دعا

ملنے میں جو مجھ کو ملا ہے مزا، واللہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا

الروح فداک فزد حرقا، یک شعلہ دگر : زن عشقا

موراتن من دھن سب پھونک دیا، یہ جان بھی پیارے جلا جانا

علامہ کے شکستہ رسم الخط کا عکس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[illegible]

باسط الامان السلطان العادل المجازي الملقي الاعدا في
المخازي الجليل عن المماثل والموازي المنصوب في المعارك
والمغازي سلطان الزمن ابو المظفر معز الدين غازي الدين
حيدر بن الغازي لازال ملكه المعمور بكمائمه وريحانه محروس الثغور
ووجوه الاماني والامال بفيض جوده مستبشرة باسمه الثغور ولازالت
الاقطار الاودية متقطورة نديه بسحائب نوائله الاندية وبالفلت
البلاد بامنه بحسن اداءه واديار الامصار متمتعين بمواهبه
وآدابه آمين اختلف الالسن في وصف فضله المتفق عليه و
الثناء على فضل مؤلفه الامام المختلف اليه فمن قائل انه اصفى من السلسبيل
ومن واصف انه الزلال المشمول ومحل انه رابعة النحل او
نار السماء في الحلل المحلل ومدع انه الاري المشور ومبدع انه
الوشي المنشور ومن زاعم انه الدر المنثور ومن موقن انه السحر
الماثور ومن معتقد انه وان كان سحرا فهو حلال ومن منشد
كتاب كوشي الروض خطت سطوره يد ابن هلال عن فم ابن
هلال فضل ابن ابن الهلال من ذلك الكمال وانه القصص من
الهلال وان للبيع الجد في ما يخرج في بيانه من شرح المعاني

وابن الابن بر و هل و تلك يد ذ المعاني و قد تحت و ل النسيان على
هجان ما حبر مولانا الحبر من الحبر الصنعاني فطام مولانا البحر بار نقود
النحر و نثاره منثر بذر البحر و ما انه ازرق من لجة البحر و نفحة السحر و ما اصفى
من ما نمقه مولانا النحرير من الكتاب الانيق التحرير الذي دونه
نسج الحرير خط كالوشي المحبر و لطائف معان في اللطف كالعبير و عبارة ارق
من العبير و اعبق من العبير تحوي كلما مذهبة تحلى شيما مهذبة فيه
كل معنى دقيق في مدح عين جليل و نثر رقيق في وصف بره الجزيل
و احسان و عبارة لطيفة حاكية عن نكات ملكية شريفة زاكية و فرائض
مصونة مرتجلة في نوابل مضاعفة متسلسلة و بيان كالروض المجود
او كالعقود في نحور الحور في حضرة الكرم و الجود التي هي مأوى المجود
و حديث رشيق مسلسل كالعقيق المسلسل في مدحه المجد القديم
المؤثل و اجود ما شيد في اجود صيتها و بدور و ثناء ابيض
على اسود الاحلو الذي كثر سواد العاشقين بسواد مصره لا مثل من
السواد و هو من التبر المسبوك في حمد بره المسكوك و الثناء على مجده
الموروث و المكسوب و قصائد مطنبة في مناقب ذلك الجناب
المقصود و قوافي في البحر البسيط و المديد حكايات لكرمه
البحر البسيط فيضه الممدود و فرائض في البحر الكامل و الوافر
شكر عطاءه الكامل الموفور و مقاطيع في وصف سيفه

بالقاطع المشهور وسجعه الذائع المشهور وبدائع الطرف
فی صفحة الالوان واشرف المحفوفین بالعلاء واشرف
فوائد ابهی من درر القصائد فی اوصاف الغرف وعجائب
وغرائب ملح فی رغائب منح ولآلئ نثره فی معالی اثیرة و
خرائد نظمه فی درجات عظیمة وعقود جمان وقلائد عقیان
فی مدائح مسابح الاحسان وجواهر غالیة الثمن استخرجت من
معدن الیمن فی تقریظ سلطان الزمن فکان بالنظم مولانا
فی مدیحه من بعض نثاره وما جادت به فکرته الوقادة فی تقریظه
ببعض من آثاره فحرس الله ذات مولانا العریف الشریف
فی الظل الرحید الوریف بحضرة الملک الرؤف العطوف
مرتویا بتلک المناهل الهنیة لا بدا ببلک العیشة السنیة
هذا والمملوک منذ عامین فی مغاناه الا این دائم السفر علی متن
الملوین مشتغل بحث الاشتغال والتدریس بالاسفار
والعرتس یتردد عرسا تشرقا وتغربا وهذا مهد عهده ومدت
عن مولانا علی عشرة واما الشوق فما لا اوازه بدست حبوه وانا
الحسلن بعد البعد سلوة ولکن اللقا من فضل الله انشا

عن قریب مرجو الامال مولانا قبلہ الامین آمین بجاہ سید

الامین والہ الیامین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والسلام

وامنحنی من برّه من بحره وجدید وعلی ما لم تزل ولم تزل وأولى
ما أولى من جاد وعفوا على العافي الجادي لا من منّ وبادي
فليبادر بتصديق الوعد الشادي واسعد جديد من فاز بلا جدّ
بوجد جديد وجدّ وابشر عميد من لا اقبل عليه البشير قبل البشير
بلا كدّ وجهد وكدّ والذّ مذاق وواقتراب ما كان بلا استغاثة
وارتقاب ومرحب اكرم حبيب جاء من نجاة
بلا رجاء وارجاء كذلك استبشرت اذ منّ المولى الأعلى
بارسال كتابه فلثمت لثامه ورحبت من اتى به فيا لها
من نعمة وافية سرّت فسرّت بوافاتها ومنة كافية
اصطفت فامتنعت مكافاتها فكان طلوعه على
قبلما تطلعي اليه وطلاعي ما فيه واطلاعي عليه ابهج من بابشير
طلوع الصباح على عاشق مهجور وابهج من بابشير طلوع الصباح
في عاشق وبحور فاما ما حرر المولى في منة من توفانه الى العبد الذي
كاتبه باحسانه وحنانه فكانما هو حسد احسيني الى الغيانه فاني
مذ طالعت كتابه الكريم منتهى الكلام واطلعت على ما فيه

موضوعة لا احاديث مرفوعة قد صح عنها صلواة الله عليهم

وتناقلها رواة دون عادون يردون كذبت ويرونها قربات

لائمة الهدى يشهدون عليهم بانهم زنادقة وشهادات الائمة

لاشك صادقة ومن بعض اكاذيب الاسمار واباطيل الاخبار

لا ينبغي ان يعد من معاشر العلماء او من قبيل الاخبار بل هو

ادون حالا واخس من ان يمير يوثق في سرد الحكايات لتنويم امير

ومن هذا ذيل سخيف يفتري خزعبلات تحقيقا تحليلا

لعلب علل او تفسيرا لخاطر رقيق وحاشا ان يكون ذلك

من العلوم والمعارف وغايته ان يعد من الملاهي والمعازف

وبالجملة فصاحبكم لم يك جديرا بان يعد ... يجال له فضلا عن ان

بجواب او سؤال فانه لا يعرف من الكتب الكلامية حرفا

بل لا يعلم نحوا ولا صرفا وانما غاية ما يدعيه التمهر في الفارسية

وخصوصية مهرة فيها ان ليس له فيها على الهنادك مزية فلا حواره احسن

من حوارهم ولا عواره اهون من عوارهم وما نتجه على ادعائه

من شراع وعادته خلطه بعض اللغات العربية مع الفارسية في مكتوباته العجمية

فيغر بعض البعضاء العامية العامة انه ماهر في الصناعات العلمية

6.7 ''بادشاہ اکبر شاہ ثانی کے نام درخواست''

عرضی رقم زدہ مولوی فضل حق صاحب

ازطرف

رعایائے شہر در باب امتناعِ ٹیکس وغیرہ

حضرت جہاں پناہ، خلد اللہ ملکہ وسلطنۃ، بعرض اقدس و اعلیٰ (می رسانند) برائے جہاں آرائے اقدس روشن ومبرہن است کہ رعایائے ایں ملک چہ ہنود و چہ مسلماں برخے ازاں با مزارعاں وکشاورزاں و اکثر روزگار پیشہ وبعض ازاں با تجار و اکثرے اہلِ حرفہ وبعض لاخراج دار و روزینہ دار وبعض در یوزہ گر بودہ اند و اکثرے از اہلِ اسلام وبعض ہنود اصل متوطن ایں جانیستند بلکہ بہمراہی حکام وسلاطین ترک اوطان خود ہا (کردہ) دریں (جا) توطن گزیدہ اند تا وقتے کہ مملکت ہندوستاں بقبضہ وتصرف سلاطین وراجگاں بود وجہ معیشت سکان ایں دیار ہیچ گونہ تنگی نکردہ بود کہ ہمگی وجوہ معاش کہ خدمات عمدہ وجہ روزگار سپاہ صرف بسکنہ ایں دیار اختصاص داشت ہر کس از سکنہ ہمیں ملک بقدر حوصلۂ وفراخور لیاقت خود روزگارے در اہلِ مناصب یا در زمرۂ سپاہ یا در پیشۂ تجارت یا در حرفہ میداشت از زمانے کہ عملداریٔ سرکار انگریزی در مملکت ہندوستان رسیدہ است بتدریج تنگی روزی وضیق معاش رفتہ رفتہ الحال بحدّے رسیدہ است کہ نوبت بجان و کارد باستخواں رسیدہ زیرا در سرکار انگریزی ہمگی وجوہ معاش مفقود وابواب روزی مسدود شدہ اند بجز معدودے چند یعنی چند کس در عملۂ عدالت دیوانی وکلکٹری وفوجداری و پرمٹ وتھانہ وتحصیل بمشاہرۂ قلیل ملازم اند وپس از تبدیل دفاتر وتغیر طرز نوشت وخواند کچہری ہا چناں تخیل می گردد کہ در چندے ایں روزگار ہم نصیب ایں بے چارگان نہ خواہد ماند۔ این است حال تنگی معاش روزگار سکان ایں دیار و حال تجار ایں است کہ سرکار انگریزی ہمہ وجوہ تجارت خود اختیار نمودہ وہمگی اجناس از قسم پارچہ وریسمان وظروف واسپاں وغیرہ دوّاب خود از ملک انگلستان وغیرہ بہم رسانیدہ،

دراین ملک برائے فروش علی التواتر در ہر قریہ و بلدہ از بلاد ایں ملک می آرد و منفعتے برائے کسے از سکنۂ ایں دیار نمی گزارد- دراین جہت ہمہ تجار ایں دیار از پیشۂ خود دست بردار شدند-

وحال لاخراجیداراں اینست کہ ہمہ لاخراجی باوجود ایں کہ در قوانین سنہ ۱۸۰۳ء و سنہ ۱۸۰۵ء سرکار انگریزی عہد و میثاق نوشتہ اند کہ ہر اراضی لاخراجی کہ پیش از غرۂ جنوری سنہ ۱۸۰۱ء و غرۂ جنوری ۱۸۰۳ء بقبض وتصرف لاخراجیدار خواہد بود، گو سند یا شد یا نہ یا واہب آں اختیار عطا داشتہ باشد یا روز گاہے بضبطی نہ خواہد آمد الحال بلا ہیچک، تحقیقات و بلا تامل در ہر یک ضلع ضبط شدہ می شود حالا از وجہ معیشت لاخراجیداراں بالمرہ مسدود شدہ است دروزے کہ یک قلم در ہمہ اضلاع موقوف شدہ است ایں وجہ معیشت ہم باقی نماندہ وحال مزارعاں و کشاورزاں انیست کہ براں ہا آں چناں جمع خراج مقرر شدہ است کہ دراں حالتے و استطاعتے باقی نماندہ است، وحال بے استطاعتی و بے مقدوری آنہا خود از دفاتر کلکٹری ظاہر و ہر گاہے کہ برائے ایں سکان ایں دیار وجہ معیشت باقی نہ ماند اہل حرفہ چہ کار برائے کدام کس تواند کہ بذریعہ آں برائے خود کسب معیشت توانند نمود ہر گاہے کہ ہمگی خلائق از معیشت خود تنگ باشد بدریوزہ گر کدام کس تواند داد؟ ایں ہمہ حالات اجمالی تنگی معاش جملہ رعایائے ہندوستان ست-

وحال تنگی معاش رعایائے علاقہ شاہ جہاں آباد مجملاً اینست کہ در ابتداء عمل سرکار انگریزی پرگنہ ہوڈل و پلول و بیتن و نجف گڈہ و سالکہ و فیروز آباد و ڈیگ و پوناہانہ و سانگرس و بجنور و سونی پت و گوہانہ و جرسٹہ و کھر کھودہ و روہتک و مہم و ہانسی و حصار وغیرہ پرگنات در جاگیر بودند و در سرکارات جاگیرداران ایں ہمہ پرگنات ہزار ہا کسان در ہر کار و در فوج و شاگرد پیشہ ملازم بودند و اکثر دیہات در وبست و اراضیات لاخراجی متصرفہ در معافی بودند، ایں ہمہ پرگنہ و دیہات و اراضیات بحیطہ ضبطی درآمدند و معیشت للکوک کسان بالمرہ موقوف شدہ حالا در تمام عالم روزگار ہمچو عنقا ناپدید است و بیوہ ہا و بے چارگاں از مسدودی روزینہ و ضبطی املاک مدار بر سر برد اوقات خود ہا بر چرخہ زنی و ریسماں فروشی و آسیا ساتی می داشتند بسبب ایں کہ

سرکار تجارت ریسماں اختیار کردہ و آسیا ہائے آبی نصب نمودہ است ایں وجہ معیشت آنہا بالمرہ مسدود گردید، وہم چنیں ایں حرفہ و دوکان داراں و ساہوکاراں (بہ) بے بضاعتی خلائق از انقطاع مایوس گشتہ سرمایہ کہ داشتند بصرف خوردونوش در آوردہ اند بایں ہمہ تنگی ہا او سر چارلس مٹکاف صاحب بہادر مصادرۂ ادائے زر چوکیداری بر ما بے چارگاں چار و ناچار کہ حکم حاکم مرگ مفاجات است دادن مصادرہ باوصف آں کہ گاہے از عہدِ سلاطین و حکام سلف علت آں نداشتیم بذمۂ خود نہادہ تا حال کردہ ماندیم حالا چند روزست کہ صاحب مجسٹریٹ حال در ہر کوچہ و برزن و بازار بہ تعمیر پھاٹک ہائے قدیم و جدید کہ ہیچ یک فائدہ براں مترتب نیست و گاہے مترتب نہ خواہد شد حکم دادند ما غربا جبراً و کرہاً تکالیف فاقہ کشی و بیع و رہن اسباب خوردونوش برداشتہ بصرف ہزار ہا روپیہ تعمیل حکم نمودیم و تکالیف ہر روزہ (کہ) از مسدود ماندن دروازھائے نو تعمیر و غماض چوکیداران ہر یک محلّہ، دربست و کشاد آں عائد حال مایان می شود بر خود گوارا می نمائیم، الحال علاوہ ازیں خبر صاحب مجسٹریٹ حال حکم تقرر پنج پنج کس پنجاں در کوچہ، و محلّہ ----"

(نوائے ادب جولائی ۱۹۶۲ء)

علامہ کے وضع کردہ آئین کے اصل مسودہ کا عکس

6.9: آئین کا انگریزی ترجمہ از مہدی حسین

Whereas to avoid disorder in the sections of administration of the military and civil departments it is absolutely necessary to form a constitution, and whereas to work out the constitution it is necessary first to appoint a Court the following regulations are hereby laid down:

(i) A court should be established and named Administration Court, that is a Court to administer military and civil affairs.

(ii) This Court should consist of ten members 6 military and 4 civil. Of the military members two should be selected from the infantry platoons, two from the cavalry and two from the artillery.

(iii) Out of these ten men, one should be appointed President (Sadr-i-Jalsa) and another Vice-President (Naib Sadr-i-Jalsa) by a unanimous majority of votes. In ever department there should be appointed secretaries according to need. The quorum for the court meeting should be five whereby work should be done satisfactorily.

(iv) At the time of the appointment of these ten men they should take an oath that they would do court work with honesty, sincerity, great industry and with deep thought and care, and that they will

not neglect even the slightest detail in matters adminstrative and that they would not covertly or overtly have resort to taking and seizing , or to partiality of any kind and in any manner or at the time of dealing with matters of administration in the Court. On the contrary they will always keep themselves engaged in and apply themselves attentively and diligently to executing the State matters wherby the State should obtain secuirty and the people should enjoy peace and repose, and that they would not divulge any item of the Court work under consideration before its enforcement plainly or by allusion without the permission of the Court and Sahib Alam.

(v) Election of the Court members should be in this manner: by the majority of votes two men should be elected from the infantry platoon, two from the cavalry troops and two from the artillery; such men must possess a long record of service and must be clever and well-versed, able and intelligent. Should any person be highly clever, intelligent and learned and an adept in the administration of the Court work but lacking long service, this latter disqualification in that case will not obstruct the appointment of such a person.

And in the same way will be appointed four civil members.

(vi) After ten members have been appointed, if any member gave his vote before the full Court regarding any matter in such a manner as to be against honesty and sincerity or calculated as partial to any one, then that member will be removed from the Court by the definite majority of votes; and another person will be elected in his place according to regulation five.

All the items of administration to be considered should be first treated in the Court and after the approval of Sahib Alam the decision of the Court should be communicated to His Majesty (Huzur-i-Wala).

(vii) After the programme has been drawn by the majority of votes it will be submitted for approval to Sahib Alam Bahadur and the Court will remain under the control of the alluded Sahib Alam Bahadur. And no matter of administration whether military or civil will be executed without the sanction of the court and the approval of the Sahib Alam and without the information of the same being given to His Majesty(Huzur-i-Wala). In the event of a difference of opinions and after

being re-considered by the Court, the same matter -the difference still continuing-will be sent up through the Sahib Alam to His Majesty the Shadow of God(Huzur Zille Subhani). The order given thereupon by His Majesty(Huzur) will be final.

(viii) In the Court none, barring the Sahib Alam Bahadur and His Majesty the Shadow of God(Huzur Zille Subhani) who will be entitled to be present, no non-member will be present, nor will be join the meeting. When out of the specified number of the Court members, anyone for some valid and acceptable reason be unable ot attend the court meeting, then the votes of the remaining members of the Court will be tantamount to the vote of the Court in full strength.

(ix) Should a member of the Court desire to express his opinion regarding any matter, he would first secure the consent of another member, then he may make the proposal of the same as a matter already agreed upon by two members.

(x) When an item is to be considered in the Court according to Regulation nine, then the proposer should first speak in the Court meeting. No one will interrupt his speech until he has

finished it. If a member of the Court has any objection to make regarding it, he should explain it and no one will interrupt him either, until he has finished speaking. Should a third man make a speech amending or adding or subtracting from the objection, and if the remaining members of the Court observe silence regarding it, then every member of the Court should write out his opinion separately. After sonsulting Regulation eight, decision will be arrived at by the majority.

(xi) Those who from every section of the military are elected according to Regulation two, should be appointed managers and administrators of that section. Under their control should work a committee of 4 men according to Regulation four, in that committee secretaries should be appointed according to need. And whichever proposal is formally put up in that committee by the majority of votes that proposal will be presented to the Court by those very officers of that Committee. It should be executed by the Court according to Regulation seven. The same process should be adopted in every military and civil section.

(xii) At any time according to the demand of the occasion right should be vested in the Court to make amendments by majority of votes in this constituion.

6.10 قصیدہ نونیہ
در بیانِ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء

جزیرہ انڈیمان میں قیدِ فرنگ میں نظم کیے ہوئے اس قصیدہ[1] میں علامہ فضل حق خیر آبادی نے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے اسباب واقعات اور نتائج کا تفصیلی ذکر کیا، علامہ نے الثورہ الہندیہ کے اختتام پر اسکے تعارف میں لکھا کہ "اس کے تین سو سے کچھ زیادہ اشعار ہو کر رہ گئے- اسکے اتمام کی نوبت نہیں آئی- مصائب و آلام کے ہجوم نے تکمیل کا موقع نہیں دیا- اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رہائی سے احسان فرمایا تو اس ذات کی مدح اس میں شامل کر کے ختم کروں گا جسے مکارم اخلاق سے پورا پورا حصہ ملا ہے- اس پر اور اس کی آل پر قیامت تک صلوٰۃ وسلام- واللہ سبحانہ ولیّ التوفیق والاحقاق-"[2]

علامہ فضل حق خیر آبادی قضائے الٰہی سے جزیرہ انڈیمان میں ہی انتقال کر گئے اور یہ قصیدہ مکمل نہ ہو سکا- مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں موجود علامہ کے مجموعۂ کلام میں یہ قصیدہ بھی شامل ہے- اسکے دو سو پینتیس اشعار ہیں جو درج ذیل ہیں:-

---

[1] جنگ آزادی پر علامہ کے دیگر دو قصائد ھمزیہ اور دالیہ کیلئے باغی ہندوستان ملاحظہ کیجئے-

[2] باغی ہندوستان، ص: ۸۴، ۸۵-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حامداً و مصلّياً

١-مَـا نَـاحَ أَوْرَقُ فِيْ أَوْرَاقِ أَشْجَانِ	إِلَّا وَهَيَّجَ أَشْجَـانِـيْ وَأَشْجَـانِـيْ
٢-وَمَـا هَـمَى عَـارِضٌ إِلَّا وَعَـارَضَهُ	طَـرَفِـيْ فَـقَـابَلَ هَتَّـانـاً بِهَتَّـانِ
٣-مَـا افْتَـرَّ بَـرْقٌ بَـدَا إِلَّا وَمَثَّلَ لِيْ	بَـرِيْـقُـهُ ضَـحْكَ بَسَّـامٍ فَـأَبْكَانِيْ
٤-إِنْ صَلْصَلَ الرَّعْدُ فِي الْآفَاقِ جَاوَبَهُ	حَنِيْنُ صَبٍّ إِلَى الْأَحْبَابِ حَنَّانِ
٥- إِذَا سَحَـابُ هُمُوْمٍ صَبَّ صَابَ بِهِ	قَلْبِيْ هُمُوْمٌ بِهَا يَنْهَمُّ جُسْمَانِيْ
٦-إِنْ جَـادَ جَوْدٌ يَجُدْ عَيْنِيْ وَجَادَنِيْ	الْهَوَى وَجَدْتُ بِنَفْسِيْ أَجْلَ تُوْقَانِيْ
٧-يُرْبِي الْغَمَـامُ غُمُوْمًا وَالْهَوَاءُ هَوًى	وَالْوَبْلُ كُلَّ وَبَالٍ لِلشَّجِي الْعَانِيْ

١-نـاح: سجع، أورق:حَمَام، أوراق:جمع ورق، وأشجان:جمع شَجَن وهو غصن ملتف مشتبك، أشجـانـي:الأول جـمـع شـجـن بمعنى هم و حزن والثانى فعل ماض من إشجاء بمعنى أحزنني-

٢- هـمى:انصبّ وسال ، عارض:سحاب مطل و معترض في الأفق، عارضه:باراه و قابله، طرفي : عيني ، هتانا:كثير القطر مبالغة هاتن-

٣-افتر برق:تَلَأْلَأَ، بدا:ظهر،مثّل:صَوَّرَ،بريقه:ضوؤه وتلألؤه، بسام :كثير الابتسام-

٤- صـلـصـل الـرعـد:صـفـصـوتـه، الآفـاق:جـمـع الأفق، الأحبـاب، جمع الحبيب، حنان:مشتاق-

٥-سـحـاب هُـمـوم:صبوب لـلمطر، صاب:انصب، صاب به:وقع، هُموم:جمع هَمّ وهو حزن، ينهم: يذوب، جسمان:جسم-

٦-جـاد المطر:غزر، جود:مطر غزير، يجد :يكثر دمعه، جادني الهوى:غلبني، أجل:سبب، توقاني: اشتياقي-

٧-الغَمام:السحاب،غُموماً:جمع غمّ،الوبل:المطر الشديد، الوبال:الشدّة،للشجي:للحزين، العاني:المصاب بالمشقة-

٨-يَحِينُ حِينُ حِمَامِى بَلْ أَحِينُ إِذَا شَكَا حَمَامٌ أَذَى بَيْنٍ عَلَى بَانِ

٩-إِذَا تَبَلْبَلَ أَلْحَانُ الْبَلَابِلِ بَلْ بَلَّ الْبَلَابِلُ بَالِى بَلْ وَجُثْمَانِى

١٠-قَدْ عَبَّرَتْ عَبَرَاتِى عَنْ هَوًى وَجَوًى وَشَانَ تَذْرَافُ شَأْنِى فِى الْوَرَى شَأْنِى

١١-وَشَتْ عَلَىَّ بِشَأْنِى مُقْلَةٌ وَكَفَتْ سَحَّاحَةٌ وَكَفَتْ مَاشَانَهُ الشَّانِئُ

١٢-يَزِيدُ كُلَّ زَمَانٍ مِنْ أَسًى زَمِنٍ كَلٍّ يَكِلُّ بِحُوبِ الْحُزْنِ حَزْنَانِ

١٣-إِنْ بِتُّ لَيْلًا جَفَانِى طُولُهُ وَسَنِّى كَأَنَّ أَنْجُمَهُ نِيطَتْ بِأَجْفَانِى

١٤-يَغُمُّنِى اللَّيْلُ كَالْيَوْمِ الْمُغِمِّ بِمَا يَحْكِى جَهَنَّمَ فِى حَرٍّ وَوَقْدَانِ

٨-يحين حين حمامى:يأتى وقت موتى، أحين :أهلك و أموت، حمام : أورق(طائر)،بين:فرقة، بان: شجرمعتدل القوام-

٩-تبلبل:اختلط، ألحان: جمع لحن ، البلابل: جمع البلبل(طائر)، بلبل : هيج وأوقع فى الهم، بالى : قلبى و خاطرى، جثمانى:جسمى وفى الأصل(چثمانى)مصحفا-

١٠-شان: ضدزان ، تذراف: مصدر ذرف بمعنى سيلان، شأنى: الأول عرق الذى تجرى منه الدموع والثانى منزلتى ومكانتى، الورى: الخلق-

١١-بشأنى: بعرق الدمع، وكفت وكفا:أسالت الدمع، سحاحة : غزيرة الدمع، كفت : استغنت، شانه: ضدزانه، الشانئُ:هو(الشانئُ)معناه مبغض مع عداوة و سوء خلق-

١٢-زمن : مصاب بالزمانة والزمانة معناه العاهة،كل: ضعيف، يكل: يَتْعَبُ، بحوب : بهلاك وبوحشة ، حزنان: حزين-

١٣-جفانى: أعرض عنى، أجفانى: جمع جفن والمرادبه عين، أنجم: جمع نجم ، نيطت شُدَّتْ و عُلِّقَتْ-

١٤-يغمنى:يُحزِننى، المغم: ذى حرّشديد، يحكى:يشابه، وقدان:هو(وَقَدَان)أى مصدر وقد بمعنى اشتعال النار-

۱۵-قَدْ أَسْخَنَ الْعَيْنَ فِی الظَّلْمَاءِ أَنْجُمُهَا	كَأَنَّهُنَّ شَرَارٌ بَيْنَ دُخَّانِ
۱۶-قَدْ طَالَ لَيْلِی فَلَا يُرْجَی تَمَامَتُهُ	كَأَنَّهُ مِنْ لُبَانَاتِی وَأَشْجَانِی
۱۷-وَصُدَّ عَنِّی تَبَاشِيرُ الصَّبَاحِ كَمَا	صُدَّتْ تَبَاشِيرُ صَبَّاحٍ بِلُقْيَانِی
۱۸-كَأَنَّ كُلَّ زَمَانٍ لِلزَّمِينِ دُجَی	لَيْلٍ وَمَا صُبْحُهُ فِی عَدِّ أَزْمَانِ
۱۹-يَوْمِی كَلَيْلٍ دَجِيٍّ ذُو كَوَاكِبَ أَوْ	لَيْلِی كَيَوْمٍ مُغِمٍّ غَمَّ سَخْنَانِ
۲۰-يَوْمُ الْحَوِیِّ لَهَبَانٌ ضَوْؤُهُ لَهَبٌ	وَلَيْلُهُ ظِلُّ يَحْمُومٍ وَأَعْثَانِ
۲۱-إِخْضَرَّ لَيْلِی لِحُسْنٍ أَحْمَرَ خَضِرٍ	وَابْيَضَّ عَيْنِی وَدَمْعِی أَحْمَرُ (قَانِ)
۲۲-تَلْمَاحُ عِقْدِ الثُّرَيَّا فِيهِ يُذَكِّرُنِی	نِظَامَ دُرٍّ يُحَلِّی فَرْعَ فَيْنَانِ

۱۵-أسخن: حرّ، شرار: واحدته شرارة وهو ما يتطاير من النار، دخان: دُخَان أی تِبْغ-

۱۶- لبانات: جمع لبانة وهی حاجة، أشجان: جمع شجن وهو حزن وهمّ-

۱۷-تباشير الصباح: أوائله، صباح: مبالغة صُباح و صبيح وهو جميل، لقيان: لقاء مصدر لقی-

۱۸ -الزمين: المصاب بالزمانة، دجی: جمع دُجية وهی ظلمة-

۱۹ - دجی: مظلم، كواكب: جمع كوكب، مغم: ذی حرّ شديد، غم: اشتدّ حرُّه، سخنان: حار-

۲۰ -الحوی: العاشق، لهبان: شديد الحر، لهب: ما يرتفع من النار كأنه لسان النار، يحموم: شديد الحرارة، أعثان: جمع عثن وهو دخان-

۲۱ -اخضر ليلی: إسود، خضر: الخضرة من ألوان الناس السمرة، أحمرقان: شديد الحمرة، وقان فی الأصل (قانی) وهو خطأ-

۲۲ -تلماح: لمح مصدر، الثريا: مجموعة كواكب يشبهون بهافی حسن النظام وتناسب الأفراد و تلازم المجتمعين حتی كأنهم لايتفارقون، يحلی: يُزَيِّنُ فرع: شعر المرأة، فينان: طويل الشعر-

۲۳-فَيْنَانُ فَرْعٌ أَثِيثٌ فَنَّ مِيسَمَهُ	أَفْنَانُ دَلٌّ فَدَلَّانِي بِأَفْنَانِ
۲۴-إِذَا نَشِيتُ أَرِيجاً مِنْهُ أَوْخَبَراً	نَشِيتُ مِنْ سَكْرَةٍ لَا خَمْرَ سَكْرَانِ
۲۵- نَشْوَانُ نَشْوَتُهُ نَشْوٌ وَرِيقَتُهُ	(نَشْوٌ)فَمَنْ يَهْوَهُ اسْتَهْوَاهُ نَشْوَانِ
۲۶-نَشْوَانُ مَنْ ذَاقَ خَمْرَ الرِّيقِ مِنْهُ فَلَا	يَصْحُو وَإِنْ كَانَ يَصْحُو كُلُّ نَشْوَانِ
۲۷-هِجْرَانُهُ سَكْرَةٌ لُقْيَانُهُ سَكَرٌ	فَالْعَيْشُ وَالْمَوْتُ فِي وَصْلٍ وَهِجْرَانِ
۲۸-يَبِيتُ فِي سِنَةٍ عَنْ كِلْفِهِ الدَّنِفِ السَّ	سَهْرَانَ وَيْلَاهُ مِنْ مَيْسَانَ مِيسَانِ
۲۹-غَضٌّ غَضِيضٌ غَضِيضُ الطَّرْفِ فَاتِرُهُ	وَلَافُتُورٌ لَهُ فِي الْفَتْكِ بِالرَّانِي

۲۳- فرع أثيث: شعر ملتف و كثير، فن : زَيَّنَ ، ميسمه: حسنه و جماله، أفنان: الأول صفة معناه من ينتزع العقل، والثانى جمع فَنَن وهو غصن مستقيم والمراد به شعر طويل ، امرأة دل : ذات شكل أوهيئة اومنظر تدل به، دَلَّى: أوقعنى فيما أراد من الغرور-

۲٤-نشيت :شَمَمْتُ ، أريجاً: رائحة و عبيرًا، نشيت خبراً:تخبرته وعلمته ، نشيت : سكرت، سكرة: مرّة من سَكِرَ، سكران: هو(سكّران) مصدر من سَكِر-

۲٥-نشوته: رائحته ، نشوٌ: أى سكر وفى الأصل(نشوه) لا يستقيم به الوزن ، يهوه ، يحبه نشوان: الأول سكران والثانى مثنى من نشو، استهواه : ذهب بهواه وعقلِه و حَيَّرَه-

۲٦-نشوان :سكران ، يصحو: يُفِيق و يذهب سكرُه-

۲۷- هجران:اعتزال مصدر هجر، سكرة : غشية الموت و شدته، لقيان: لقاء-

۲۸-كلفه: عاشقه ، الدنف:المريض الذى لازمه المرض الشديد، السهران،من لم ينم ليلا، مَيسان: متمايل ومتبخترصفة من ماس يميس، مِيسان:وَسِن وناعس صفة من وسن-

۲۹-غض و غضيض : طرى وناعم ، غضيض الطرف : فاتر مسترخى الأجفان ، فتور : ضعف، الفتك به: البطش به و قتله ، الرانى:من يرنو أى يديم النظر إلى الجميل-

٣٠-عَدْلٌ ظَلُومٌ عَدِيمُ الْعِدْلِ يَهْتَضِمُ ال	كِلْفَ الْهَضِيمَ هَضِيمُ الْكَشْحِ خَمْصَانِ
٣١-أَحَرُّ حُسْناً وَلٰكِنْ ثَغْرُهُ بَرِدٌ	بِالْبَرْدِ وَالْبَرْدُ يَشْفِى حَرَّ حَرَّانِ
٣٢-وَيْلَاهُ مِنْ مِلْهَبٍ يُذْكِى لَهِيبَ جَوًى	وَبَرْدُهُ الْعَذْبُ يُطْفِىٔ لَهَبَ لَهْبَانِ
٣٣-مَنْ ذَاقَ سَلْوَى اللَّمَى الْحُلْوَ الْبَرُدَ فَلَا	يَذُوقُ بَرْدًا وَلَا يَسْلُو بِسُلْوَانِ
٣٤-خَوْدٌ تُقَتِّلُ إِذْ مَاسَتْ تُقَتِّلُ فِى	تَخْوِيدِهَا كُلَّ أَيْسَانٍ بِمَيْسَانِ
٣٥-رَقْرَاقَةٌ تَسْتَرِقُّ الْعَيْنَ رِقَّتُهَا	بَرَّاقَةٌ بَرْقُهَا بَرْقٌ لِأَعْيَانِ
٣٦-بَهْنَانَةٌ نَشْرُهَا نَشْرٌ لِمَنْ قَتَلَتْ	وَهُنَانَةٌ هَوْنُهَا هُونِى وَإِيهَانِى

٣٠-عدل:عادل، ظلوم: كثير الظلم، عديم العِدْل:عديم النظير و المثل، يهتضم: يظلم، الهضيم :الضعيف و الدقيق ، هضيم الكشح :لطيف الكشح و دقيقه والكشح ما بين السرة ووسط الظهر، خمصان: ضامر البطن-

٣١-أحرّ: أكثر، ثغر: فم أو مقدم الأسنان، بَرِد: بارد ، البرد: ضد الحر، حران : شديدالعطش-

٣٢-ملهب:رائع الجمال ، يذكى: يُوقِد ويُشعِل، لهيب:حرّالنار، يُطفِئ:هو(يُطْفِئُ) أى يذهب لهب النار، لهبان: عطشان-

٣٣-سلوى: كلُّ مايُسلِّيك أوعسل ، اللمى: سمرة أوسواد فى باطن الشفة، البرود:البارد، سلوان: ماء كانوا يزعمون أن العاشق إذا شربه سلاعن حبه أودواء يشربه الحزين فيسليه و يفرّحه-

٣٤-خود:مرأة شابّة، ماست مَيساً:مشَت متمايلة متبخترة، تخويدها:سيرها مسرعة ، أيسان: آيِس ، مَيْسان: متمايلة متبخترة-

٣٥-رقراقة: ماتتلألأ، تسترقّ: تملك، برّاقة:ذات برق، برق:ضوء، أعيان:جمع عين-

٣٦-بهنانة :خفيفة مَرِحة فى هدوء ولين ، نشر:الأول الريح الطيبة و الثانى إحياء ، وهنانة: من النساء الكسلى عن العمل تنعُّما، هَوْنُها:وقارُها، هُون:خزى، إيهان:مصدر أوهن بمعنى تضعيف-

٣٧-خَضْراءُ زَافِنَةٌ حَمْرَاءُ رَاقِنَةٌ يَجْفُو تَلَوُّنُهَا الضِّمْنَى بِأَلْوَانِ

٣٨-حُمِّلْتُ ظُلْمَ تَثَنِّيهَا فَأَهْلَكَنِي وَذُقْتُ ظَلْمَ ثَنَايَا هَافَأَحْيَانِي

٣٩-إِنْ شَافَهَتْ شَافِهاً يَظْمَأُ إِلَى الشَّفَةِ الظَّ ظَمْيَا شَفَتَهُ وَزَادَتْ ظَمَأً ظَمْآن

٤٠-كَمْ أَلْطَفَتْنِي بِجَنْبَيْهَا مُلَاطَفَةً سَقْياً لِسَاقٍ لَطِيفِ السَّاقِ لَطْفَان

٤١-جَمَالُهَا جِنَّةٌ عَذْرَاءُ قَاصِرَةٌ عَنْ نَيْلِ سَمَّانَةٍ مِنْهَا يَدُ الْجَانِي

٤٢-كَمْ فَاكَهَتْنِي وَقَدْ بَاتَتْ تُشَاعِرُنِي وَفَكَّهَتْنِي بِتُفَّاحٍ وَرُمَّان

٤٣-كُنَّا ضَجِيعَيْ هَوىً دَهْراً بِعَافِيَةٍ فَحَالَ مَا بَيْنَنَا بَيْنٌ لِحِدْثَان

٣٧-خضراء:سوداء ، زافنة:راقصة أو دافعة، حمراء:من النساء بيضاء ، راقنة : حسنة اللون، الضمنى:جمع الضمين وهو المبتلى بمرض يلازمه ،ألوان:جمع لون-

٣٨-تَثَنِّيْ:مصدر تَثَنَّى وهو التمشى متمايلة، ثنايا:جمع ثنيّة وهى إحدى الأسنان الأربع التى فى مقدّم الفم-

٣٩-شافهت:خاطبت، شافِهاً:عطشاناً، يَظْمأُ إلى:يَشتَقُ إلى، الشفة الظميا: ذابلة فى سمرة هى(الظمياء)مؤنث الأظمَى، شفته: أَبرَأَتُه، ظمأ:عطش، ظمآن: عطشان-

٤٠-ألطفتنى: ألصقتني، لطيف: ذواللطافة، لطفان:ملاطف، لساقٍ:فاعل من سَقَى، الساق:مابين الكعب والركبة ، سقياً لِساق:دعاء له-

٤١-جِنّة: أوّل الشباب، عذراء : بكر، سمّانة: أصباغ يُزخرف بها، الجانى: المُذنِب-

٤٢-فاكهتنى:مازحتنى، فكّهتنى:أطعَمَتْنى الفاكهة، تشاعرني:تُبارِينى فى الشعر-

٤٣-ضجيعَيْ:مثنّى مضاف محذوف النون، حالَ:اعترض وحجز بين: فرقة ، حدثان:حادث و نائبة-

٤٤-إِذْ شَطَّنَا الدَّهْرُشَطَّ الْوَصْلِ وَانْقَطَعَتْ لِأَجْـلِ حِـدْثَـانِـهِ أَسْبَـابُ حُدْثَـان

٤٥-عَـمَّـتْ عَلَيْنَا حَدِيثَ الْحُبِّ حَادِثَةٌ عَـمَّـت وَطَـمَّـتْ عَلَيْنَا طَمَّ طُوفَان

٤٦-وَتِـلْكَ أَنَّ الـنَّـصَارَى كَانَ نِيَّتُهُمْ تَنْصِيرَ مَنْ فِي الْوَرَى مِنْ أَهْلِ أَدْيَان

٤٧-كَـانُـوا يَجِدُّوْنَ لِلتَّنْصِيرِفِي حِيَلٍ وَيَـكْتُمُـوْنَ مُنَـا هُمْ أَيَّ كِتْمَـان

٤٨-إِذْ خَيَّسُوْ كُلَّ وَالٍ عَاهَدُوْا فَبَغُوا عَـلَيْـهِ عَـادِيْنَ مِنْ غَدْرٍ وَخَيَسَـان

٤٩-غَـلَـوْا إِذَا غَتَصَبُوْا كُلَّ الْمَمَالِكِ فِيْ طَغْوَى وَعَدْوَى وَفِيْ كُفْرٍ وَكُفْرَان

٥٠-بَـنَـوْ أَرَاذِلَ هَـدْمًـا لِلنُّبَالِ كَمَـا بَنَوْا مَـدَارِسَ تَـخْـرِيـبـاً لِصِبْيَـان

٤٤-شطّنـا: أبـعـدنـا، شَـطَّ: شـاطـئ، حِـدْثانه:نوائب الدهر، أسباب:الوُصَل والموَدّات جمع سبب، حُدثان: جمع حَدَث وهو شابٌّ-

٤٥-عَـمّت تعمية علينا: لَبّستْ وأخفت، عَمَّت عمّاً وعُموماً : شملت، طمّت علينا :غَمَرَتْنا وغَطَّتنا-

٤٦-النصارى:جمع النصراني، الورى:الخلق، أديان:جمع دين-

٤٧-حِيَل: جمع حِيْلَة، مُنَى:جمع مُنْيَة أي بُغية وما يُتمنّى-

٤٨-خيّسوا: ذَلَّلُوا وحَبَسُوا ، خَيَسَان: هو(خَيَسَان)مصدر خَاسَ بمعنى نكث العهدوغدره-

٤٩- غلـوا:شدّدوا و تصلّبوا ، الممالك: جمع المملكة، طغوى:اسم من طَغَا، عَدْوى:فساد ، كفرو كفران:مصدر ان معنا هما ضدإيمان-

٥٠-بنوا أراذل: أحسنوا إليهم وأراذل جمع أرذَل وهو خسِيْسٌ و دُونٌ ، هَدْماً: كسراً ظهرالنبال، النبال:جمع النبيل وهو ذو النجابة والفضل ، بنوا مدارس : ضد هدموا ، صبيان : جمع صبيّ-

٥١-بِدَرْسِ رَسْمِ الْهُدَى هَمُّوالِدَرْسِ لُغَىً	مِمَّا افْتَرَى الْقَسُّ مِنْ زُوْرٍ وَبُهْتَانٍ
٥٢-وَوَكَّلُوا طَمَعًا فِي نَشْرِ مِلَّتِهِمْ	فِي أَرْضِنَا كُلَّ أُسْقُفٍّ وَمَطْرَانِ
٥٣-مَدَارِسٌ دَارِسٌ لِلدَّرْسِ حِرْفَتُهُ التَّـ	ـحْرِيْفُ وَيْلَاهُ مِنْ غَيَّانَ مَيَّانِ
٥٤-يُغْشِيْ بِمَكْرٍ وَنَكْرٍ نُكْرَهُ نَكْرًا	مَا فِي الْأَنَاجِيلِ مِنْ حَقٍّ وَتِبْيَانٍ
٥٥-غَرُّوْا أَغِرَّاءَ أَرْذَالًا بِتَوْسِعَةٍ	وَضَيَّقُوا عَيْشَ أَشْرَافٍ وَغُرَّانِ
٥٦-وَقَتَّرُوْا رِزْقَ كُلٍّ مِنْ غَوَازِلَ أَوْ	نُكْدٍ يَحُكْنَ وَصُنَّاعٍ وَأَقْيَانٍ
٥٧-لَمْ يَتْرُكُوا مِنْ فَلَاحٍ فِي الْفَلَاحَةِ بَلْ	دَقُّوا رَحَى كُلِّ دَقَّاقٍ وَطَحَّانِ

٥١-بدرس الرسم:بمحوه ، لِدرس: لتعليم، لُغىً: جمع لغة، القسُّ:من رؤساء النصارى فى الدين بين الأسقف والشمّاس ، زور :كذب-

٥٢-ملّتهم:دينهم ، أُسقُفّ وأُسقُفُ: هو فوق قسيس و دون مطران ، مَطران و مِطران: رئيس الكهنة وهو فوق الأسقف دون البطريرك-

٥٣-مدارس:جمع مدرسة، حرفته:صناعته، التحريف: التغيير عن معانى الكلام ، غيّان: ضالٌّ و منقاد للهوى، ميّان: كاذب صفة من مان ميناً-

٥٤-نَكرٌ : دهَاء و فطنة ، نُكرَه : أمره القبيح والمنكر، نكراً: جهلاً ، الأناجيل: جمع الإنجيل-

٥٥-غرّوا: خدعوا وأطمعوهم بالباطل، أغرّاء:جمع غرير و هو مغرور أوشابّ لاخبرة له، أرذالاً:جمع رَذل و هو رذيل و قبيح و دون، توسعة: اتّساع مصدر وسّعَ، أشراف:جمع شريف، غُرّان:جمع أغرّ وهو كريم الأفعال و شريف و سيد-

٥٦-قتّروا: ضيقوا، غوازل: جمع غازلة وهى من تفتل الصوفَ أوالقطنَ خيطانا بالمِغزل، نُكد: جمع أنكد وهو عَسِرٌ قليل الخير، صُنّاع:جمع صانع وهو من يعمل بيديه، أقيان:جمع قَين وهو حدّاد و صانع-

٥٧-فلاح:فوز و صلاح الحال، الفلاحة: الحِراثة، دقّوا: كسروا، رَحى: طاحون، دقّاق:بائع الدقيق أى الطحين ، طحّان: دقّاق-

٥٨-اَلْقَوْا أُولِى الْوُجْدِ فِی وَجْدٍ وَمَوْجِدَةٍ	وَكُلَّ ذِیْ حِرْفَةٍ فِی حَرْفِ حِرْفَانِ
٥٩-وَكُلَّ ذِیْ خَطَرٍ أَلْقَوْهُ فِی خَطَرٍ	وَكُلَّ ذِیْ حُرْمَةٍ فِی هَمِّ حِرْمَانِ
٦٠-بِنَهْرِهِمْ أَنْهُرَ الصَّعْلُوْكِ وَانْتَهَرُوا الْ	حُرَّاثَ عَنْ سَقْيِ أَنْهَارٍ وَمُسْلَانِ
٦١-قَدْ أَوْجَبُوْا مَغْرَماً فِی السَّيْرِ فِی طُرُقٍ	عَلَى جِمَالٍ وَأَفْيَالٍ وَثِيْرَانِ
٦٢-قَضَاؤُهُمْ يَسْلُبُ الْخَصْمَيْنِ مَالَهُمَا	فَيَتْلُوْنَهُمَا سُحْتاً بِخُسْرَانِ
٦٣-رَأَوْا سَلَاطِيْنَ أَرْضِ الْهِنْدِ قَدْ وَهَنُوْا	بِمَا لَهَوْا بِالْمَلَاهِیْ كُلَّ لِهْيَانِ
٦٤-فَحَاوَلُوْا حِوَلَ الْأَدْيَانِ مِنْ حِوَلٍ	حَالَتْ فَآلَتْ إِلَى خُسْرٍ وَبُطْلَانِ

٥٨-الوُجد:الغنى والفرح، وَجْد:حزن، موجدة: غضب مصدر وجد-

٥٩-ذی خطر:ذی شرف وارتفاع القدر،خَطَر: إشراف على هلكة، ذي حرمة: مالا يحلّ انتهاكه، حرمان: منع وهو نقيض الرزق-

٦٠-بنهر: بحفر وإجراء، أنهُر: جمع نَهر، الصّعلوك : الفقير، انتهروا:زجروا واغضبوا ، الحُرّاث:جمع الحارث وهو الفلّاح، أنهار:جمع نهر، مُسلان: جمع مَسِيل-

٦١-مغرماً:غرامة، طُرُق:جمع طريق، جِمال:جمع جمل ، أفيال:جمع فيل ، ثيران:جمع ثور-

٦٢-الخصمَين:مثنىّ الخصم، سحتاً: رشوة-

٦٣-وهنوا: ضَعُفوا فی الأمرأ والعمل أوالبدن، لَهَوْا بها: أُولعوا بها، الملاهی: جمع المِلْهَی وهو آلة اللّهو والموسيقی، لِهيان: مصدر لَهَا-

٦٤-حِوَل الأديان: زوال الأديان و انتقالها، من حِوَل: جمع حيلة وهی حذق وقدرة التصرف وجودة النظر، حالت: تحولت، آلت: رجعت-

٦٥- كَمْ لَجَّ فِي الدِّيْنِ رُهْبَان فَبَكَّتَهُمْ — قَوْمٌ أَقَامُوا عَلَيْهِمْ كُلَّ بُرْهَانِ
٦٦- خَزَوْا وَأَخْزَاهُمُ الْحَيُّ الْحَيِيُّ وَمَا — مُعْتَادُ خِزْيٍ بِمُسْتَحْيٍ وَخَزْيَانِ
٦٧- لَمَّارَأَوْا زَورَهُمْ لَمْ يُجْدِهِمْ قَصَدُوا — بِالزُّوْرِ إِفْشَاءَ مَا هَمُّوا بِإِعْلَانِ
٦٨- دَعَوْا جِهَارًا إِلَى التَّثْلِيْثِ عَسْكَرَهُمْ — وَجُلُّ عَسْكَرِهِمْ عُبَّادُ أَوْثَانِ
٦٩- وَبَعْضُهُمْ مُسْلِمٌ مُسْتَسْلِمٌ فَعَدَا — هُمُ الْحَمِيَّةُ عَنْهُمْ أَيَّ عُدْوَانِ
٧٠- وَكَلَّفُوهُمْ بِأَكْلِ الشَّحْمِ مِنْ بَقَرٍ — وَمِنْ رَتُوْتٍ لِيَرْتَدَّا لَفَرِيْقَانِ
٧١- إِنَّ الْبُقَيْرَ لَمَعْبُوْدُ الْهَنَادِكِ وَالْـ — خِنْزِيْرَ رِجْسٌ لَدَى أَتْبَاعِ قُرْآنِ

٦٥- لَجَّ فيه: لازمه وأبى أن ينصرف عنه، رُهبان: جمع راهب، بكّتهم: غلبهم بالحجّة-

٦٦- حيٌّ: نقيض الميّت، الحَيِيُّ: ذو الحياء، معتاد: عادٍ، خزيان: مستحى ومحتشم صفة من خَزِى-

٦٧- زَوْر: كذب و باطل و شرك بالله، لم يُجدِ: لم يَنْفَعْ، بالزُّور: بالقوة-

٦٨- جهاراً: جهراً، التثليث: عند النصارى سرّ وجود ثلاثة اقانيم فى الذات الالهية، عُبّاد: جمع عابد، أوثان: جمع وثن وهو صنم-

٦٩- مستسلم: منقاد، عداهم عنهم: صرفهم عنهم-

٧٠- رتوت: جمع رَتّ وهو خنزير برّى، الفريقان: الهنادك و المسلمون-

٧١- البقير: تصغير البقر، الهنادك: جمع هند كيّ والكاف للتحقير، رجس: حرام، أتباع: جمع تبَع و هو تابع-

٧٢-وَإِذْ عَـدَا جَيْشُهُمْ عَنْ أَمْرِهِمْ وَعَدَوْا لَهُـمْ وَعَـادُوا تَـعَـدَّوْا أَيَّ عُـدْوَانِ

٧٣-فَـقَتَّـلُـوْا أُمَـرَاءَ الْـجَيْـشِ أَكْثَرَهُـمْ كَـقَـوْمَـسٍ وَكَبِـطْـرِيْقٍ وَتُـرْخَـانِ

٧٤-جَـالُوْا وَصَالُوْا وَغَالُوْا كُلَّ مَنْ وَجَدُوْا مِـنْـهُـمْ وَأَعْـدَوْا عَـلَى وُلْدٍ وَنِسْوَانِ

٧٥-وَأَتْـلَـفُـوْا كُلَّ مَالٍ مِنْ خَزَائِنِهِمْ وَأَحْـرَقُـوْا كُـلَّ إِيْـوَانٍ وَدِيْـوَانِ

٧٦-لَـمْ يَبْقَ فِيْ جُلِّ مُلْكِ الْهِنْدِ مِنْ حَكَمٍ يَقْضِيْ لِمَنْ ضِيْمَ أَوْ يَقْضِيْ عَلَى جَانِ

٧٧-وَطَـافَ فِيْ كُـلِّ قُطْرٍ مِنْهُ طَائِفَةٌ تَـعْـدُوْ لِـقَـطْـعِ طَـرِيْـقٍ أَوْ لِعُدْوَانِ

٧٨-وَثَـارَ قُطَّعٌ وَأَلْصَاصٌ بَغَوْا وَطَغَوْا يَسْـعَـوْنَ لِلنَّهْبِ أَوْتَخْرِيْبِ عُمْرَانِ

٧٢-عـداعـن أمـرهـم :جـاوز وتـرك، عـدوالهـم:أبـغـضـوهم عادوا:خاصموا وصاروالهم أعداء، تعدّوا:جاوزوا-

٧٣-أمـراء: جـمـع أمير، قَـومَـس:أميـر، بـطـريق:قائد من قواد الروم و حاذق بالحرب، تُرخان و تَرخان و طُرخان:رئيس (خراسانية)-

٧٤-جـالـوا: طـافـوا و فـرّوا ثم كرّوا، صالوا:هجموا، غالوا:قتلوا،أعدّوا على: ظلموا على، وُلد:جمع وَلَد، نسوان:جمع امرأة من غير لفظه-

٧٥-خـزائـن:جـمـع خِزانة، إيوان:قصر، ديوان:المكان الذى يُجتَمع فيه لفصل الدعاوى أوالنظر فى أمور الدولة-

٧٦-حَكَم:حاكِم، ضِيم :ظُلِم، جان:مُذْنِب-

٧٧-قُطر:اقليم و ناحية وجانب، تَعدُو عَدواً:تَثِبُ-

٧٨-قُـطـع:هـو (قُـطّـعٌ) جـمـع قـاطع الطريق أى اللصّ، ألصَاص: جمع لِصّ، للنهب:للأخذ، عُمران:بنيان-

٧٩-يَعْدُوْنَ يُعْدُوْنَ عَدْوىً يَعْتَدُوْنَ عَلَى	مَـالٍ وَعَـرَضٍ وَأَعْـرَاضٍ وَأَبْـدَان
٨٠-كَـمْ يُهْـلِكُوْنَ نُفُوْساً لِلنَّفِيْسِ وَكَمْ	يَسْتَـصْـوِبُـوْنَ لِتِبْـرٍ تَبْـرَ إِنْسَـان
٨١-ذَلَّ الْـعَـزِيْـزُ وَعَـزَّ الْـعَـزُّ وَافْتَقَرَالُ	غَـنِـيُّ وَابْتَـزَّ وَاعْتَـزَّ (الرَّدَى) الدَّانِيْ
٨٢-فَالْخُطُرُفِيْ خَطَرٍ وَالدُّوْنُ فِيْ بَطَرٍ	فَـالْـكُـلُّ فِـيْ شُغُلِ أَحْزَانٍ وَ إِحْزَان
٨٣-جَـلَّـتْ وَعَمَّتْ وَغَمَّتْ جُلَّنَا فِتَنٌ	بَـلْ كُـلَّـنَـا بَيْـنَ مَـفْتُـوْنٍ وَفَتَّـان
٨٤-قَـدْ صَـارَ عَـافِيَةُ الْآنَـامِ عَـافِيَةً	فَـكُـلُّهُـمْ فَـقَـدُوْهَـا كُـلَّ فُـقْـدَان
٨٥-لَمَّا (انتأى) كُلُّ جَيْشٍ مِنْ مُعَسْكَرِهِمْ	أَوَوْا إِلَـى خَـرِفٍ يُـدْعَـى بِسُـلْطَان

٧٩-يـعـدون ألـصـاص:يسرقون، يُعدون عدوىً: يُصيبون بفسادهم،يعتدون: جاوزون، عَرض: متاع ،أعراض: جمع عِرض وهو نفس، أبدان:جمع بدن-

٨٠-نفوس:جمع نَفس، للنفيس: للمال الكثير، يستصوِبون: يَرون صواباً، لِتِبر: لِذَهَب،تَبر: إهلاك-

٨١-عَـزَّ الـعَـزُّ : ضَـعُفَ الـقـوىّ، ابتـزَّ: غَـلَـبَ، اعتزَّ: غلب، الرَدَى:الـهلاك وفي الأصل (الرد الدانى) وهو خطأ، الداني: القريب-

٨٢-الـخُـطُـر:جـمـع الـخـطير وهو رفيع المقام و ذوقدر ، خَطَر: إشراف على هـلـكة ، بَطَر: كِبـر، أحزان:جمع حزن، إحزان:مصدر أَحزَنَ وهو استغناء بعد فقر-

٨٣-جُـلَّـنـا:أكثرنـا، فتن:جمع فتنة، مَفتون: مصدر فَتَنَ بمعنى فتنة، فتّان: كثير الفتن و شيطان-

٨٤-عـافية:الأول مـصدر عَافَى بمعنى دفع العلة والبلاء والسوء والثاني مؤنث عافٍ وهو فاعل عفا عفاءً أي امّحى و درس-

٨٥-انتـأى: فـي الأصل(انتيء)معناه ابتعد، خرف:من فسد عقلُه من الكبر وهو الامبراطور المغولي الأخير بهادرشاه ظفر في الهند-

٨٦-أَشَلُّ سَمّى شُجاعاً نَفسَهُ صَلَفاً فِحلٌ وَفَحلٌ جَبانٌ جُبنَ خِصيَان

٨٧-حَلُّوا بِدِهلِي وَخَصُّوا أَمرَإِمرَتِهِم بِـدَاهِـلٍ ذَاهِـلٍ تَيهَـانَ وَلْهَـان

٨٨-هِـمٌّ دَعَـانِى لِهَـمٍّ بِـالمُهِمِّ فَلَم يَعْمَـلْ بِـرَائِى وَلَـمْ يَنفَعهُ إِزكَانِى

٨٩-كَـانَـتْ عَشِيـرَتُـهُ تَهوَى مُعَاشَرَةً مَعَ الْعِـدَى فَـلَهُـم كَانَتْ بِإِذْعَان

٩٠-وَكَـانَ عَـامِـلُـهُ مِـن قَبلُ بَايَعَهُم دِيـنًـا بِـدِيـنٍ وَإِيـمَـانـاً بِـإِيمَان

٩١-رَأَى النَّصارَى إِذامَا عَاهَدُوا غَدَرُوا وَأَغـدَرُوا الإِلَّ إِلَّاحِيـنَ رَهبَـان

٩٢-يَـمِـيـنُ كُلُّ كَفُورٍ فِي الْيَمِينِ وَلَا يَهُـمُّ عَـوْضُ بِبِـرٍّ أَوْبِـكُـفْـرَان

٨٦-أشلّ:من يبست يده، صلفاً:مصدر صَلف أى تمدّح بما ليس فيه أو عنده وادّعى فوق ذلك اعجاباً وتكبُراً، فِحل:وهو شيخ يبس جلدُه على عظمه وأسَنّ جدّاً، فَحل: الذكر القوىّ من الحيوان ، جَبان:ضد شجاع ، جبن: مصدر جبن، خِصيَان:جمع خصِىّ-

٨٧-إمرة :إمارة، داهل : متحيّر وهو مقلوب (ذَالِه)، ذاهل:من غاب عن رشده تيهان : متحيّر، ولَهان:متحيّر أومن كاديذهب عقله بشدّة الحزن-

٨٨-هِـمّ: شيخ فـان، دعـانى:أى دعا الملك شاعرنا العلامة فضل الحق الخير آبـادى، لِهَـمّ:لـمـاهـمّ بـه الـملك فى نفسه، المهمّ: أمر شديد منزع ، إزكانى، إفهـامى و إعلامى وهو مصدر أزْكَنَ الأمرأى ظنّ فيه ظناً فأصاب أوفكان عنده بمنزلة اليقين-

٨٩-تهوى:تحبّ، العِدَى: الأعداء، إذعان: إنقاد، عشيرته: ملكة وأمراء وغيرهم-

٩٠-عامله : أى طبيبه و و زيره أحسن الله خان-

٩١-غدروا: نقضو العهد، أغدروا:أبقوا، الإلّ: العهد، رهبان : خوف-

٩٢-كـفـور: كـافر، يمين ميناً: يكذب، اليمين:القسم والحلف ، يهمّ به:يريده ويقصده ويحبّه، عوض: أبداً ظرف لاستغراق المستقبل، ببرّ:بصدق، بكفران: بكفارة مصدر كفر-

٩٣-لٰكِنَّهُ اغْتَرَّ إِذْأَعْمَى بَصِيرَتَهُ　أَصَمُّ أَعْوَرُمِنْ صَمٍّ وَعُمْيَانِ

٩٤-كِلَاهُمَا جَدَّ فِيْ كَسْرِ الْجُيُوْشِ وَفِي التَّـ　تَاوُنِ ابْتَدَعَا أَفْنَانَ إِفْتَانِ

٩٥-تَنَاوَلَا كُلَّ مَاجَاءَ الْجُيُوْشُ بِهٖ　كَدِرْهَمٍ وَكَدِيْنَارٍ وَعِقْيَانِ

٩٦-كَمْ عُدَّةٍ وَحِرَابٍ لِلْعِدَى أُخِذَتْ　مِنْهُمْ فَبِيْعَتْ بِأَيْدِيْهِمْ بِأَثْمَانِ

٩٧-فَغَلَّهَا كُلُّ ذِىْ غِلٍّ وَأَغْلَبُهُمْ　فِى الْخَوْنِ ذَانِ الْأَبَلَّانِ الْأَضَلَّانِ

٩٨-أَلْخَوْنُ ذَانٌ كَثِيْرٌ مَنْ يُقَارِفُهُ　وَذَانِ أَسْبَقُهُمْ فِىْ ذٰلِكَ الذَّانِ

٩٩-وَقَدْ ثَوَى مِنْ بُغَاةِ الْجَيْشِ طَائِفَةٌ　مَعَ الْبَغَايَا بِقَصْرٍ أَوْبِدُكَّانِ

٩٣-اغترّ: خُدِعَ ، بصيرته: عقله و فطنته، أصمّ: من ذهب سمعه ، أعور: من ذهب حسُّ إحدى عينيه لعله رجب على أحد من كبار الجواسيس ، صَمٌّ: مصدر ، عميان: مصدر عمى-

٩٤-التتاون: هو إيتان الصيدَ تارةً عن يمينه وأخرى عن يساره احتيالاً و خديعةً، أفنان: جمع فنّ، إفتان: مصدر أفتنه أى أوقعه فى الفتنة-

٩٥-عقيان: ذهب خالص-

٩٦-عُدةٌ: استعداد من مال و سلاح، حِراب: جمع حربَة وهى آلة للحرب دون الرمح ، العدى: الأعداء ، أثمان: جمع ثمن-

٩٧-غلّها : خانها، ذى غلّ: ذى حقدو غشٍّ، خون: خيانة مصدر خان، ذان : اسم اشارة للمثنىّ، الأبلّان: مثنىّ الأبلّ وهو الشديد اللوم والفاجر الأضلّان: مثنى الأضلّ-

٩٨-ذانٌ: عيب ، يقارفه: يقاربه ، ذانِ: اسم إشارة للمثنى، الذّانِ : العيب-

٩٩-ثوى: أقَامَ، بغاة: جمع باغٍ وهو خارج على القانون، البغايا : جمع البغىّ وهى المرأة الزانية الفاجرة-

١٠٠-صَارَ البغايا بَغَايَا الْجَيْشِ حِيْنَ بغَوا   وَيْلِي بُغَاةٌ لِسُخطِ اللّٰهِ بُغْيَان

١٠١-عَادُوا يُعَادُوْنَ مَا قَدْعُوِّدُوا وَنَسُوا   قَوَاعِدَ الْحَرْبِ عَمْدًا كُلَّ نِسْيَان

١٠٢-وَبَعْضُهُمْ أَشِرٌ لِلْمَالِ مُدَّخِرٌ   مُتَّاقِلٌ مُثْقَلٌ مِنْ ثِقْلِ هِمْيَان

١٠٣-وَبَعْضُهُمْ مُسْتَفِيْقٌ لَا يَقُوْمُ مِنَ الْ   مِهَادِ وَيْلَاهُ مِنْ رَفْهَانَ كَسْلَان

١٠٤-وَالْبَعْضُ غَرْثَانُ خَمْصُ الْبَطْنِ أَقْعَدَهُ   عَنِ النُّهُوضِ إِلَى حَرْبٍ وَمَيْدَان

١٠٥-كَمْ تَائِهٍ لَمْ يَطِقْ حَمْلَ السِّلَاحِ وَكَمْ   مِنْ تَائِهٍ أَنِفٍ مِنْ حَمْلِ سُلْحَان

١٠٦-عَاجَ النَّصَارَى تِجَاهَ الْمِصْرِفِيْ جَبَلٍ   فَحَصَّنُوْهُ بِأَبْرَاجٍ وَحِيطَان

١٠٠-البغايا: جمع البَغِيّ، بغايا الجيش: طلائع تكون قبل ورود الجيش مفردها بَغِيَّة، بغوا: خرجوا على القانون، بُغَاة: جمع باغٍ، بُغيان: جمع باغٍ-

١٠١-عادوا: رجعوا، يعادون ما: يأتونه مرّةً بعد أخرى، عُوّدوا: صاروا مُعْتادين-

١٠٢-أشِرٌ: بَطِرٌ وَمَرِحٌ، مُتَاقِلٌ: ثقيل و متباطِئ، هميان: كِيس تُجعَل فيه النفقة ويُشَدُّ على الوسط-

١٠٣-مستفيق: من أفاق من نومه أو مرضه أو غفلته، رَفْهَان: مَن لان عيشه وطاب-

١٠٤-غرثان: جوعان، خمص البطن: ضُمُور البطن وفراغته، النهوض: القيام مصدر نهض-

١٠٥-تائه: الأول متحير وضالّ والثانى متكبّرٌ، أنفٌ: كَارِهٌ، سُلحان: سِلاح-

١٠٦-عاج إلى: مَالَ وعَطَفَ، تجاه: تلقاء، أبراج: جمع برج، حيطان: جمع حائط-

١٠٧-وَإِذبَنَوا قَلعَةً فِي رَأْسِهِ قَلَعُوا	مَاحَولَهُ مِنْ عِمَارَاتٍ وَحِيرَان
١٠٨-غَشّى السّوَادَ سَوَادٌ مِنْ عِدَى كُفُرٍ	سُودِ الْكُبُودِ وَزُرْقِ الطَّرْفِ بِيضَان
١٠٩-ضَمّ النَّصَارَى لِتَكْثِيرِ السَّوَادِ إِلَى الْ	بِيضَانِ مِنْ سُودِ زِطٍّ جَمْعَ حُمْرَان
١١٠-وَثُلَّةٌ مِنْ رَعَاعٍ مُسْلِمِينَ قِدَارُ	تَدَوْا وَعَادُوا كِفَاراً بَعْدَ إِيمَان
١١١-وَمِنْ أَرَاذِلَ دُوْنٍ سِفْلَةٍ هَمَجٍ	وَمِنْ أَحَابِيشَ سُودَانٍ كَحُبْشَان
١١٢-فَمَرَّنُوهُمْ عَلَى مَشْقٍ بِأَسْلِحَةٍ	مِنْ بُنْدُقٍ وَمَجَانِيقَ وَمُرَّان
١١٣-وَأَلَّفُوا جُلَّ أَهْلِ الْمِصْرِ فَائْتَلَفَ الْ	أُلُوفُ مِنْهُمْ فَصَارُوا شَرَّ خُصْمَان

١٠٧-قلعة : حصن،قلعوه: انتزعوه من مكانه، عمارات: جمع عمارة، حِيْران: جمع حائر وهو بستان ومجتمع الماء-

١٠٨-غشّىّ:غطىّ، السواد: هو جماعة النخل والشجر والبنات، سوادٌ: سوادِ العسكر ما يشتمل عليه من الضارب والآ لات والأدوات، عدى:أعداء أي النصارى، كُفُر:جمع كُفُور وهو كافر، سودُ الكبود: أعداء وسود جمع أسود وكبود جمع كبد، زرق الطرف: أعداء شديدالعداوة، بيضان: جمع أبيض-

١٠٩-السواد: هو سواد العسكر ، سود: جمع أسود، حُمران: جمع أحمر-

١١٠-ثُلّة: جماعة الناس، رعاع: سفلة الناس، كِفار: جمع كافر-

١١١-أراذل: جمع أرذل اسم تفضيل ، سِفلَة: من الناس سقاطهم وغوغاؤهم هَمَج:رَعَاع من الناس الحَمقى، أحابيش:جمع الأحبُوش وهو جماعة من الناس ليسوا من قبيلة واحدة، حبشان: جمع حبشيّ، سُودان: جمع أسود-

١١٢-مرّنوهم على:درّبوهم،أسلحة: جمع سِلَاح، مَنجانيق:جمع مَنْجَنِيْق وهو آلة حربية كانو يرمون بها الحجارة ،مُرّان :الرماح اللدنة فى صلابة-

١١٣-ألّفوا: جمعوا ، أتلَفَ:اجتمَعَ، الألوف:جمع الألف وهو عدد، خُصمَان: جمع خصيم-

۱۱٤ –مَانُوا وَمَانُوا وَمَنُّوهُم مُنىً وَقِنىً	وَبَعْدُ ذَاقُوا الْمَنَا خَنْقِيَّ بِأَرْسَانِ
۱۱٥ –فَأَوْقَدُوا نَارَ حَرْبٍ أَشْهُراً وَرَمَوا	أَعْدَاءَهُم مِنْ مَجَانِيْقَ بِشُهْبَانِ
۱۱٦ –شَادَ الْجُيُوشُ بُرُوجَ السُّورِ فَالْتَحَمَتْ	فَلَا حِمٌّ بَيْنَ أَبْطَالٍ وَأَقْرَانِ
۱۱۷ –وَجَاءَ دِهْلِيَ غُزَاةٌ مُخْلِصُونَ غَزَوَا	رَجَاءَ فَضْلٍ مِنَ الْمَوْلَى وَرِضْوَانِ
۱۱۸ –وَلَا طَعَامٌ لَهُمْ غَيْرَ الْحُبُوْبِ وَلَا	لِبْسٌ لَهُمْ غَيْرَ أَطْمَارٍ وَخُلْقَانِ
۱۱۹ –سُلْحَانُهُمْ أَقْوَسٌ أَوْأَسْيَفٌ صَدِئَتْ	لِطُوْلِ مَا الْزِمَتْ بُطْنَانَ أَجْفَانِ
۱۲۰ –لٰكِنَّهُمْ نَجَدُوْهُمْ نَجْدَةً رَمَسَتْ	مِنْ حِزْبِهِمْ كُلَّ جَبَّانٍ بِجَبَّانِ

۱۱٤ –مانوا ميناً: كذبوا، مانوا مماناةً: طاولوا وماطلوا، منّوهم: أضعفوهم وأعيوهم، مُنىً: جمع مُنيَة وهي ما يتمنّىٰ، قِنىً: جمع قِنية وهي ما اكتسب، المَنَا والمَنَى: الموت ، أرسان : جمع رَسن وهو حبل–

۱۱٥ –أشهراً: جمع شهر، شهبان: جمع شهاب وهو شعلة ساطعة من النار–

۱۱٦ –شاد البناءَ: رفعه وطَلَاه بالشيد أي الجصّ ونحوه، السُّور: حائط يطوف بالمدينة ، بروج: جمع برج، مَلَاحِم: جمع ملحمة وهي موقعة عظيمة القتل في الحرب، أبطال: جمع بطل وهو شجاع، أقران: جمع قِرن وهو نظيرك في الشجاعة وغيره–

۱۱۷ –غزاة :جمع غازٍ–

۱۱۸ –الحبوب: جمع الحَبّ، لِبْس: لِباس ، أطمار: جمع طِمْر وهو ثوبٌ بالٍ، خلقان: جمع خَلَق وهو بالٍ–

۱۱۹ –سُلحان: سِلَاح، أقوس: منحنى الظهر، أسيف: جمع سيف، بطنان: جمع بَطن، أجفان: جمع جفن وهو غمدالسيف–

۱۲۰ –نجدوهم: غلبوهم، نجدةً: شجاعة، رَمَست: دَفَنَت، حزبهم: سِلاحهم، جَبّان: الأول ضعيف القلب و الثاني الصحراء والمقبرة–

۱۲۱ -كَمْ مَرَّةً حَمَلُوا فِيهِم كَأَنْ حَمَلَتْ   أُسْدٌ جِيَاعٌ عَلَى أُجُدٍ وَحُمْلَانِ

۱۲۲ -إِنْحَازَ جُنْدُ النَّصَارَى كُلَّمَا حَمَلُوا   وَلَمْ يَكُنْ لِلنَّصَارَى طَوْقُ حُمْلَانِ

۱۲۳ -قَدْ جَاهَدُوا فِي سَبِيْلِ الْحَقِّ وَاتَّبَعُوا   رِضْوَانَهُ وَاسْتَحَقُّوا رَوْضَ رِضْوَانِ

۱۲٤ -فَكَفَّرَ الْبَعْضُ بِالْأَجْرَاحِ مَا اجْتَرَحُوا   وَرَاحَ بَعْضٌ إِلَى رَوْحٍ وَرَيْحَانِ

۱۲٥ -أَمَّا الْجُيُوشُ فَجَاشَت أَوَّلًا وَحَذَتْ   رَمْيًا بِرَمْيٍ وَطُغْيَانًا بِطُغْيَانِ

۱۲٦ -قَدْ أَقْدَمُوا قَبْلُ فِي الْهَيْجَا وَهُمْ قَدَمٌ   ثُمَّ انْثَنَى كُلُّ جِيلٍ بَعْدَ جِيلَانِ

۱۲۷ -قَدْ كَانَ كُلٌّ قَدِيمًا أَحْمَسًا قَدَمًا   وَصَارَ الْآنَ كُلٌّ كُلَّ جَبَّانِ

۱۲۱ -أُسْد: جمع أَسَد، جِيَاع: جمع جَوْعان، أُجُد: هو نَاقَةٌ أُجُدٌ أی موثقة الخلق، حُمْلان: جمع حَمَل وهو خروف أو دواب-

۱۲۲ -إنحاز: انهزم ، طَوق: قدرة، حُمْلان: حملة وهجوم مصدر حمل-

۱۲۳ -رِضوان: مصدر رضی، رَوض: جمع رَوضَة وهی أرضٌ مخضّرة بأنواع النبات-

۱۲٤ -فكفَّرَ: فستَرَ، الأجراح: جمع الجُرْح، اجترحوا: ارتكبوا، رَاحَ: ذهب، رَوح: فرح وراحة ورحمة ، ريحان: كل نبات طيّب الرائحة-

۱۲٥ -جيوش: جمع جيش ، جاشت: غَلَت، طغيان: مصدر طَغَى-

۱۲٦ -الهيجا: الحرب، قدمٌ: شُجْعَان للمفرد والجمع ،انثنى: انعطف وارتدّ، جيلان : جمع جِيل وهو جماعة من الناس-

۱۲۷ -قديماً: خلاف حديثاً، أحمساً: شجاعاً، قَدَماً: شجاعاً، كُلّ: الأول اسم صار والثانی خبره مفيدللكمال-

١٢٨-وَذَاكَ شَامَةُ ظُلْمٍ قَارَفُوهُ مِنَ النْ	نُهْبَى وَتَقْتِيلِ نِسْوَانٍ وَوِلْدَانِ
١٢٩-صَارَ الرِّجَالُ كَنِسْوَانٍ وَأَجْبَنُهُمْ	مَنْ كَانَ فِي الْجَيْشِ مِنْ خَيْلٍ وَفُرْسَانِ
١٣٠-فَيَبْطُنُونَ إِذَا نُودُوا الْمَعْرَكَةِ	يُسَارِعُونَ إِلَى نَهْبٍ وَغُنْمَانِ
١٣١-حَرْبَى إِذَا حُرِبُوا حَرْبَى إِذَا احْتَرَبُوا	فَأَمْعَنُوا فِي فِرَارٍ أَيَّ إِمْعَانِ
١٣٢-كَمْ نَامَ مَنْ بَاتَ بِالْمِرْصَادِ فِي سِنَةٍ	عَنْ كَيْدِ خَصْمٍ شَدِيدِ الْأَيْدِ يَقْظَانِ
١٣٣-نَامُوا فَخَصْمُهُمُ الْيَقْظَانُ بَيَّتَهُمْ	بِجُنْدِهِ فَأَنَامُوا كُلَّ وَسْنَانِ
١٣٤-وَالْخَصْمُ إِذْ أَخَذُوا مِرْصَادَهُمْ نَصَبُوا	مَجَانِقاً دُونَ ذَاكَ الْمَرْصَدِ الدَّانِي

١٢٨-شَأمة: ضد يمْنَة، قارفوه: دنوه، النُّهْبى: اسم من النَهْب أى أخذ الغنيمة، نسوان: جمع امرأة، وِلدان: جمع وَلِيد وهو صَبِيّ-

١٢٩-الرجال: جمع الرَجل، أجبن: اسم تفضيل من جبن، خَيل: جماعة الأفراس وتُستعمل على المجاز للفرسان ورُكّاب الخيل كما فى هذا البيت، فرسان: جمع فارس-

١٣٠-فيبطنون: فيخفون، معركة: قتال، نهب: أخذ الغنيمة، غنمان: إصابة الغنيمة مصدر غنم-

١٣١-حَرْبى: جمع حَرِب وهو شديد الغيظ، حُرِبوا: سُلِبُوا مَالَهم، حَرْبى: جمع حريب وهو من يَسلب مالَ الرجل، احتربوا: أوقدوا نارالحرب، فأمعنوا: فجدّوا وأبعدوا-

١٣٢-نام عن: غَفلَ، المرصاد: المكان يُرصَد فيه، سِنَة: نَعس وفتور وغفلة، الأيد: القوّة، يقظان: متنبّه ويَقِظٌ ضد نائم-

١٣٣-بيّتهم: هجم عليهم ليلاً، فأناموا: فأوقدوا أى قتلوا، وسنان: وَسِنٌ وناعِسٌ-

١٣٤-مجانقاً: جمع منجنيق وهو آلة حربية، المَرْصد: المكان يُرصَد فيه-

١٣٥-فَضُعْضِعَ السُّورُ مِنْ أَوْبِ مَجَانِقِهِمْ وَأُوْهِنَتْ أُسُّ أَبْرَاجٍ وَأَرْكَانِ
١٣٦-وَأَمْطَرُوا مَطَراً مِنْ بُنْدُقٍ قَذَفُوا فَفَرَّ حُرَّاسُ أَبْرَاجٍ وَسِيرَانِ
١٣٧-لَمْ يَبْقَ فِي السُّورِ مِنْ حُرَّاسِهِ أَحَدٌ وَلَا لَدَى الْبَابِ مِنْ حَامٍ وَدَرْبَانِ
١٣٨-فِرَارُ فَسْلٍ وَفَشْلٍ حِينَ صَوْلِ عِدَى أَزَلُّ إِقْدَامِ أَقْدَامٍ وَشُجْعَانِ
١٣٩-صَالَ النَّصَارَى فَغَالُوا كُلَّ مَنْ وَجَدُوا مِنْ عَيْنِ دِهْلِيٍ وَسُفَّارٍ وَقُطَّانِ
١٤٠-قَدْ كَانَ أَكْثَرُ أَهْلِي الْمِصْرِ قَدْ خَرَجُوا مِنْ دُورِهِمْ لِاتِّقَاءٍ أَوْ لِخَشْيَانِ
١٤١-وَالْبَعْضُ لَمْ يَبْرَحُوا لِلْإِتِّكَاءِ عَلَى وَعْدِ النَّصَارَى بِإِرْفَاهٍ وَإِيمَانِ

١٣٥-ضعضع: سقط وانهدم، أوب: قصدٌ واستقامة والإتيان ليلاً مصدر آب، أوهنت: أضعفت ، الأسّ: الأساس، أبراج: جمع برج، أركان: جمع ركن-

١٣٦-بندق: كرة يُرمَى بها في القتال والصيد، قذفوا: رَمَوا، حُرّاس: جمع حارس، سِيران: جمع سُور-

١٣٧-دَرْبان: بوّاب (فارسية)-

١٣٨-فسل: ضعيف الذي لامروءة له ولا جَلَد، فشل: من ضعف وتراخي وجبن عند حرب أوشدّة، صول: هجوم وحملة في الحرب، عِدَى: أعداء، إقدام: مصدر أقدم معناه اجترأ وشجع، أقدام: جمع قَدَم وهو شجاع، شجعان: جمع شجاع-

١٣٩-صَالَ: هجم، غالوا: قتلوا وأهلكوا، عين دهلي: أهلها، سُفّار: جمع سافر وهومسافر، قُطّان: جمع قاطن وهو مقيم بالمكان-

١٤٠-أهلي: مجرور من (أهلون) حذفت النون بسبب الإضافة، دُور: جمع دار، اتقاء: تجنّب، خَشيان: خوف هو (خَشَيَان) مصدر خشي-

١٤١-للاتّكاء: للاعتماد، إرفاه: جعله في رَفَاهة، إيمان: جعله في أمن-

١٤٢-وَكَانَ ذَاالْوَعْدُإِيعَادًا فَقَدْ خُنِقُوْا   وَلَمْ يُوَارُوْابِأَرْمَاسٍ وَأَكْفَان

١٤٣-وَحِيْنَ جَاسُوْاخِلَالَ الدُّوْرِ أَطْعَمَهُمْ   مِنْ خُوْنِهِ كُلُّ مُرْتَدٍّ وَخَوَّان

١٤٤-كَمْ تَاجِرٍ فَاجِرٍ آوَىٰ حِمَاهُ مِنَ الْ   بِيْضَانِ كُلُّ ظَلُوْمٍ فَاجِرٍ(زَانٍ)

١٤٥-فَلَمْ يَذَرْضَيْفُهُ عِرْضاً وَلَا عَرَضاً   وَلَا مَتَاعاً لَهُ فِي الْبَيْتِ وَ(الْحَانِي)

١٤٦-وَعِنْدَ مَا وَلَجُوْافِي الدُّوْرِ لَمْ يَذَرُوْا   مَاكَانَ فِي الدُّوْرِ مِنْ سُقُفٍ وَجُدْرَان

١٤٧-لِلْأَسِّ أَوْلِدَفِيْنٍ فِي الثَّرَىٰ قَلَعُوْا   أُسَّ الْبُيُوْتِ وَهَدُّوْا كُلَّ بُنْيَان

١٤٨-هَدُّو الْمَغَانِيَ وَاعْتَامُوْانَفَائِسَهَا   فَلَيْسَ فِيْ أَهْلِهَاغَانٍ وَلَا غَان

١٤٢-إيعاداً: تهدُّداً، خنقوا: شدّواعلى حلوقهم حتىّ ماتوا، لم يُواروا مُواراةً: ماأخفوا ، أرماس: جمع رَمس وهو قبر، أكفان: جمع كَفَن-

١٤٣-جاسُوا خلال الدور: داروافيها بالعيث والفساد وطلبوا ما فيها، الدور: جمع دار ، خُون: جمع خُوَان أى ما يُوضَع عليه الطعام ليُؤكل(فارسية)، خوّان: كثيرالخيانة-

١٤٤-فاجر:زان ، آوى: أسكن ، حِمَى: مَلجأ، ظلُوم : كثيرالظلم ، زانٍ: في الأصل(زانى)خطأ-

١٤٥-عِرضاً: نفساً، عَرَضاً: مَتاعاً، الهانى: الدكان فى الأصل (الحان)خطأ-

١٤٦-ولجوا : دخلوا ، الدور: جمع دار، سُقُف: جمع سَقِيف وهو سَقْف، جُدران:جمع جِدار-

١٤٧-أسّ: الأول إفساد والثانى أَسَاس، بنيان: مابُنِيَ-

١٤٨-المغانى: جمع المَغنى وهو منزل ، اعتاموا: قصدوا، نفائس: جمع نفيسة ضد خسيسة، غانٍ:الأول مقيم بالمكان والثانى غنيّ-

١٤٩-سُكَّانُهَا ذَهَبُوا أَيْدِیْ سَبَاوَسَبَی الْ عُدُوُّ مَنْ شَذَّ مِنْ رَكْبٍ وَرُجْلَانِ

١٥٠-لَمْ يَنْجُ مِنْهُمْ سِوَى مَنْ فَرَّمُخْتَفِياً كَبَعْضِ وُلْدٍ وَنِسْوَانٍ وَذُكْرَانِ

١٥١-لَهْفِیْ عَلَى بَلَدٍ قُطَّانُهَا ذَهَبُوا أَيْدِیْ سَبَافَاقِدِیْ أَهْلٍ وَقُطَّانِ

١٥٢-لَهْفِیْ عَلَى بَلَدٍ وَحْشٍ تَوَحَّشَ مَا فِيمَنْ ثَوَاهُ سِوَى وَحْشٍ وَوَحْشَانِ

١٥٣-يَتِيهُ أَهْلُوهُ أَوْحَاشاً بِمَتِيهَةٍ مُسْتَأْنِساً كُلُّ وَحْشَانٍ بِوُحْشَانِ

١٥٤-كَانُوا يَتِيهُونَ مُخْتَالِينَ فِیْ مَرَحٍ صَارُوا يَتِيهُونَ فِیْ تِيهٍ وَقِيعَانِ

١٥٥-كَمْ مَنْ نَأَى مِنْ إِنَاثٍ أَوْأَبٍ وَأَخٍ عَنْ أَوْلِيَاءٍ وَأَبْنَاءٍ وَإِخْوَانِ

١٤٩-سكّان: جمع ساكن. ذهبوا أيدى سبا: اى تفرقوا تفرّقاً لا اجتماع بعده، سبى: أسر. رَكب: جمع راكب خلاف ماشٍ، رُجلان: جمع راجل خلاف راكب

١٥٠-وُلد: جمع وَلَد، نسوان: جمع امرأة، ذُكران: جمع ذَكَر-

١٥١-قطّانها: جمع قاطن وهو مقيم بالمكان، فاقِدِى: حال منصوب حذفت النون بسبب الإضافة-

١٥٢-بلد وَحش: قفر، توَحّش: صارقفراً وخلامن الناس، وَحش: حيوان البرّ، وَحشان: مغتمٌّ-

١٥٣-يَتيه: يذهب متحيّراً ويضلّ، أوحاشاً: حال جمع وَحش وهو جائع أو وحده، مَتيَهَة: أرض متيهة التى تُضِلّ الناسَ كثيراً، وَحشان: مغتمّ و حزين، وُحشان: جمع وَحش وهو حيوان البرّ-

١٥٤-يتيهون: الأول يتكبرّون والثانى يذهبون متحيرين ويضلّون، مختَالين: حال منصوب بمعنى متكبرين ومتبخترين، مَرَح: مصدر بمعنى فرح وتبختُر، تِيه: ضلال وقفر، قِيعَان: جمع قاع وهو أرض سهلة مطمئنّة قدانفرجت عنها الجبال والآكام-

١٥٥-إناث: جمع أنثى، أولياء: جمع وَلى، أبناء: جمع ابن، إخوان: جمع أخ-

١٥٦ -لَمْ يَدْرِ بَعْلٌ وَلَا ابْنٌ أَيْنَ بَعْلَتُهُ ... وَوَالِدَاهُ وَجَارٌ حَالَ جِيرَانِ

١٥٧ -كَمْ بَادَ فِي الْبِيدِ وِلْدَانٌ وَمَنْ وَلَدُوا ... فَمِنْ يَتِيمٍ وَمِنْ ثَكْلَى وَثُكْلَانِ

١٥٨ -وَفِي حُجُورِ نِسَاءٍ إِلْدَةٌ حُرِمُوا ... لِبَكْأَ أُمَّاتِهِمْ أَفْوَاقَ أَلْبَانِ

١٥٩ -بُكَاؤُهُمْ لِبَكَاءِ الْأُمَّهَاتِ كَمَا ... بُكَاؤُهُنَّ لِجُوعٍ أَوْ لِأَحْزَانِ

١٦٠ -كَمْ فَائِقٍ كَانَ يُعْطِي الْفَاقَ كُلَّ طَوٍ ... فَافْتَاقَ حَتَّى تَمَنَّى أَكْلَ أَسْغَانِ

١٦١ -طَعَامُهُمْ كُلُّهُ زِنٌّ إِذَا رُزِقُوا ... وَالشُّرْبُ مِلْحٌ أُجَاجٌ آسِنٌ آنِ

١٦٢ -قَدْ زُنِّنُوا بَعْدَ مَا كَانَتْ مَآكِلُهُمْ ... أَشْهَى الْمَطَاعِمِ مِنْ دَرٍّ وَلِحْمَانِ

---

١٥٦ -بعلٌ:زوج، بَعْلَتُه: امرأته، جيران: جمع جار-

١٥٧ -باد:هَلَكَ ، البيد:جمع البَيْداء وهى الفَلَاة، وِلدان:جمع وليد، ثكلى: مؤنث ثُكْلَان وهو من فقدابنه-

١٥٨ -حجور: جمع حِجْر،إلدة: جمع وَلَد ، لِبَكْأَ:لقلّة اللبن(مصدر)، أمّات: جمع أمٍّ، أفواق:جمع فِيقَة وهى اسم اللبن الذى يجتمع فى الضرع بين الحلبتين ، ألبان:جمع لبن-

١٥٩ -بُكاءٌ: مصدر بكى يبكى، بَكَاءٌ:مصدر بَكَأَ ، الأمّهات: جمع الأمّ، أحزان: جمع حزن-

١٦٠ -فائق: ممتاز ، الفاق:الجفنة المملوءة طعاماً، طوٍ:جائع، فافتاق: فافتقر، أسْغَان:جمع سَغَن وهو الغذاء الردىء-

١٦١ -زِنٌّ: مَاش، أجاج: ملحٌ مُرٌّ، آسِنٌ:ماءٌ متغيّرٌ، آنٍ: حارّ-

١٦٢ -زُنِّنوا: لُوزِموا أكلَ الزِنّ، مآكِل:جمع مَأْكَل وهو مايُؤكَل، المطاعِم: جمع المَطْعَم وهو ما يُؤكَل، دَرّ: لبن ، لِحْمان: جمع لَحم-

١٦٣-بَاتُوا نِيَامـاً عَلَى اسْتَبْرَقٍ زَمَنَاً وَالآنَ بَاتُوا عَلَى شَوكٍ وَصَفْوَانٍ

١٦٤-جُلُّ الرِّجَالِ رِجَالٌ يَشْتَكُونَ حَفاً وَقَلَّ مَنْ هُوَ مِنْ خَيْلٍ وَرُكْبَانٍ

١٦٥-قَاسُوا عِقَاباً بِرَقْيٍ فِي عِقَابِ ذُرىً فَوَاسِياً مَا بِهَا مَرْقَى لِعِقْبَانٍ

١٦٦-قَدْ يَسَّرَ الْهَوْلُ لِلزَّمْنَى التَّسَرُّعَ وَالْ عُرُوجَ فِي مُرْتَقَى صَعْبٌ لِعُرْجَانٍ

١٦٧-يَعْلُو شَوَامِخَ طَلَّاعاً تَوٍ زَمِنٌ يَطْوِي فَرَاسِخَ فِي آنٍ طَوٍ آنٍ

١٦٨-سَارُوا حُفَاةً تَشُوكُ الشَّوْكُ أَرْجُلَهُمْ وَقَدْ تَسَوَّخُ فِي وَحْلٍ وَإِسْهَانٍ

١٦٩-مَنْ كَانَ ذَا حَفَّةٍ قَدْ صَارَ ذَا حَفَفٍ وَسَارَ تَارِكَ حَفَّانٍ وَحَفَّانٍ

١٦٣-نيام :جمع نائم ، استبرق: ديباج غليظ أوثياب من حريرو ذهب، صفوان :حَجَر صلد ضخم-

١٦٤-الرِجال : جمع الرَجُل، رِجالٌ:جمع راجِل ضد راكب، حفاً:مصدر بمعنى المشى بلا خفّ، خيل : هو جماعة الأفراس تستعمل على المجاز للفرسان ورُكّاب الخيل، رُكبان: جمع راكب-

١٦٥-عِقاباً:عُقوبةً، رقى:صعد ، عِقاب: جمع عَقَبة وهى مرقى صعب من الجبال، ذُرىً: جمع ذِروة أى مكان مرتفع، قواسيا: جمع قاسية، عقبان: جمع عُقاب وهو طائر من الجوارح-

١٦٦-الزمنى:جمع الزمين وهوالمُصَاب بالزمانة والعاهة ، مرتقى: موضع الارتقاء، العروج: الارتقاء، عُرجان: جمع أعْرَج-

١٦٧-شوامخ: جمع شامخة بمعني جبال مرتفعة، طَلّاعاً: مبالغة طالع وهو من يعلو الجبل، توٍ: هالك، زمِن: مصابٌ بالزَمَانة، يطوى: يقطع ، فراسِخ: جمع فرسخ وهو ثلاثة أميال أوثمانية كيلو ميترات، آن: الأول ظرف بمعنى حين والثانى متمهّلٌ ومبطِيءٌ وهو فاعل أنَى يأنِيْ-

١٦٨-حُفَاة: جمع حافٍ وهو من مشى عارى القدمين، تَسوَّخُ: تغوص فى الطين وتغيب ، وحل: طين رقيق -

١٦٩-حَفّة :كرامة تامة ، حفف:قلّة المال وضيق فى العيش، حفّان: خدمٌ و من الآنية ملآن-

١٧٠ -كَمْ تَيِّهَانٍ غَدَاتَيِّهَانَ مُضْطَرِباً   كَمَا غَدَاهَيَّانَا كُلَّ هَيَّانِ

١٧١ -كَمْ هَيِّنٍ لَيِّنٍ يَكْبُوُوَيَعْثُرُ فِي الصَّ   صَمَّانِ وَالصُّلْبِ مِنْ عُمْيٍ وَصُمَّانِ

١٧٢ -كَمْ مُسْكَنٍ مُسْتَكِينٍ نَاءَعَنْ سَكَنٍ   قَدْ نَاءَ مِنْ مَسْكَنٍ مِنْ فَقْدِ أَسْكَانِ

١٧٣ -كَمْ نَاعِلٍ صَارَ نَعْلاً بِالْهَوَانِ وَكَمْ   مِنْ مُحْتَفٍ مَالَهُ مِنْ مُحْتَفٍ حَانِ

١٧٤ -حَارُوْاوَحَارُوْا فَمِنْ هَارٍ وَمُهْتَوِرٍ   وَهَيِّرٍ تَاهَ فِي الْحِيرَانِ حَيْرَانِ

١٧٥ -وَهَاجِرٍ هَاجِرٍ لِلسَّكْنِ هَجَّرَأَوْ   مُدَاجِرٍ فِيْ دُجَى الدَّيْجُوْرِ دَجْرَانِ

١٧٦ وَقَانِعٍ تَاتَ بِالْقُنْعَانِ مُضْطَبِراً   وَقَانِعٍ جَازِع أَمْسَى بِقِنْعَانِ

---

١٧٠ - [illegible]

١٧١ -هيّن: سهلٌ وضعيف، الصمّان: كلّ أرض صلبة ذات حجارة، الصُّلب: المكان الغليظ الحَجَر، عُمْى: جمع أعمَى، صُمّان: جمع أصمّ-

١٧٢ -مُسكن: مِسكين، مستكين: خاضع و ذليل، ناء عن : بَعُدَ عن لغةٌ فى نَأى سَكَن: مايُسكَن فيه، ناء من: نهض بجهد و مشقّة من، مَسْكَن: بيت و منزل، أسكان: جمع سَكْن وهو قوت و غذاء-

١٧٣ -ناعل: ذو نعلٍ، نعلاً: حذاءً، هَوَان: ذلّة، محتف: الأول من مشى بلاخفّ ولانعل ، والثانى مبالغ فى الإكرام والبرّ وإظهار السرور، حان: عاطف-

١٧٤ -حاروا: تحيّروا، هار: ضعيف ساقط من شدّة الزمان، مهتور: هالك، هيّر: الذى وقع فى الأمر بقلّة مبالاة، تَاهَ: ذهب متحيراً، الحِيران: جمع الحائر وهو البستان، حَيران: متحيّر-

١٧٥ -هاجرٌ: الأول مهاجرٌ والثانى فائق فاضل، السَكن: البيت، هجّرَ: سار فى نصف النهار عنداشتداد الحرّ، مداجر: فارّ، دُجَى: جمع دُجية، الديجور: الظلام دجران : حيران-

١٧٦ -قانع: الأول راض بماقُسِمَ له والثانى خارج من مكان إلى مكان ، بالقُنعان : بالقناعة، قِنعان: جمع الجمع واحدته قِنعة وهو مكان مستوبين أكمتين-

١٧٧ –وَجَائِعٍ كَانَ مِطْعَاماً لِكُلِّ طَوٍ ... وَنَاهِلٍ كَانَ مِنْهَالًا لِنَهْلَانِ

١٧٨ –وَهَائِمٍ قَدْتَنَاسَى الْهَيْمَ أَهْيَمَ فِى الْ ... هُيَامِ وَالْهَوْمِ وَالْهَيْمَاءِ هَيْمَانِ

١٧٩ –وَمُعْتَرٍ ذِىْ كَسَاءٍ لَا كِسَاءَ لَهٗ ... وَكَانَ يَكْسُوْ قُبَيْلًا كُلَّ عُرْيَانِ

١٨٠ –وَمُغْرِبٍ مُغْرَبٍ أَوْدَى بِغُرْبَتِهٖ ... فَصَارَ جُثَّتُهٗ طُعْماً لِغِرْبَانِ

١٨١ –لَمْ يَبْقَ عَارٌ عَلَى عَارٍ يَعُرُّ وَلَا ... عَارٍ يُعَرِّىْ وَلَا كَاسٍ بِدِرْسَانِ

١٨٢ –كَمْ بَادَ فِى الْبِيْدِ وَالْبَادَاةِ أَوْسَرَبٍ ... سِرْبٌ مِنَ الْغِيْدِ يَحْكِيْ سِرْبَ غِزْلَانِ

١٨٣ –تَتِيْهُ فِى التِّيْهِ رَبَّاتُ الْحِجَالِ بِلَا ... دَالٍ وَوَالٍ بِلَا سِتْرٍ وَأَظْعَانِ

---

١٧٧ –مطعاماً: كثير الأضياف، طو: جائع، ناهل: عطشان، منهالاً: رجل يبلغ غايته في [illegible]، نهلان: عطشان–

١٧٨ هائم: عاشق، الهيم: الحب، أهيم: عطشان شديد العطش، الهيام: الجنون من العشق، الهَوْم: النوم الخفيف، الهَيْمَاء: الصحراء لاماء فيه، هَيْمان: محبٌ شديدالوَجْد–

١٧٩ –كَسَاء: مجدوشرف، كِسَاء: ثوب، قُبَيلاً: تصغير قبل، عريان: عارٍ–

١٨٠ –مُغرِب: غريب، مُغرَب: من اشتدّ وجعُه، أودى: هلك، غربة: نزوح عن الوطن، جثته: جسده، طُعماً: طعاماً، غِربان: جمع غُراب–

١٨١ –عارٌ: ندامة، عارٍ: عريان، يعُرُّ: يأتى للمعروف، يُعرِّى: ينزع الثوب، درسان: جمع دِرس و هو ثوب بالٍ–

١٨٢ –بَادَ: هَلَكَ، البيد: جمع البَيْداء وهى فَلَاة أى صحراء، سَرَب: طريق يتتابع الناس فيه، سِرب: فريق و قطيع، الغِيد: جمع الأغيد أى من مالت عنقه ولانت أعطافه والمراد هنا النساء، يحكى: يشابه، غِزلان: جمع غَزال–

١٨٣ –تتيه: تضِلّ، التيه: القفر، ربّات الحجال: النساء، دالٍ: هادٍ ومرشد، أظعان: جمع ظعينة وهى هودج–

۱۸۴ -تَحُورُ حُورُ الْحَوارِيَّاتِ مِنْ شَزَنٍ	يَحْزَنَ يَرْبُوْنَ فِی رَبْوٍ وَحُورَان
۱۸۵ -تَحُورُ حُورٌ خَوَاتِيْنُ يَحْزَنَ بِلَا	حَامٍ مُحَامٍ كَأَحْمَاءٍ وَأَخْتَان
۱۸۶ -سَنَائِعُ خُلُقُهُنَّ الْحُبُنَّ جُبْنُ حَفاً	سَنَائِعَ الطَّوْدِ أَوْأَوْعَارَ جَبَّان
۱۸۷ -خُودٌ مَكَافِيلُ قَدْ عُجِّزْنَ أَعْجَزَهَا	كُثْبَانُ أَعْجَازِ هَا عَنْ جَوْبِ كُثْبَان
۱۸۸ -كَمْ خَضَّبَ الشَّوْكُ أَقْدَامَ الرَّوَاقِنِ مِنْ	دَمٍ وَكَمْ خُضِّبَتْ قِدَماً بِإِرْقَان
۱۸۹ -كَمْ حَاصِنٍ فُرِّقَتْ فِی لُجَّةٍ غَرِقَتْ	فَأَهْلَكَتْ نَفْسَهَا صَوْناً لِأَحْصَان
۱۹۰ -صَارَ الْمَوَالِی عَبِيداً لِلْعَبِيدِ كَمَا	صَارَتْ حَرَائِرُ أَمْوَاناً لِأَمْوَان

۱۸۴ - تحور: ترجع، حور: جمع أحور أی بيضاء من النساء ،الحواريّات: جمع الحواريّة وهی مبيّضة الثياب ، شَزَن: غِلظٌ من الأرض و ناحية وبُعد، يَحزن: لم يهتدن لسبيلهنّ، يربون: يعلون، ربو:تلّة، حُوران: جمع حائر وهو مجتمع الماء-

۱۸۵ -خواتين:جمع خاتون وهی امرأة شريفة، أحماء: جمع حَمو، أختان،جمع ختَنٌ-

۱۸۶ -سنائع:جمع سنيعة الأول هی مرأة جميلة ليّنة المفاصل لطيفة العِظام و الثانی طريقة فی الجبل ، الطود : الجبل العظيم، حفاً:المشی بلاخفّ ولانعل، أوعار: جمع وعْر وهو المكان السخيف الوَحش و الصلب، جبّان: صحراء وما استوى من الأرض فی ارتفاع ولاشجرفيه-

۱۸۷ -خود:جمع خَود وهو مرأة شابة، أعجزها: صيّرها عاجزة، عُجِّزن: صرن عجائز، كثبان:جمع كثيب وهو تلٌّ من الرمل، أعجاز: جمع عَجز وهو مؤخر الجسم ، جوب:قطع المسافة-

۱۸۸ -خضّب: لوّن، أقدام: جمع قدم، الراوقن:جمع الراقنة أی حسنة اللون، قِدماً: قديماً، إرقان:حِنّاء وزعفران-

۱۸۹ -حَاصِن: مرأة عفيفة، لُجّة:معظم الماء، صوناً: حِفظاً، أحصان: جمع حِصْن وهو كلّ مكان محمیّ-

۱۹۰ -الموالی: جمع المولی أی المالك والسيد، عبيداً: مملوكاً، حرائر: جمع حُرّة خلاف الأمة-

١٩١ –اَلنَّاسُ فِیْ هَرَبٍ یَسْتَرْجِعُوْنَ فَمِنْ	بَاكٍ وَشَاكٍ وَحَنَّانٍ وَأَنَّانٍ
١٩٢ –یَسْتَرْجِعُوْنَ بِتَرْجِیْعِ الْحَنِیْنِ إِلَی الدْ	دِیَارِ لِلْیَأْسِ عَنْ أَوْبٍ وَرُجْعَانٍ
١٩٣ –یَجِدُّ جُنْدُ النَّصَارٰی فِیْ تَجَسُّسِهِمْ	فَیَفْتُکُوْنَ بِغِلْمَانٍ وَفِتْیَانٍ
١٩٤ –یَسْعَوْنَ سَعْیاً حَثِیْثاً فِیْ تَطَلُّبِهِمْ	یَرُدُوْنَ مَنْ یَبْتَلِیْ مِنْهُمْ بِوِجْدَانٍ
١٩٥ –وَیَأْسِرُوْنَ فَرِیْقاً یَذْهَبُوْنَ بِهِمْ	إِلَی ظَلُوْمٍ غَلِیْظِ الْقَلْبِ غَضْبَانٍ
١٩٦ –یَقْضِیْ عَلَیْهِمْ بِخَنْقٍ ثُمَّ یَقْذِفُهُمْ	بِبُنْدُقٍ بَعْدَ مَا شُدُّوْا بِأَشْطَانٍ
١٩٧ –وَالْمَلْكُ عَنُّوْهُ إِذْعَنُّوْهُ مُحْتَبَسًا	فِیْ حَرْسٍ أَزْرَقَ کَالشَّیْطَانِ شَیْطَانٍ

١٩١ –هَرَب: لغة فی هَرَم، یسترجعون: یستعوذون فی المصیبة بقولهم(إنالله وإنا إلیه راجعون)–شاكٍ : فاعل شکایشکو،حنّان:مشتاق–

١٩٢ –ترجیع:تردیدالصوت فی الحلق، حنین: صوت توجّع و حزن، أوب: رجوع، رجعان: رجوع–

١٩٣ –فیفتکون بهم: فیبطشون بهم أو یقتلونهم علی غفلة، غِلمان: جمع غلام وهو طار الشارب، فتیان: جمع فتی–

١٩٤ –حثیثاً: سریعاً، یردون: یُهلِکُون–

١٩٥ –ظلوم: کثیر الظلم–

١٩٦ –أشطان:جمع شَطَن وهو حبل–

١٩٧ –الـمَـلْك:المَلِك أی بهادر شاه ظفر، عَنُّوه: الأول آذوه و کلّفوه ما یشقّ علیه والثانی حبسوه، أزرق:عدوّ، الشیطان: روح شریر ، شیطان: کلّ عاتٍ متمرّد من انس أوجنّ–

١٩٨ –وَقَتَلُوا مِنْ بَنِيهِ الْغُرِّ أَرْبَعَةً	وَعَلَّقُوا جُثَثَ الْقَتْلَى بِعِيدَانِ
١٩٩ –أَهْدَوْا إِلَى الْمَلِكِ الْعَانِي مَفَارِقَهُمْ	مَقْطُوعَةً وَضَعُوهَا فَوْقَ أَخْوَانِ
٢٠٠ –وَزَوْجَةٌ بَعْدَ طَوْلِ الطَّوْلِ قَدْ قُصِرَتْ	مِنْ بَيْنِ مَقْصُورَةٍ فِي سِجْنِ سَجَّانِ
٢٠١ –لَمْ يَنْجُ مِنْ قَتْلِهِمْ مِنْ قَوْمِهِ أَحَدٌ	إِلَّا مَنِ اكْتَنَّ فِي شَعْبٍ بِأَكْنَانِ
٢٠٢ –أَوْمَنْ تَنَكَّرَ أَوْمَنْ فَرَّ مُغْتَرِباً	إِلَى قُرىً حَمِيَتْ مِنْهُمْ إِلَى الْآنِ
٢٠٣ –[illegible] الْأُلُوفَ الْأُولَى [illegible]	مِنْ آلِ تَيْمُورَ مِنْ مُلَّاكِ جُرْجَانِ
٢٠٤ –نَسْطُو إِذَا خَلَتْ دِهْمِي نُهُمْ وَخَوَتْ	عَلَى قُرىً فِي نَوَاحِيهَا وَبُلْدَانِ

١٩٨ –الغُرّ: جمع الأغرّ وهو الشريف ، جثث: جمع جُثَّة وهي ميّت، القتلى: جمع القتيل وهو المقتول، عِيدان: جمع عُود وهو كل خشبة دقيقة كانت أو غليظة، رطبةً كانت أو يابسة والمراد هنا رطبة–

١٩٩ –مفارق: جمع مَفرِق ومَفرَق وهو من الرأس موضع افتراق الشعر و المراد هنا الرأس،أخوان: جمع خوان وهو ما يوضع عليه الطعام ليؤكل (فارسية)–

٢٠٠ –طُول: ضد قِصَر ، الطَول: القدرة والفضل والغنى، مقصورة: دار واسعة محصنّة أومن النساء محبوسة لايُسمَح لها بأن تخرج من بيتها، سجّان: صاحب أو حارس السجن–

٢٠١ –اكتنّ: استتر،شِعب: ناحية أوطريق في الجبل ،أكنان:جمع كِنّ وهو بيت أووقاء كل شيء و ستره–

٢٠٢ –تنكرّ: تغيّر عن حاله حتي يُنكر،قُرَى: جمع قرية–

٢٠٣ –غالوا: قتلوا،الألوف:جمع الألف، الأولى:جمع الذى من غيرلفظه ، ألفوا: وإجتذوا، ملّاك: جمع مالك، آل تيمور:سلالة المغل الامبراطورية، جُرجان: اقليم فى فارس–

٢٠٤ –خلت: تهدّمت وخلت، قرىً: جمع قرية،نواحي: جمع ناحية، بلدان: جمع بلد–

٢٠٥-فَخَنَّقُوا جُلَّ أَهْلِيهَا وَلَم يَذَرُوا	إِلَّا أَقِلَّاءَ مِنْ شِيبٍ وَشِيخَانِ
٢٠٦-لَمْ يَتْرُكُوا عَالِماً فِيهَا وَلَا عِلْماً	مِنَ الْعُلُومِ الَّتِى حُقَّتْ بِإِيقَانِ
٢٠٧-لَمْ يَتْرُكُوا فِى صُحُفٍ مُصْحَفاً شَغَفاً	بِدَرْسِ أَرْسُمِ تَدْرِيسٍ وَقُرآنِ
٢٠٨-هَدُّوا الْمَسَاجِدَ إِلَّا نَا دِراً مَنَعُوا	فِيهِ الصَّلَاةَ بِتَثْوِيبٍ وَإِيذَانِ
٢٠٩-دَاخُوا الْبِلَادَ وَدَاسُوهَا فَلَمْ يَذَرُوا	مَا كَانَ فِيهِنَّ مِنْ قَصْرٍ وَإِيوَانِ
٢١٠-شَبَوْا وَشَبُّوا لَظَى فِيهَا قَدِ احْتَدَمَتْ	عَلَى شَبَابٍ وَوِلْدَانٍ وَكُهْلَانِ
٢١١-وَقَتَّرُوا رِزْقَ كُلِّ غَيْرَ مَنْ نَصْرَانْ	نَصْرَانَ فِى الْحَرْبِ مِنْ زِطٍّ وَخَمَّانِ

٢٠٥-خنّقوا: شدّوا على حلوقهم حتى يموتوا، أقلّاء: جمع قليل، شِيب: جمع أشيب وهو مبيّض الرأس، شيخان: جمع شيخ-

٢٠٦-العلوم: جمع العلم، بإيقان: بعلم و تحقق-

٢٠٧-هذا البيت مكتوب بالحاشية لأنه غير واضح فى المتن، صُحُف: الصواب (صُحُف) جمع صَحِيفة، مصحفاً: القرآن الكريم، شغفاً: حبّاً، بدرس: لمحو، أرسم: جمع رسم-

٢٠٨-تثويب: دعاء إلى إقامة الصلاة، إيذان: نداء و إعلام-

٢٠٩-داخوا: قهروا واستولوا، داسُوها: وَطِئُوا و أذلُّوها، إيوان: قصر-

٢١٠-شَبَوا شَبواً وشَبُّوا شبّاً النارَ: أوقدوها، لظى: نار أو لهبها، احتدمت: اشتدّت، شَبَاب: جمع شبّ وهو شابّ، وِلدان: جمع وَليد، كهلان: جمع كَهْل وهو من عمره بين الثلاثين و الخمسين-

٢١١-قتّروا: ضيّقوا، النصران: النصرانى، خمّان: خشارة الناس ورديئهم-

٢١٢-وَأَرْصَدُوا لِيُعَنُّوا مَنْ جَلَاهَرَباً | زِطّاً غِلَاظاً بِمِرْصَادٍ بِإِكْمَان
٢١٣-لُدّاً شِدَادٌ شَيَاطِيناً زَنَادِقَةً | لَايَرْحَمُونَ عَلَى وَانٍ وَلَاَفَان
٢١٤-لَمَّا جَلَا أَهْلُ دِهْلِيٍ خَاذِلِينَ مَعَ الْ | جَيْشِ الْأُولَى خَذَلُوهُمْ كُلَّ خَذْلَان
٢١٥-لِضِيقِ عَيْشٍ إِذِالْأَعْدَاءُ لَمْ يَذَرُوا | أُكْلاً لِطَاوٍ وَلَا شِرْباً لِعَطْشَان
٢١٦-غَلُّوا بِغِلِّهِمُ الْغَلَّاتِ وَانْتَهَرُوا | مَنْ غَلَّ فِي الْمِصْرِمِن----
٢١٧-خَرَجْتُ أَسْتَوْقِفُ الْجَيْشَ الْهَزِيمَ بِمَا | تَثْبِيتُ مَنْ فَرَّقِي وُسْعِي وَإِمْكَانِي
٢١٨-وَقُلْتُ إِنَّ الْعِدَى لَنْ يَصْفَحُوا أَبَداً | فَمَامِنَ الْحَرْبِ مِنْ بُدٍّ وَحَتْنَان

٢١٢-أرصدوا: أقاموالهم يرصدون فى الطريق ،ليعنّوا: ليوذوا و يحبسوا ، جلا: خرج، غلاظاً: جمع غليظ، مرصاد : مكان يُرصَد فيه، إكمان : إخفاء-

٢١٣-لُدّاً: جمع ألدّ وهو خصم شديدالخصومة، شِداد: جمع شديد، شياطين: جمع شيطان، زنادقة: جمع زنديق، وان:ضعيف-

٢١٤-خاذلين:متخلّفين عن الجماعة، الأولى: الذين، خذلوهم :تركوا نصرتَهم وإعانتهم-

٢١٥-لطاو:طائع، أُكلاً: مايُؤكل، شِرباً: شَراباً،عطشان: فى الأصل مقطوعة فى عمل التجليد لأنّ هذاالبيت والقادم مكتوبان بالحاشية-

٢١٦-غلّوا: جعلوا غاليةً،بغلّهم: بحقدهم وغشّهم، الغلّات: جمع الغلّة انتهروا:زَجَروا، غلّ: أخذه فى خفية ، آخر المصراع الثانى مقطوع فى عمل التجليد-

٢١٧-أستوقف :أسألهم الوقوف وأحملهم عليه ،هزيم:مهزوم، وسعى: طاقتى-

٢١٨-العدى: الأعداء، لن يصفحوا: لن يعفوا،بُدّ: مناص و مهرب، حتنان: مساواة -

٢١٩-لَمْ آلُ فِى نُصْحِهِمْ جُهْداً فَمَا اسْتَمَعُوا إِلَى النُّصْحِ وَلَمْ يُصْغُوا بِإِرْغَانِ

٢٢٠-فَقَادَنِى الْعَجْزُ إِذْصَادَ فْتُهُمْ صَدَفُوا عَنِ الْقِتَالِ إِلَى أَهْلِى وَأَوْطَانِى

٢٢١-وَدَّعْتُ دِهْلِىْ وَدَاعَ الرُّوحِ قَالِبَهَا كُرْهاً وَوَدَّعْتُ خُلَّانِى وَخُلْصَانِى

٢٢٢-تَفُورُ فِى كَبِدِى الْحَرَّى لَظَى كَبَدٍ تَثُورُ فِى خَلَدِى أَشْجَانُ أَشْجَانِ

٢٢٣-وَقَدْ أَشَاعَ النَّصَارَى فِى الْقُرَى عِدَةَ النُّحْلِ الْجَزِيْلِ لِمَنْ يَسْعَى لِنِشْدَانِى

٢٢٤-وَدُونَ أَرْضِى بَوَادٍ دُونَهَا فُتُنٌ فِيهَا بِوَادٍ وَأَنْهَارٍ وَبُحْرَانِ

٢٢٥-لَمْ يَتْرُكِ الْخَصْمُ فِى بَحْرٍ وَلَا فَلَكٍ فُلْكاً وَجِسْراً لِمَلَّاحٍ وَسَفَّانِ

٢١٩-لم آلُ ألواً: لم أقصِّر وأُبطِئْ، لم يصغوا: مااستمعوا، إرغان: صغاء وإطاعة-

٢٢٠-صادفتُهم: وجدتهم من غير توقّع ، صدفواعن: أعرضوا وصَدّوا،أوطان: جمع وطن-

٢٢١-خلان: جمع خليل، خلصان:أصدقاء خُلَّصٌ-

٢٢٢-الحرّى: مؤنث الحرّان وهو شديد العطش، لظى: نار ، كَبِد: جهاز عن الجنب الأيمن، كَبَد: هواء أومشقة وشدّة، خَلَدِى:بالي وقلبى، أشجان: جمع شَجَن الأول حزن وهمّ والثانى حاجة شاغلة-

٢٢٣-القرى: جمع القرية، عدة: وعد، النُحل:العطية والهبة، الجزيل: العظيم، نشدان: مصدر نشده أى نادى وسأل عنه وطلبه-

٢٢٤-دون أرضى:أمام أرضى، دونها: غيرها، بوادٍ: جمع بادية وهى صحراء ، فتن:جمع فتين وهو أرض حَرّة سوداء كأن حجارتها مُحرَقَة، أنهار: جمع نهر-

٢٢٥-فَلَك: تِلّ، فُلكاً: سفينة ، جسراً: قَنطَرَة، ملّاح: سَفّان أى من يوجّه السفينةَ أويعمل فيها-

۲۲۶-فَسِرْتُ فِیْ کُلِّ بَرٍّ بَاعِدٍ وَعَلَی الرُ	رَبُّ الْقَرِیْبِ الرَّقِیْبِ الْبَرِّ تُکْلَانِیْ
۲۲۷-قَدْ کَانَ مَنْ کَانَ غَیْرِیْ عَابِراً عَبِراً	وَقَدْ عَبَرْتُ بِحَاراً غَیْرَ عَبْرَانِ
۲۲۸-عَایَنْتُ عَیْنَ الْعِدٰی فِیْ کُلِّ مَرْحَلَةٍ	وَاللّٰهُ عَمَّاهُ عَنْ عَیْنِیْ وَأَعْیَانِیْ
۲۲۹-وَکَمْ نَجِدْتُ وَکَمْ کَابَدْتُ مِنْ نَجَدٍ	فِیْ جَوْبِ وَعْرٍ وَأَنْجَادٍ وَوُهْدَانِ
۲۳۰-أَجَمْتُ نَفْسِیْ وَصَحْبِیْ فِی اقْتِحَامِیْ فِیْ	آجَامِ أُسْدٍ وَأَنْمَارٍ وَذُؤْبَانِ
۲۳۱-وَقَعْتُ خَوْفَ اغْتِیَالٍ فِیْ غَوَائِلَ مِنْ	غَوْلٍ وَغُوْلٍ وَأَغْوَالٍ وَغِیْلَانِ
۲۳۲-وَاللّٰهُ یُصْحِبُنَا مِنْهَا وَیَصْحَبُنَا	فَإِنَّهُ خَیْرُ وَاقٍ خَیْرُ مِعْوَانِ

۲۲۶-بَرّ: أرض یابسة، البَرّ: من الأسماء الحسنی، الرقیب: الحارس والحافظ تکلانی: اعتمادی مصدر و کل-

۲۲۷-عابراً: مسافرا، عَبِراً: ذاالعَبرة والحزن، عبرتُ: قطعت، بحاراً: جمع بحر

۲۲۸-عَایَنت: رأیت بعینی، عمّاه:صیّره أعمی-

۲۲۹-نَجِدت: کُربتُ، نجد: کربٌ وغمّ، جَوب وَعْر: قطع مکان مخیف وحش، أنجاد:جمع نجد وهو طریق مرتفع، وهدان:جمع وَهْد وهوأرض منخفضة-

۲۳۰-أجمتُ نفسی: حملتُها علی ماتکرهه، صَحب: جمع صاحب، اقتحام: رمی النفس فی أمربغیر رویّة، آجام: جمع أُجُم وهو حِصْن، أُسد: جمع أسد، أنمار: جمع نَمِر، ذؤبان: جمع ذِئب-

۲۳۱-اغتیال: قتل، غوائل: جمع غائلة وهی مهلکة وداهیة، غَول: مشقّة،غُول: داهیة وهلکة ومنیّة، أغوال و غیلان: جمع(غُول)-

۲۳۲-یُصحِبنا: یحفظنا، یَصحبنا: یرافقنا ویلازمنا ، مِعوان: حسن المعونة-

٢٣٣-حتّى قَدِمْتُ نَجيحاً سَالِماً أمِناً فَارْتَاحَ أَهْلِیْ وَجِیْرانِیْ بِقِدْمَانِیْ

٢٣٤-أَوْفُوْا نُذُوْراً بِقُرْبَان قَدِ الْتَزَمَتْ هَا أُسْرَتِیْ وَأُولُوالْقُرْبٰی لِقُرْبَانِیْ

٢٣٥-فَاسْتَبْشَرُوْا وَتَلَقُّوْنِیْ بِتَهْنِئَةٍ كُلٌّ أَتَانِیْ فَحَیَّانِیْ فَهَنَّانِیْ

٢٣٣-قَدِمْتَ: أتيت ورجعتُ، جيران: جمع جار، قِدمان: قدوم مصدر قَدِمَ-

٢٣٤-أوفوا نذوراً: أبلغوها، نذورٍ: جمع نَذْر أى ما يقدّمه الإنسان لله، قُربان: كل ما يتقرّب به إلى الله تعالى من ذبيحة، القُربى: القرابة، لقرباني: لِقُربَتِی-

٢٣٥-حيّاني: سلّم عليّ، هَنّاني: الصواب(هَنَّأَنِی)-

--------------------◇◇◇--------------------

مصادر و مراجع

مصادر و مراجع

نمبر شمار	کتاب	مصنف	مطبع و سن اشاعت
۱-	آبِ حیات	مولوی محمد حسین آزاد دہلوی	شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
۲-	ابجد العلوم	صدیق بن حسن قنوجی	المکتبہ القدوسیہ، اردو بازار لاہور-۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء
۳-	۱۸۵۷ء کے مجاہد	غلام رسول مہر	شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۷۱ء
۴-	۱۸۵۷ء کے مسلمان مجاہد	عشرت رحمانی	مکتبہ معین الادب، اردو بازار، لاہور، ۱۹۷۴ء
۵-	اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ	ڈاکٹر محمد ایوب قادری	ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور ۱۹۸۸ء
۶-	اردو دائرہ معارف اسلامیہ		جلد نمبر ۱۵، زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب، لاہور ۱۳۹۵ھ ۱۹۷۵ء
۷-	اردو میں نعت گوئی	ڈاکٹر ریاض مجید	اقبال اکادمی پاکستان، میکلوڈ روڈ، لاہور-۱۹۹۰ء
۸-	اردوئے معلیٰ	مرزا اسد اللہ خان غالب	مکمل مع ضمیمہ، شیخ مبارک علی لاہور

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
۹۔	ارواح ثلاثہ، ملقب بہ حکایات اولیاء		مجموعہ رسائل (امیر الروایات، روایات الطیب، اشرف التنبیہ) دارالاشاعت، کراچی۔
۱۰۔	اسباب بغاوت ہند	سرسید احمد خان	اردو اکیڈمی، سندھ مشن روڈ کراچی۔ ۱۹۵۷ء
۱۱۔	اکمل التاریخ	مولوی محمد یعقوب ضیاء قادری بدایونی	حصہ اول، مطبع قادری بدایون۔ ۱۳۳۳ھ
۱۲۔	الہام، شہید آزادی ایڈیشن، جلد نمبر ۴۵ شمارہ ۴۰ ہفت روزہ		بہاولپور، ۲۸/اکتوبر ۱۹۸۵ء
۱۳۔	امتناع النظیر	علامہ فضل حق خیرآبادی	مرکز تحقیقات اسلامیہ، شادمان، لاہور۔ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ/دسمبر ۱۹۹۹ء
۱۴۔	انتخاب یادگار	امیر مینائی	اتر پردیش اردو اکیڈمی، لکھنؤ ۱۹۸۲ء
۱۵۔	انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ دہلوی	اسلامک بک فاؤنڈیشن، سمن آباد، لاہور ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء

۱۶-	انقلاب ۱۸۵۷ء، جدید انکشافات	پی سی جوشی-محمد علی فارق	مکتبہ اخوت- ۲۲- اردو بازار، لاہور نومبر ۱۹۹۵ء
۱۷-	ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء	مولوی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی	دینی بکڈپو، اردو بازار- دہلی
۱۸-	باغی ہندوستان	مولانا محمد عبدالشاہد خان شروانی	المجمع الاسلامی مبارکپور انڈیا ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء
۱۹-	بہادر شاہ ظفر اور انکا عہد	سید رئیس احمد جعفری	کتاب منزل، لاہور ۱۹۵۷
۲۰-	پنج آہنگ	مرزا اسداللہ خان غالب	مطبوعات مجلس یادگار غالب پنجاب یونیورسٹی، لاہور-
۲۱-	تاریخ اودھ، جلد پنجم	حکیم محمد نجم الغنی خان رامپوری	مطبع منشی نول کشور، لکھنو ۱۹۱۹ء
۲۲-	تاریخ تناولیاں	جناب سید مراد علی علیگڑھی منشی سرحد چوکی دربند ضلع ہزارہ (تالیف ۱۸۷۵ء)	مکتبہ قادریہ، لاہور، طبع ثانی ۱۹۷۵ء
۲۳-	تحذیر الناس	مولوی قاسم نانوتوی	کتب خانہ امدادیہ، دیوبند، ۱۳۵۵ھ
۲۴-	تحریک، ماہنامہ، جلد نمبر ۸، شمارہ نمبر ۳		دہلی جون، ۱۹۶۰ء-

۲۵-	تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی	علامہ محمد فضل حق خیرآبادی مترجم: علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری	المجمع الاسلامی، مبارکپور انڈیا ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸
۲۶-	تذکرۂ اسلاف، حالات مشائخ کاندھلہ	مولوی احتشام الحسن کاندھلوی	دہلی-۱۳۸۳ھ
۲۷-	تذکرہ اہل دہلی	سرسید احمد خان	انجمن ترقی اردو ،کراچی-۱۹۶۵ء اور طبع ۱۹۵۵ء
۲۸-	تذکرۃ الرشید	محمد عاشق الٰہی میرٹھی	مکتبہ بحر العلوم، جونا مارکیٹ، کراچی-
۲۹-	تذکرہ علمائے ہند	مولوی رحمان علی	
۳۰-	تذکرہ علمائے ہند	مولوی رحمان علی، مترجمہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری	پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی-۱۹۶۱ء
۳۱-	تذکرہ غوثیہ، ملفوظات وحکایات شاہ غوث علی قلندر	مرتبہ شاہ گل حسن	شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور اور آزاد کتاب گھر کلاں محل دہلی، ۱۹۶۵ء
۳۲-	تذکرہ فرائد الدھر	مولوی کریم الدین پانی پتی (ف۱۸۶۹ء)	مطبع العلوم مدرسہ، دہلی، ۱۸۴۷ء
۳۳-	تقویت الایمان	شاہ اسماعیل دہلوی	امجد اکیڈمی -اردو بازار، لاہور
۳۴-	تلاش غالب	نثار احمد فاروقی	

۳۵-	تواریخ عجیب یعنی کالا پانی	محمد جعفر تھانیسری مرتبہ محمد ایوب قادری	سلمان اکیڈمی، نیو کراچی ہاؤسنگ کراچی
۳۶-	جنگ آزادی اٹھارہ سو ستاون	خورشید مصطفیٰ رضوی	مطبوعہ الجمعیت پریس، دہلی-۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء
۳۷-	جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین	ضامن علی خان	بھارت آفیسٹ، دہلی- ۱۹۹۱ء
۳۸-	جنگ آزادی کے نامور مجاہدین	عشرت رحمانی	مقبول اکیڈمی، شاہراہ قائد اعظم، لاہور-۱۹۹۳ء
۳۹-	حدائق الحنفیہ	فقیر محمد جہلمی	نول کشور، لکھنؤ
۴۰-	حیات سید احمد شہید (تواریخ عجیبہ موسوم بہ سوانح احمدی)	محمد جعفر تھانیسری	نفیس اکیڈمی، کراچی- دسمبر، ۱۹۶۸ء
۴۱-	حیات شبلی	سید سلیمان ندوی	دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۴۳ء
۴۲-	حیات طیبہ، سیرت شاہ اسماعیل دہلوی	مرزا حیرت دہلوی	مکتبۃ السلام، وسن پورہ، لاہور، ۱۹۵۸ء
۴۳-	حیات غالب	شیخ محمد اکرام	فیروز سنز، لاہور-
۴۴-	خطوط غالب	مرتبہ غلام رسول مہر	شیخ غلام علی اینڈ سنز، اردو بازار، لاہور، ۱۹۶۲ء
۴۵-	خم خانہ ریاض، (ریاض خیر آبادی)	مرتبہ ڈاکٹر خلیل اللہ خان	نظامی پریس، نخاس لکھنو اکتوبر ۱۹۸۳ء

۴۶-	خون کے آنسو	علامہ مشتاق احمد نظامی	مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ، لاہور-
۴۷-	خیال، سن ستاون نمبر		مسلم مسجد انارکلی، لاہور- ۱۹۵۷ء
۴۸-	خیر آباد کی ایک جھلک	نجم الحسن خیرآبادی	مطبوعات نامی پریس، لکھنو
۴۹-	دیوان فیض		المجمع العربی الباکستانی لاہور
۵۰-	ذکر غالب	مالک رام	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، دہلی، ۱۹۵۰ء
۵۱-	روضۃ الادباء	محمد الدین	مطبع انجمن پنجاب، لاہور- دسمبر، ۱۸۷۸ء
۵۲-	ریاض الفردوس	محمد حسین خان شاہجہان پوری	مطبع نولکشور، لکھنو، ۱۸۶۶ء
۵۳-	زبدۃ الحکمۃ مع ضمیمہ	مولانا عبدالحق خیر آبادی مرتبہ محمد عبدالشاہد خان شروانی	مطبع مسلم ایجوکیشنل علیگڑھ، ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء
۵۴-	زندگی ہفت روزہ		لاہور-۱۳ر نومبر ۱۹۷۲ء
۵۵-	سرگذشت غالب	ڈاکٹر محی الدین قادری زور	افضل برقی مشین پریس، حیدر آباد (بھارت) طبع دوم ۱۹۵۰ء

۵۶-	سفر اور تلاش	حکیم سید محمود احمد برکاتی	مجلس مطبوعات و تحقیقات اردو، جامعہ کراچی-
۵۷-	سن ستاون	پنڈت سندر لال	انجمن ترقی اردو، علیگڑھ، دسمبر ۱۹۵۷ء
۵۸-	سیرت سید احمد شہید	ابوالحسن علی ندوی	یونائیٹڈ انڈیا پریس، لکھنؤ، طبع دوم، دسمبر، ۱۹۴۱ء
۵۹-	سیف الجبار	مولانا فضل رسول بدایونی	مکتبہ رضویہ، انجن شیڈ لاہور طبع ششم ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء
۶۰-	شاہ اسماعیل اور ان کے ناقد	اخلاق حسین قاسمی	ذوالنورین اکادمی، بھیرہ، سرگودھا-
۶۱-	شفاعتِ مصطفیٰ، ترجمہ تحقیق الفتوی	مصنفہ علامہ محمد فضل حق خیر آبادی	شاہ عبدالحق محدث دہلوی اکیڈمی، بندیال سرگودھا، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء
۶۲-	عربی ادبیات میں برصغیر پاک و ہند کا حصہ	ڈاکٹر زبید احمد، مترجمہ، شاہد حسین رزاقی	ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور-۱۹۷۳ء
۶۳-	فضل حق خیر آبادی اور جہادِ آزادی	مرتب محمد سعید الرحمٰن علوی	سنی پبلیکشنز، اردو بازار، لاہور-اپریل ۱۹۸۷ء

۶۴-	علامہ محمد فضل حق خیر آبادی	ڈاکٹر قمر النساء ، الثورہ الهندیہ کی تحقیق پر مبنی ڈاکٹریٹ کا مقالہ	مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء
۶۵-	علمائے ہند کا شاندار ماضی، جلد چہارم	سید محمد میاں	مکتبہ محمودیہ، لاہور-
۶۶-	علم و عمل، وقائع عبدالقادر خانی جلد۲	مترجمہ مولوی معین الدین افضل گڑھی	کراچی-
۶۷-	عود ہندی	مرزا اسد اللہ خان غالب مرتبہ، سید مرتضی حسین فاضل	مجلس ترقی ادب، لاہور- ۱۹۶۷ء
۶۸-	غالب اور انقلاب سن ستاون	ڈاکٹر سید معین الرحمٰن	سنگ میل پبلی کیشنز، اردو بازار، (لوئر مال) لاہور-
۶۹-	غالب کے رومان	ڈاکٹر عارف بٹالوی	الفلاح پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور ۱۹۶۹ء
۷۰-	غالب نام آور		انجمن ترقی اردو، بابائے اردو روڈ، کراچی، ۱۹۶۹ء
۷۱-	غالب نام آورم	نادم سیتاپوری	سنگ میل پبلی کیشنز، چوک اردو بازار، لاہور، جولائی، ۱۹۷۰ء
۷۲-	غالب نامہ	شیخ محمد اکرام	قومی کتب خانہ، ریلوے روڈ لاہور-۱۹۳۶ء

۷۳-	غداروں کے خطوط	تحقیق و ترجمہ، سلیم قریشی	نگارشات، میاں چیمبرز، لاہور ۱۹۹۹ء
۷۴-	غدر کے چند علماء	مفتی انتظام اللہ شہابی	دینی بکڈپو، اردو بازار دہلی
۷۵-	غدر کی صبح شام	جیون لال کا روزنامچہ	ہمدرد پریس، دہلی- مارچ ۱۹۲۶ء
۷۶-	غدر کے فرمان	خواجہ حسن نظامی	اہل بیت پریس، دہلی ۱۹۴۴
۷۷-	فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون	حکیم سید محمود احمد برکاتی	برکات اکیڈمی، کراچی، مئی ۱۹۸۷ء
۷۸-	قلمی بیاض	علامہ فضل حق خیر آبادی مملوکہ حکیم سید محمود احمد برکاتی	ذاتی کتب خانہ، کراچی-
۷۹-	قیصر التواریخ	کمال الدین حیدر عرف سید محمد زائر	نول کشور پریس لکھنو ۱۹۰۷ء
۸۰-	کلیات غالب فارسی	مرتبہ سید مرتضی حسین فاضل لکھنوی	مجلس ترقی ادب لاہور، جون ۱۹۶۷ء
۸۱-	مثنویات غالب فارسی	مترجمہ ڈاکٹر ظ- انصاری	غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۸۳ء
۸۲-	مجلۃ المجمع العربی الباکستانی، جلد اول عدد رابع	..	جامعہ پنجاب، لاہور-
۸۳-	المعتقد المنتقد	مولانا فضل رسول بدایونی	مکتبہ حامدیہ، لاہور

۸۴-	المدائح النبویہ	ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، مقالہ ڈاکٹریٹ	
۸۵-	معجم المؤلفین، جلد ہشتم	عمر رضا کحالہ	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۸۶-	مفتی صدرالدین آزردہ	عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی	دہلی، ۱۹۷۷ء
۸۷-	مقالات سرسید، حصہ نہم (ملکی وسیاسی مضامین)	مرتبہ مولانا محمد اسماعیل پانی پتی	مجلس ترقی ادب، لاہور- دسمبر ۱۹۶۲ء
۸۸-	مقام غالب	عبدالصمد صارم الازہری	ادارہ علمیہ، نئی انارکلی، لاہور، ۱۹۶۸ء
۸۹-	مقدمہ بہادر شاہ ظفر	خواجہ حسن نظامی	الفیصل ناشران، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۰ء
۹۰-	مکاتیب غالب	مرتبہ امتیاز علی خان عرشی	۱۹۴۹ء
۹۱-	مکتوبات غالب	لطیف الزمان خان، اردو ترجمہ نامہ ہائی فارسی غالب مرتبہ سید اکبر علی ترمذی	الفیصل ناشران وتاجران، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور- ۱۹۹۵ء
۹۲-	مولانا فیض احمد بدایونی	محمد ایوب قادری	پاک اکیڈمی، کراچی، مئی ۱۹۵۷ء
۹۳-	منجد		دارالمشرق، بیروت

۹۴-	مولانا فضل حق خیر آبادی (۱) مجموعہ مقالات ''مولانا فضل حق خیر آبادی، دور ملازمت'' (۲) ''مولانا فضل حق خیر آبادی اور ۱۸۵۷ء کا فتویٰ جہاد'' (۳) ''مولانا فضل حق خیر آبادی''	سیتی مطالعہ فضل حق قریشی از ڈاکٹر محمد ایوب قادری، ص:۱۱تا۸۲ از مولانا امتیاز علی عرشی، ص:۸۳تا۱۰۱ از مالک رام، ص:۱۰۳ تا ۱۴۹	الفیصل ناشران وتاجران، اردو بازار، لاہور-۱۹۹۴ء
۹۵-	مومن خان مومن، حیات وشاعری	مرتبہ پروفیسر نذیر احمد	غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء
۹۶-	نزھۃ الخواطر وبھجۃ المسامع والنواظر	عبدالحیٔ بن فخر الدین حسینی	حیدر آباد، دکن، ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء
۹۷-	ہدیہ سعیدیہ	علامہ فضل حق خیر آبادی	۱۹۲۴ء
۹۸-	وقائع نصیر خانی:	مرزا نصیر الدین محمد مرتبہ ومترجمہ: ڈاکٹر محمد ایوب قادری	اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، کراچی-۱۹۶۱ء
۹۹-	یادگار غالب	مولانا الطاف حسین حالی	مکتبہ عالیہ، لاہور، نومبر ۱۹۸۷ء

۱۰۰-	الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی (تالیف، ۱۲۸۰ھ)	محمد محسن بن یحییٰ ترھتی	طبع اول صدیقی پریس، بریلی، ۱۲۸۶ھ
۱۰۱-	Bahadur Shah II & War of 1857 in Dehli	Mahdi Hussain	Atma Ram Sons, Kashmiri Gate, Dehli, 1958.
۱۰۲-	Eighteen Fifty Seven	Surendra Nath Sen	The Publications Division, India, 1957.
۱۰۳-	Kedarnath's Diary Appendix of "Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan		Karachi, 1958.
۱۰۴-	Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan	Edited by S.Moinul Haq	Pakistan Historical Society Karachi, 1958.
۱۰۵-	Muslims in India " A Biographical Dictionary; Vol,I		Lahore, 1985.
۱۰۶-	The Great Revolution of 1857	Syed Moinul Haq	Pakistan Historical Society, karachi, 1968.

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں علامہ کا حصہ --- ایک نظر میں

مولوی فضل حق الور کے راجہ کی ملازمت چھوڑ کر دہلی آ گیا ہے----

(کرنل بیچر کا مخبر، ۱۸ اگست ۱۸۵۷ء، غداروں کے خطوط، ص:۱۷۶)

مولوی فضل حق باغی فوج کی بڑے زور وشور سے تعریف کر رہے تھے، انہوں نے بادشاہ سے کہا اب وقت کا تقاضا ہے کہ باغیوں (مجاہدینِ آزادی) کو رقم اور سامان رسد کی مدد پہنچائی جائے تاکہ انہیں کچھ سہارا ہو--- بادشاہ نے جواب دیا، آپ تو یہیں ہیں، آپ انتظام سنبھالئے---- مولوی صاحب جب بھی بادشاہ کے پاس آتے مشورہ دیتے کہ جہاد کی مہم میں اپنی رعایا کی ہمت افزائی کریں اور انکے ساتھ باہر (میدانِ جنگ میں) بھی نکلیں، فوجی دستوں کو جس حد تک ممکن ہو بہتر معاوضہ دیں ورنہ اگر انگریز جیت گئے تو صرف خاندان تیموریہ (مغلیہ خاندان) نہیں بلکہ تمام مسلمان نیست ونابود ہو جائیں گے۔

(بہادر شاہ ظفر کے معتمد خاص وزیر وشاہی طبیب اور ایک بڑے غدار "حکیم احسن اللہ خان کی یادداشت"، ص:۲۳،۲۴)

میں نے کہا کہ دشمن کبھی معاف نہیں کریگا، اسلئے جنگ اور مقابلے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

(قصیدہ نونیہ، شعر نمبر:۲۱۸)

مولوی فضل حق جب سے دہلی آیا ہے۔شہریوں اور فوج کو انگریزوں کے خلاف اکسانے میں مصروف ہے---- (تراب علی، ۲۸ اگست ۱۸۵۷ء، "غداروں کے خطوط"، ص:۲۰۳)

غداروں کے خطوط

مولوی فضل حق کے کہنے پر، شہزادے اب حملہ کرنے والی فوج کے ساتھ محاذ پر جاتے ہیں اور عموماً سبزی منڈی کے پل پر لڑتے ہیں۔ (تراب علی، ۲۸ اگست ۱۸۵۷ء، "غداروں کے خطوط"، ص:۲۰۴)

اگر آپ مرزا الٰہی بخش (بہادر شاہ ظفر کے سمدھی، بااثر امیر دربار، بڑے غدار) کو اسکے خط کا جواب دیں تو اس مقصد کیلئے اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرے گا اور مولوی فضل حق اور دوسرے باغیوں کو شہر سے باہر نکال کرے گا۔

(تراب علی، ۲۸ اگست ۱۸۵۷ء، "غداروں کے خطوط"، ص:۲۱۳)

اس کتاب میں علامہ اور مرزا غالب وغیرہ کے گہرے روابط اور جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ ظفر اور جنرل بخت خان وغیرہ کے کردار کا تحقیقی جائزہ بھی خصوصی طور پر شامل ہے۔

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں علامہ کا حصہ --- ایک نظر میں

مولوی فضل حق الور کے راجہ کی ملازمت چھوڑ کر دہلی آ گیا ہے۔---

(کرنل بیچر کا مخبر، ۱۸، اگست ۱۸۵۷ء، غداروں کے خطوط، ص: ۱۷۶)

مولوی فضل حق باغی فوج کی بڑے زور و شور سے تعریف کر رہے تھے، انہوں نے بادشاہ سے کہا اب وقت کا تقاضا ہے کہ باغیوں (مجاہدینِ آزادی) کو رقم اور سامان رسد کی مدد پہنچائی جائے تا کہ انہیں کچھ سہارا ہو--- بادشاہ نے جواب دیا، آپ تو یہیں ہیں، آپ انتظام سنبھالیے---- مولوی صاحب جب بھی بادشاہ کے پاس آتے مشورہ دیتے کہ جہاد کی مہم میں اپنی رعایا کی ہمت افزائی کریں اور انکے ساتھ باہر (میدانِ جنگ میں) بھی نکلیں، فوجی دستوں کو جس حد تک ممکن ہو بہتر معاوضہ دیں ورنہ اگر انگریز جیت گئے تو صرف خاندان تیموریہ (مغلیہ خاندان) نہیں بلکہ تمام مسلمان نیست و نابود ہو جائیں گے۔

(بہادر شاہ ظفر کے معتمد خاص وزیر و شاہی طبیب اور ایک بڑے غدار ''حکیم احسن اللہ خان کی یادداشت''، ص: ۲۳، ۲۴)

میں نے کہا کہ دشمن کبھی معاف نہیں کریگا، اسلئے جنگ اور مقابلے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

(قصیدہ نونیہ، شعر نمبر: ۲۱۸)

مولوی فضل حق جب سے دہلی آیا ہے۔ شہریوں اور فوج کو انگریزوں کے خلاف اکسانے میں مصروف ہے---- (تراب علی، ۲۸: اگست ۱۸۵۷ء، ''غداروں کے خطوط'' ص: ۲۰۳)

غداروں کے خطوط

مولوی فضل حق کے کہنے پر شہزادے اب حملہ کرنے والی فوج کے ساتھ محاذ پر جاتے ہیں اور عموماً سبزی منڈی کے پل پر لڑتے ہیں۔ (تراب علی، ۲۸: اگست ۱۸۵۷ء، ''غداروں کے خطوط'' ص: ۲۰۴)

اگر آپ مرزا الٰہی بخش (بہادر شاہ ظفر کے سمدھی، بااثر امیرِ دربار، بڑے غدار) کو اسکے خط کا جواب دیں تو اس مقصد کیلئے اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کرے گا اور مولوی فضل حق اور دوسرے باغیوں کو شہر سے باہر نکال کرے گا۔

(تراب علی، ۲۸: اگست ۱۸۵۷ء، ''غداروں کے خطوط''، ص: ۲۱۳)

اس کتاب میں علامہ اور مرزا غالب وغیرہ کے گہرے روابط اور جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ ظفر اور جنرل بخت خان وغیرہ کے کردار کا تحقیقی جائزہ بھی خصوصی طور پر شامل ہے۔